تاریخِ فقہ اُردو

تالیف عربی

علامہ شیخ محمد خضری بکؒ

پروفیسر جامعہ مصریہ

ترجمہ اُردو

مولانا محمد تقی صاحب عثمانی

مولانا حبیب احمد ہاشمی

جس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آجتک ہر دور کے فقہ اسلامی کی مکمل تاریخ اور خصوصیات نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور ساتھ ہی چاروں ائمہ یعنی حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور انکے شاگردوں کے حالات اور انکے علمی کارنامے اور تصانیف کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے

ناشر

دارُالاشاعت

مُقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱

جملہ حقوق طباعت واشاعت محفوظ

اشاعت اوّل ـــــــــ جنوری ۱۹۶۵ء
تعداد طبع ـــــــــ ایک ہزار
باہتمام ـــــــــ محمد رضی عثمانی
طباعت ـــــــــ انٹرنیشنل پریس
قیمت ـــــــــ نو روپے صرف

ناشر

دارالاشاعت مقابل مولوی مسافرخانہ کراچی

ملنے کے پتے

(۱) ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
(۲) ادارۃ المعارف ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۳۰
(۳) قرآن محل مقابل مولوی مسافرخانہ کراچی ۱

Marfat.com

۲۹۷، ۳۹
۲/۱۵۲ ث
۱۲۶۳۶

حرفِ آغاز

(از محمد رضی عثمانی)

مصر کے مشہور مصنف اور دانشور علامہ شیخ محمد خضری بک کی مشہور عالم کتاب تاریخ تشریع الاسلامی کا اردو ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ فقہ اسلامی کی تاریخ پر اُردو زبان میں ابتک کوئی ایسی جامع کتاب موجود نہیں تھی جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ آیا فقہ اور قانون اسلامی کوئی جامد چیز ہے یا بدلتے ہوئے زمانہ کی ضروریات اور حالات کے مطابق اس میں رد و بدل ہوتا رہا ہے اور یہ کہ فقہ اسلامی موجودہ زمانہ کے ساتھ کس حد تک ہم آہنگ ہے۔ اس کے لئے اس کی ضرورت تھی کہ اسلامی فقہ کے تمام ادوار کی مفصل تاریخ مرتب کی جائے جس میں ہر دور میں فقہی تغیّرات انقلابات اور اس دور کی خصوصیات دکھائی جائیں اور زیرِ نظر کتاب ان تمام ضروریات کو اور مقاصد کو پورا کرتی ہے فاضل مصنّف نے اس موضوع پر قلم اٹھا کر ملک وملّت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کردیا ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک ہر دور کے فقہ اسلامی کی مفصل تاریخ اور خصوصیات نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور ساتھ ہی چاروں مشہور ائمہ یعنی امام ابوحنیفہ رح، امام مالک رح، امام شافعی رح، امام احمد بن حنبل رح اور ان کے تلامذہ کے حالات اور اُن کے علمی کارنامے اور تصانیف کا تذکرہ نہایت شرح وبسط کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا اُردو ترجمہ کرنے کے لئے احقر نے اپنے برادر عزیز مولانا محمد تقی صاحب عثمانی سے کہا جو ماشاء اللہ نوجوان ہونے کے باوجود عربی اُردو زبان پر پوری طرح قادر اور علوم اسلامیہ

Marfat.com

پر گہری نظر اور استعداد رکھتے ہیں اور جن کی دو کتابیں ہمارے عائلی مسائل اور ضبط ولادت عقلی و شر
حیثیت سے دارالاشاعت کراچی سے شائع ہو کر اہل علم اور عوام سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں
انھوں نے اپنی گوناگوں علمی و تعلیمی مصروفیات کے باوجود اس اہم کتاب کے اردو ترجمہ کا کام شروع
کر دیا اور ابھی نصف سے کچھ کم کتاب کا ترجمہ کر پائے تھے کہ اچانک بعض دوسری علمی مصروفیا
کی وجہ سے اس کو پورا نہ کر سکے اس لئے بقیہ نصف کتاب سے زیادہ کا ترجمہ محترم بزرگ مولا
حبیب احمد صاحب ہاشمی نے پورا کیا اور الحمد للہ اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

Marfat.com

فہرست مضامین "تاریخ فقہ اردو"

حرف آغاز

پیش لفظ

مقدمہ مصنف ۹

پہلا دور ۹

عہد رسول اللہؐ کی زندگی میں قرآن و حدیث ۱۱

نزول وحی کے دو اہم دور ۱۴

مکی و مدنی سورتیں ۱۴

سورۃ کی وجہ تسمیہ ۱۴

سورتوں کے نام ۱۵

نزول وحی کی کیفیت ۱۸

مکی و مدنی سورتوں کے امتیازات ۲۰

پہلا امتیاز ۲۱

دوسرا امتیاز ۲۱

تیسرا امتیاز ۲۱

قرآن کے مضامین ۲۲

قرآن میں اسلامی فقہ کی بنیادیں ۲۳

عدم الحرج ۲۳

تکالیف کی کمی ۲۴

تدریج ۲۵

قرآن کی حجیت ۲۶

نسخ کا مطلب ۲۷

طلب اور تخییر کے مسائل میں قرآن کا انداز بیان ۳۴

طلب کے انداز ۳۴

ممانعت کے انداز ۳۷

تخییر کے انداز ۴۰

قرآن میں کس قسم کے احکام ہیں ۴۱

حدیث ۴۲

رفع اجمال کی مثالیں ۴۳

قیاس کی صورت ۴۵

صحابہ کا علم حدیث ۴۷

نماز ۴۸

دور جاہلیت کی نماز ۵۰

نماز کے اوقات ۵۱

روزہ ۵۴

حج اور عمرہ ۵۷

حج کے فوائد ۶۳

زکوٰۃ ۶۴

قرآن کریم کے مزید احکام ۶۶

جہاد ۷۳

معاہدات اور وثائق ۸۰

جنگی قیدی ۸۳

غلام اور غلامی ۸۴

جنگ کا مال غنیمت ۸۶

عائلی نظام ۹۲

شادی بیاہ ۹۳

طلاق ۹۹

پردہ کے آداب ۱۱۵

وراثت کا نظام ۱۱۷

Marfat.com

معاملات ۲۲

سزائیں ۲۶

دوسرا دور

جلیل القدر صحابہ کے زمانہ میں قانون شریعت سالہ سے سنہ تک اور سیاسی پس منظر ۱۳۴

دور ثانی میں کتاب وسنت ۱۳۵

اس زمانہ میں اجتہاد ۱۴۳

حضرت عبداللہ ابن مسعود رض ۱۵۷

حضرت زید بن ثابت ۱۵۸

تیسرا دور

چھوٹے صحابہ اور ان سے استفادہ کرنیوالے تابعین کے زمانہ میں فقہ ۱۶۰

سیاسی پس منظر ۱۶۰

اس زمانہ میں اجتہاد ۱۶۳

کتاب وسنت ۱۶۳

اس زمانہ کے مشہور مفتی ۱۶۴

مدینہ کے مفتی ۱۶۴

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض ۱۶۴

حضرت سعید بن مسیب مخزومی ۱۶۶

عروہ بن زبیر بن عوام اسدی ۱۶۶

حضرت ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام ۱۶۶

حضرت علی بن حسین بن ابی طالب ہاشمی ۱۶۶

حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود ۱۶۷

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر ۱۶۷

حضرت ام المومنین میمونہ رض کے مولی بن یسار ۱۶۷

حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رض ۱۶۷

حضرت محمد بن مسلم المعروف بہ ابن شہاب زہری ۱۶۸

حضرت ابوجعفر محمد بن علی بن حسین معروف بالباقر ۱۶۹

ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان ۱۶۹

حضرت یحیی بن سعید انصاری ۱۶۹

حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمن فروخ ۱۶۹

مکہ کے مفتی

حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ۱۶۹

حضرت مجاہد بن جبر مولی بن مخزوم ۱۷۰

حضرت عکرمہ مولی ابن عباس رض ۱۷۰

حضرت عطاء بن ابی رباح مولی قریش ۱۷۰

حضرت ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس مولی حکیم بن حزام ۱۷۱

کوفہ کے مفتی

فقیہ عراق علقمہ بن قیس نخعی ۱۷۱

حضرت مسروق بن اجدع ہمدانی ۱۷۱

حضرت عبیدہ بن عمرو سلمانی مرادی ۱۷۲

حضرت اسود بن یزید نخعی ۱۷۲

حضرت شریح بن حارث کندی ۱۷۲

حضرت ابراہیم بن یزید نخعی ۱۷۲

حضرت سعید بن جبیر مولی والبیہ ۱۷۲

حضرت عامر بن شراحیل شعبی ۱۷۲

بصرہ کے مفتی

حضرت انس بن مالک انصاری ۱۷۳

حضرت ابوالعالیہ رفیع بن مہران ریاحی ۱۷۳

حضرت حسن بن ابی الحسن یسار مولی زید بن ثابت ۱۷۴

حضرت ابوالشعثاء جابر بن زید مصاحب حضرت عباس رض ۱۷۴

حضرت محمد بن سیرین مولی حضرت انس بن مالک ۱۷۴

Marfat.com

حضرت قتادہ بن دعامہ دوسی ۱۸۴

شام کے مفتی

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم اشعریؒ ۱۸۵
حضرت ابوادریس خولانی عائذ اللہ بن عبداللہ ۱۸۵
حضرت قبیصہؒ بن ذویب ۱۸۵
حضرت مکحولؒ بن ابی مسلم ۱۸۵
حضرت رجاء حیاۃ کندیؒ ۱۸۵
حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز بن مروان ۱۸۶

مصر کے مفتی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ۱۸۶
حضرت ابوالخیر مرثد بن عبداللہ یزنی مفتی مصر ۱۸۶
یزید بن ابی حبیب مولیٰ ازد ۱۸۶

یمن کے مفتی

حضرت طاؤس بن کیسان جندی ۱۸۷
حضرت وہب بن منبہ صنعانی ۱۸۷
حضرت یحییٰ بن ابی کثیر مولیٰ طی ۱۸۸

چوتھا دور ۲۰۰ھ تا ۳۵۰ھ

سیاسی پس منظر ۱۹۲
اس دور کی خصوصیات ۱۹۴
اسلامی شہروں میں علمی حرکت ۱۹۶
حفاظ قرآن کی تعداد میں زیادتی ۱۹۷
حدیث کی تدوین ۱۹۹
مادۂ فقہ میں نزاع ۲۰۱
احادیث میں نزاع ۲۰۱
اصول فقہ کی تدوین ۲۳۷
اصطلاحات فقہیہ کا ظہور ۲۴۳
ان جلیل القدر فقہاء کا ظہور جن کی قیادت کو عوام نے تسلیم کرلیا ۲۴۵
امام ابوحنیفہؒ ۲۴۵
سفیان بن سعید ثوری ۲۴۸
شریک بن عبداللہ نخعیؒ ۲۴۸
محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی ۲۴۸
ابویوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری ۲۴۹
زفر بن ہذیل بن قیس کوفی ۲۴۹
محمد بن حسن بن فرقد شیبانی ۲۴۹
حسن بن زیاد لولوئی کوفی ۲۵۰
ابراہیم بن رستم مروزی ۲۵۱
احمد بن حفصؒ ۲۵۱
بشر بن غیاث مریسی ۲۵۱
بشر بن ولید کندی ۲۵۱
محمد بن سماعہ تمیمی ۲۵۲
محمد بن شجاع ثلجی ۲۵۲
ابوسلیمان موسیٰ بن سلیمان جوزجانی ۲۵۲
ہلال بن یحییٰ بن مسلم الرائے بصری ۲۵۲
ابوجعفر احمد بن ابی عمران قاضی دیار مصر ۲۵۲
بکار بن قتیبہ بن اسد القاضی مصری ۲۵۲
ابوخازم عبدالحمید بن عبدالعزیز ۲۵۲
ابوسعید احمد بن حسین بردعی ۲۵۳
امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ ازدی طحاوی ۲۵۳
امام مالکؒ ۲۵۳
ابومحمد عبداللہ بن وہب بن مسلم قرشی ۲۵۶
ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن قاسم عتقی ۲۵۷

Marfat.com

اشہب بن عبدالعزیز قیسی عامری جعدی ۲۵۷
ابو محمد عبداللہ بن عبدالحکم ۲۵۷
اصبغ بن فرج اموی ۲۵۸
محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم ۲۵۸
محمد بن ابراہیم بن زیادا سکندری ۲۵۸
ابو عبداللہ زیاد بن عبدالرحمٰن قرطبی ۲۵۹
عیسیٰ بن دینار اندلسی ۲۵۹
یحییٰ بن یحییٰ کثیر اللیثی ۲۵۹
عبدالملک بن حبیب بن سلیمان سلمی ۲۶۰
ابوالحسن علی بن زیاد تونسی ۲۶۰
اسد بن فرات نیشاپوری ۲۶۰
عبدالسلام ابن سعید تنوخی ۲۶۱
احمد بن معذل بن غیلان عبدی ۲۶۲
ابواسحاق اسماعیل بن اسحاق ۲۶۲
اہل مدینہ میں امام مالک کے بڑے شاگرد ۲۶۳
ابومروان عبدالملک بن عبدالعزیز ۲۶۳

امام شافعی رح ۲۶۳

امام شافعیؒ کے شاگرد اور انکے مذہب کے راوی ۲۶۶
ابوثور ابراہیم بن خالد بن یمان کلبی بغدادی ۲۶۷
امام احمد بن حنبل ۲۶۷
حسن بن محمد بن صباح زعفرانی بغدادی ۲۶۷
ابوعلی حسین بن علی کرابیسی ۲۶۸
احمد بن یحییٰ بن عبدالعزیز بغدادی ۲۶۸
امام شافعیؒ کے عراقی شاگرد ۲۶۹
داؤد بن علی امام اہل ظاہر ۲۶۹
ابوالعباس احمد بن عمر بن سریج حسین زعفرانی ۲۶۹

ابوجعفر محمد بن جریر طبری ۲۶۹
یوسف بن یحییٰ بویطی مصری ۲۶۹
ابوابراہیم اسمٰعیل بن یحییٰ مزنی مصری ۲۷۰
ربیع بن سلیمان بن عبدالجبار مرادی ۲۷۰
حرملہ بن یحییٰ بن عبداللہ تجیبی ۲۷۰
یونس بن عبدالاعلیٰ صدفی مصری ۲۷۰
ابوبکر محمد بن احمد المعروف ابن حداد ۲۷۰

امام احمد بن حنبل ۲۷۱

ابوبکر احمد بن محمد بن ہانی ۲۷۱
اسحاق بن ابراہیم ابن راہویہ مروزی ۲۷۲

ائمہ شیعہ ۲۷۲

فناشدہ مذاہب ۲۷۵
امام اوزاعیؒ ۲۷۶
ابوسلیمان داؤد بن علی ۲۷۷
ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید طبری ۲۸۰
محمد بن احمد بن محمد بن ابی ثلج کاتب
ابوالحسن احمد بن یحییٰ منجم متکلم
ابوالحسن دقیق حلوانی
ابوالفرج معافی بن ذکریا نہروانی
مسائل کی جزئیات
طلاق بالحساب ۲۸۳
مسائل الحیل ۲۸۷
احکام میں کتابوں کی تدوین ۲۸۸
مذہب امام ابوحنیفہ کی کتب ۲۸۹
کاریگر کا تاوان ۲۹۰

Marfat.com

زمانۂ اختیار میں خریدار کے پاس فروخت شدہ چیز کا ضائع ہونا ۲۹۱
بیع جبری ۲۹۲
شفعہ کے مسائل ۲۹۲
پڑوس کا شفعہ ۲۹۳
افکار کی صلح ۲۹۳
کتب ظاہر روایت ۲۹۳
باب اس شخص کے بارے میں جو کسی شخص کیلئے کسی شخص کو اس لئے پکڑے تاکہ وہ اسکو قتل کردے ۲۹۵
امام مدینہ مالکؒ بن انس کے مذہب کی کتابیں ۳۰۰
بیمار کی طلاق ۳۰۰
اہل صلاح واہل بدعت کے پیچھے نماز پڑھنا ۳۰۲
امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے مذہب کی کتابیں ۳۰۴
نماز کے متعلق کلام ۳۰۵

پانچواں دور

سیاسی پس منظر ۳۱۴
روح تقلید ۳۱۷
اسباب تقلید ۳۲۰
مناظرے اور جدل کی اشاعت ۳۲۶
مذہب اسماعیلی ۳۳۲
مذہبی تعصبات کا شروع ۳۳۴
اس دور کے فقہاء ۳۳۶
ابوالحسن عبید اللہ بن الحسن الکرخی ۳۳۶
ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص ۳۳۷
ابوجعفر محمد بن عبداللہ بلخی ہندوانی ۳۳۷
ابوعبداللہ یوسف بن محمد جرجانی ۳۳۷
ابوالحسن احمد بن محمد قدوری بغدادی ۳۳۷
ابوزید عبداللہ بن عمر دبوسی سمرقندی ۳۳۷
ابوعبداللہ حسین بن علی صیمری ۳۳۷
ابوبکر خواہرزادہ محمد بن حسین بخاری ۳۳۷
شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد حلوانی ۳۳۸
شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی ۳۳۸
ابوعبداللہ محمد بن علی دامغانی ۳۳۸
علی بن محمد بزدوی ۳۳۸
شمس الائمہ بکر بن محمد زرنجری ۳۳۸
ابواسحاق ابراہیم بن اسماعیل صفار ۳۳۸
طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری ۳۳۸
ظہیرالدین عبدالرشید بن ابی حنیفہ بن عبدالرزاق ۳۳۹
ابوبکر بن مسعود بن احمد کاسانی ۳۳۹
فخرالدین حسن بن منصور اوزجندی ۳۳۹
علی بن ابی بکر عبدالجلیل فرغانی ۳۳۹
مالکی مذہب کے بڑے فقہاء ۳۳۹
محمد بن یحییٰ بن لبابہ ۳۳۹
ابوبکر بن علا قشیری ۳۳۹
ابواسحاق محمد بن قاسم بن شعبان عنسی ۳۴۰
محمد بن حارث بن اسد خشنی ۳۴۰
ابوبکر محمد بن عبداللہ معیطی اندلسی ۳۴۰
یوسف بن عمر بن عبدالبر ۳۴۰
ابومحمد عبداللہ بن ابی زید عبدالرحمٰن نفزی قیروانی ۳۴۱
ابوسعید خلف بن ابی قاسم ازدی ۳۴۱
ابوبکر محمد بن عبداللہ ابہری ۳۴۱
ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ ۳۴۲

Marfat.com

ابوالحسن علی بن محمد بن خلف المعافری ۳۴۲
قاضی عبدالوہاب بن نصر بغدادی ۳۴۲
ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد الحضرمی لبیدی ۳۴۲
ابوبکر محمد بن عبداللہ بن یونس صقلی ۳۴۲
ابوالولید سلیمان بن خلف باجی ۳۴۲
ابوالحسن علی بن محمد ربعی لخمی ۳۴۳
ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن اشر قرطبی ۳۴۳
ابوعبداللہ محمد بن علی بن عمر تمیمی مازری صقلی ۳۴۳
ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن عربی ۳۴۳
قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض یحصبی ۳۴۴
اسماعیل بن مکی عوفی ۳۴۴
محمد بن احمد بن محمد بن احمد ابن رشد ۳۴۴
ابومحمد عبداللہ بن نجم بن شاس جذامی سعدی ۳۴۴
ابواسحاق ابراہیم بن احمد مروزی ۳۴۵
ابومحمد محمد بن سعید بن ابی القاضی خوارزمی ۳۴۵
ابوبکر احمد بن اسحاق ضبعی نیشاپوری ۳۴۵
ابوعلی حسین بن حسین ابن ابی ہریرہ ۳۴۵
ابوالسائب عتبہ بن عبیداللہ بن موسیٰ قاضی ۳۴۵
قاضی ابوحامد احمد بن بشر مروزی ۳۴۵
محمد بن اسماعیل معروف قفال کبیر شاشی ۳۴۵
ابوسہل محمد بن سلیمان صعلوکی ۳۴۵
ابوالقاسم عبدالعزیز بن عبداللہ داوکی ۳۴۶
ابوعلی حسین بن شعیب سنجی ۳۴۶
ابوحامد بن محمد اسفرائینی ۳۴۶
ابوالحسن احمد بن محمد ضبی معروف ابن محاملی ۳۴۶
عبداللہ بن احمد معروف بہ قفال ۳۴۶
ابواسحاق ابراہیم بن محمد اسفرائینی ۳۴۶
ابوالطیب طاہر بن عبداللہ طبری ۳۴۷
ابوالحسن علی بن محمد ماوردی ۳۴۷
ابوعاصم محمد بن احمد مہروی عبادی ۳۴۷
ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد فورانی مروزی ۳۴۷
ابواسحاق ابراہیم بن علی فیروزآبادی ۳۴۷
ابوالنصر ابوسعید بن محمد ابن صباغ ۳۴۷
ابوسعد عبدالرحمٰن بن مامون ۳۴۷
ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ جوینی ۳۴۸
ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسماعیل رویانی ۳۴۸
حجۃ الاسلام ابوحامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوسی ۳۴۸
ابواسحاق ابراہیم بن منصور بن مسلم عراقی ۳۴۸
ابوسعد عبداللہ بن محمد بن ہبۃ اللہ ۳۴۹
ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد قزوینی ۳۴۹
محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف بن مری نووی ״

چھٹا دور

سیاسی پس منظر ۳۵۰
اس زمانہ میں اجتہاد ۳۵۱
اسلامی شہروں کے علماء کے درمیان انقطاع ۳۵۲
ہمارے دور ائمہ کی کتابوں میں تعلقات کا انقطاع ۳۵۳
اختصار کی وجہ سے مطالب میں خلل ۳۵۴
ہر متفقہ فی الدین کی خدمت میں ۳۵۹

Marfat.com

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

"اسلامی فقہ کی تاریخ" ایک ایسا موضوع ہے، جو بہت اہم ہونے کے باوجود زیادہ مصنفین کی توجہ کا مرکز نہیں بن سکا، خود عربی زبان میں اس موضوع کی مبسوط کتابیں بہت کم ہیں، اور اُردو کا دامن تو ان سے تقریباً خالی ہے۔

"علامہ محمد خضری بک" مصر کے آخری دور میں ایک وسیع المطالعہ عالم گزرے ہیں تاریخ انکا خاص موضوع رہا ہے اپنے طرزِ فکر اور اسلوب تحریر کے اعتبار سے اگر یوں کہا جائے کہ یہ "مصر کے مولانا شبلی ہیں" تو میرے خیال سے یہ انکا مکمل تعارف ہوگا۔ انھوں نے اسی موضوع پر قلم اٹھایا، اور خوب اٹھایا، کافی عرق ریزی اور محنت کے بعد ان کی کتاب تاریخ التشریع الاسلامی "منظر عام پر آئی، اور اسے علمی حلقوں میں بہت کچھ سراہا گیا۔

یہ کتاب چونکہ پاکستان کی بعض یونیورسٹیوں میں داخلِ نصاب تھی، اور یوں بھی باذوق حضرات کیلئے اس کا مطالعہ مفید تھا، اس لئے ضرورت تھی کہ اسکا کوئی ترجمہ یہاں شائع ہو، مگر پاکستان میں ایسا کوئی ترجمہ دستیاب نہ تھا جو اس ضرورت کو پورا کر سکے، اسلئے دارالاشاعت کے مالک برادر مکرم جناب مولانا محمد رضی صاحب عثمانی نے اس کام کا ارادہ کر کے راقم الحروف کو حکم دیا کہ اس کا ترجمہ شروع کر دے۔

اتفاق سے ان دنوں احقر کا کچھ وقت خالی تھا جو کسی مناسب کام کا تقاضا کر رہا تھا، چنانچہ بنام خدا احقر نے اسکی ابتداء کردی، اور اس کا ایک معتد بہ حصہ (تقریباً سو صفحات) مکمل کر بھی لیا، پھر اچانک کچھ ایسے وقتی کام پے در پے سامنے آئے کہ میں اس کام کی طرف توجہ نہ دے سکا۔ اور بالآخر جب اس میں غیر معمولی تاخیر ہونے لگی تو "مولانا حبیب صاحب ہاشمی" کے حوالہ کر دیا، انھوں نے الحمد للہ پوری دلجمعی کے ساتھ اس کو چند مہینوں میں پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا، چنانچہ شروع سے "جہاد" کے بیان تک (جو اصل کتاب کے صفحہ ۶ پر ہے) ترجمہ میرا ہے۔ اور باقی سب مولانا ہاشمی صاحب کا۔

یہاں ایک بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے، اور وہ یہ کہ علامہ خضری " بلاشبہ ایک بڑے عالم ہیں، مگر وہ جس دور سے تعلق رکھتے ہیں، اتفاق سے یہ وہی دور ہے جس میں عالمِ اسلام پر مغرب کے قلم اور

Marfat.com

تلوار کا حملہ ساتھ ساتھ ہوا ہے، اس دور کے وہ علماء جنھوں نے اپنے علم کا زیادہ مدار مطالعہ پر رکھ کر براہِ راست مستشرقین کو پڑھا ہے، ان کی تحریروں میں (شعوری یا غیر شعوری طور سے) ایک مرعوبیت کا احساس پایا جاتا ہے جس کو ان جگہوں پر بہ آسانی پڑھا جا سکتا ہے جہاں انھوں نے اسلام پر کسی "مغربی اعتراض" کا جواب دیا ہے۔ ہندوستان میں مولانا شبلیؒ اور مصر میں علامہ خضریؒ علماء کے اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

ہمیں ان حضرات کی نیک نیتی اور خلوص میں شبہ نہیں، ان حضرات نے خدمتِ دین کے جذبے میں بڑی محنتیں اٹھائی ہیں، اور اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات کا دفاع کیا ہے لیکن اسکو کیا کیجیے کہ اگر اعتراض کرنیوالے کے ہاتھ میں تلوار بھی ہو اور منہ میں تیز زبان بھی اور جواب دینے والے کا ذہن ان دونوں سے مرعوب نہ ہو تو قدرتی طور پر جواب جواب نہیں رہتا معذرت بن جاتا ہے ——— چنانچہ ایسا ہی ہوا جہاد، نسخ اور غلامی کے جیسے مسائل پر مستشرقین نے جو اعتراضات کیے تھے، یہ حضرات ان کا جواب خود اعتمادی کے ساتھ سینہ تان کر نہیں دے سکے، بلکہ ایک قسم کی "معذرت" پیش کی، کہ یہ تمام چیزیں دراصل ہمارے یہاں ایک مجبوری کے تحت تھیں، آئندہ ایسا نہیں ہوگا، اور اس میں "معذرت" کے لئے خود شریعتِ اسلام کے اندر بعض ایسی ترمیمیں کر گئے جو اس کے مزاج سے میل کھانیوالی نہیں ہیں۔

یہ ایک غلط طرزِ فکر کی ابتداء تھی، اور جب یہ ترمیم و تنسیخ کا دروازہ کھلا تو دشمنانِ اسلام کو ایک وسیع میدان ہاتھ آگیا، پھر نت نئے مجتہدین نے اس دروازے کو چوپٹ کھول کر اسلام پر وہ ستم ڈھائے کہ الأمان! اور اسی "خشتِ اول" کے "کج" ہو جانے کا نتیجہ یہ ہے کہ آج "تجدد" کا مکتبِ فکر ناواقف مسلمانوں کے لئے ایک مستقل خطرہ بن چکا ہے۔

بہر کیف! کہنا یہ تھا کہ زیرِ نظر کتاب میں بھی دو تین مقام ایسے آئے ہیں، جہاں اسی احساسِ مرعوبیت کے تحت علامہ خضریؒ نے جمہورِ امت سے اختلاف کیا ہے جہاد، نسخ، اور غلامی پر انھوں نے جہاں گفتگو کی ہے، وہاں صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان مسائل میں خود ان کا ذہن صاف نہیں ہے ——— یہ بات کتاب کے مطالعہ کے دوران پیشِ نظر رہنی چاہیے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نافع اور مقبول بنائیں، اور اس کی تصنیف، طباعت میں حصہ لینے والے ہر شخص کے لئے یہ ذخیرۂ آخرت ثابت ہو آمین وانوفیقی الا باللہ۔

محمد تقی عثمانی

دار العلوم، کراچی نمبر ۱۴
اگست ۱۹۶۲ء

Marfat.com

مُقدّمہ

اسلامی فقہ کے سرچشمے تین ہیں :-

(۱) قرآن کریم

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال و افعال جنھوں نے قرآن کریم کی تشریح فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی مراد کو واضح کیا، اصطلاح میں انہی کو "سنّت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۳) فقہار کی اجتہادی آرار، یہ آرار اگرچہ قرآن و سنّت ہی سے ماخوذ اور مستنبط ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ فقہار کی فکر و نظر کا نتیجہ ہیں جس پر مختلف زمانوں کے مختلف اثرات پڑتے رہے ہیں، فقہار کی یہ فکری کاوش کبھی زمانہ کے مختلف اثرات سے متاثر ہوئی ہے اور کبھی خود ان فقہار کی نفسیات سے یہی وجہ ہے کہ فقہ اور فقہار کی تاریخ لکھنے والا اس کشمکش میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی تاریخ کو مختلف زمانوں کے اعتبار سے ترتیب دے یا مجتہدین کے نفسیاتی اختلاف کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کی شخصیتوں کے اعتبار سے،

لیکن غور و فکر کے بعد ہمیں یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی اس تاریخ کو مختلف زمانوں کے اعتبار سے ترتیب دیں، اس لئے کہ انہی زمانوں کے اثرات زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہیں اور جہانتک فقہار کی نفسیات کا تعلق ہے تو ہم آگے کسی مقام پر وضاحت سے بیان کریں گے کہ ان کا اختلاف کوئی حقیقی اختلاف نہیں بالخصوص وہ فقہار جو آپس میں ہم عصر ہیں ان کے اختلاف کی بنیادیں اتنی اہمیت کی حامل نہیں کہ ان کے اعتبار سے تاریخ فقہ کو ترتیب دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے لے کر آج تک فقہ پر کتنے دور گذرے؟ اس سوال پر جہانتک ہم نے غور کیا، ہمیں چھ دور بڑے اہم نظر آئے جنھوں نے مسلمانوں کے اجتہاد اور فتویٰ پر گہرے اثرات مرتب کئے۔

(۱) **فقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں** :- درحقیقت یہی دور فقہ کی اصل اور بنیاد ہے، تمام فقہار نے متفقہ طور پر اسے مستند قرار دیا ہے۔

(۲) **کبار صحابہ کا دور** :- جو خلافت راشدہ کے اختتام پر ختم ہوجاتا ہے۔

Marfat.com

(۳) **صغار صحابہ اور تابعین کا دور:۔** یہ دور پہلی صدی ہجری یا اس کے کچھ بعد ختم ہوجاتا ہے،

(۴) **وہ دور جس میں فقہ ایک باقاعدہ علم بن چکا تھا:۔** اسی دور میں وہ ماہر فقہاء پیدا ہوئے جنہیں امت نے متفقہ طور سے دینی قائد تسلیم کیا' اس دور میں ان فقہاء کے وہ شاگرد بھی آجاتے ہیں جنہوں نے کوئی اپنی رائے ظاہر کئے بغیر حضرت فقہاء کی آراء کو نقل کیا' تیسری صدی ہجری کے ختم ہوتے ہی یہ دور بھی ختم ہوجاتا ہے۔

(۵) **وہ دور جس میں فقہ مناظرہ کا علم بن گیا:۔** جو مسائل ائمہ مجتہدین سے حاصل کئے گئے تھے ان کی تحقیق و تفتیش کے لئے مناظرے اسی دور سے شروع ہوئے اسی زمانے میں فقہ پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئیں اور بے شمار مسائل کا حل تلاش کیا گیا' یہ دور اس وقت ختم ہوا ہے جب خلافت بنو عباس دم توڑ رہی تھی اور بغداد میں تاتاری غارتگری کا فتنہ سر اٹھا رہا تھا' اس کے بعد کچھ دنوں تک مصر میں یہی دور جاری رہا ہے۔

(۶) **تقلید محض کا دور:۔** جو آج تک جاری ہے۔

ہم نے اپنی اس کتاب کو انہی ادوار کے لحاظ سے ترتیب دینے کا ارادہ کیا ہے' خدا ہی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس ارادہ میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔

Marfat.com

پہلا دور
فقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں
قرآن اور حدیث

قرآن کریم ۱۷ رمضان سنہ ۱۲ میلادی کی رات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رفتہ رفتہ نازل ہونا شروع ہوا، سب سے پہلے غار حرا میں، جہاں آپؐ بغرض اعتکاف تشریف فرماتھے، یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اقرأ باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق اقرأ وربك الاکرم الذی علّم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم

وحی والہام کا یہ مبارک سلسلہ ۹ ذی الحجہ سنہ ۱۰ ہجری مطابق سنہ ۶۳۲ میلادی تک جاری رہا اور سنہ ۱۰ھ میں عرفہ کے روز آخری آیت نازل ہوئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے واسطے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔

اس اعتبار سے نزول وحی کی کل مدت بائیس سال دو مہینے اور بائیس دن ہے۔

جس رات قرآن کریم کا نزول شروع ہوا وہ شب قدر تھی جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:-

انا أنزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادراك ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من ألف شہر تنزّل الملئكۃ والروح فیها باذن ربّهم من كلّ امر سلٰمٌ

ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا اور تمہیں کیا معلوم شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس میں فرشتے اور روح القدس اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں

Marfat.com

ھی حتّٰی مطلع الفجر۔ — یہ رات طلوعِ فجر تک (رہتی) ہے۔

اسی رات کے سلسلہ میں ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

انّا انزلناہ فی لیلۃٍ مبارکۃ انّا کنّا منذرین فیھا یفرق کلّ أمرٍ حکیم امرًا من عندنا انّا کنّا مرسلین رحمۃ من ربک۔ — ہم نے اس (قرآن) کو (لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر) ایک برکت والی رات (شبِ قدر) میں اتارا ہے ہم آگاہ کرنے والے ہیں، اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم ہو کر طے کیا جاتا ہے ہم بوجہ رحمت کے جو آپ کے رب کی طرف سے ہوئی ہے آپ کو پیغمبر بنانے والے تھے

اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ یہ ماہِ رمضان کی رات تھی چنانچہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

شھرُ رمضان الّذی اُنزل فیہ القرآن ھُدًی للنّاس و بیّنٰتٍ من الھُدٰی والفرقان۔ — ماہِ رمضان جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے جس کا (ایک) وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے (ذریعہ) ہدایت ہے اور (دوسرا وصف) یہ ہے کہ واضح الدلالہ ہے منجملہ ان کتب کے جو (ذریعہ) ہدایت بھی ہیں اور (حق وباطل) فرق کرنے والی ہیں۔

اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرار میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، محمد بن اسحٰق رح نے عبید بن عمیر رح سے ایک روایت نقل کی ہے کہ "رسول اللہ صلعم سال میں ایک مہینہ غارِ حرار میں قیام فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ جب آپ کی بعثت کا سال آیا تو آپ ماہِ رمضان میں حسبِ معمول حرار کی طرف جانے کے لیے نکلے۔

لیکن اس مسئلہ میں بڑا اختلاف پھیلا ہوا ہے کہ جس رات نزولِ قرآن کا آغاز ہوا وہ رمضان کی کون سی رات تھی؟ محمد بن اسحٰق رح کا خیال ہے کہ یہ رمضان کی سترھویں رات تھی، اللہ تعالیٰ کے ایک ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے :-

ان کنتم اٰمنتم باللہ وما انزلنا علٰی عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان — اگر تم خدا پر اور اس (کتاب) پر ایمان لاتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اس دن نازل کی جس روز حق و باطل جدا ہونے والے تھے اور جس دن دو جماعتیں (لڑنے کے لئے) آپس میں ملی تھیں۔

اس آیت میں جس دن کی طرف "یوم التقی الجمعان" کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے اس سے مراد متفقہ طور پر غزوۂ بدر کا دن ہے جس کے بارہ میں تصریح ہے کہ وہ ۱۷ رمضان کو ہوا ہے، اور "یوم الفرقان" سے مراد وہ دن ہے جس میں نزولِ قرآن کا آغاز ہوا، اس لئے اس آیت سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ یہ دونوں دن

Marfat.com

اس اعتبار سے متحد ہیں کہ دونوں سے مراد جمعہ، ۱۷ رمضان ہے، اگرچہ یہ دونوں واقعات ایک ہی سال میں نہیں ہوئے بلکہ نزولِ قرآن کی ابتدا، غزوہ بدر سے کئی سال پہلے ہو چکی تھی،

تفسیر طبری میں سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی گئی ہے فرمایا "لیلۃ الفرقان یوم التقی الجمعان ۱۷ رمضان ہے۔

علامہ قسطلانیؒ نے بخاری کی شرح میں اس اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محمد بن اسحٰقؒ کے قول کی تائید حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جسے ابن ابی شیبہؒ اور طبرانیؒ نے روایت کیا ہے۔

خود ہمارا رجحان بھی اسی رائے کی جانب ہے، اس لئے کہ ہمیں تو اسباب کا یقین ہے کہ یہ رات کوئی ایسی معمولی رات نہ تھی جس کا ذکر قرآن کریم کہیں اشارۃً بھی نہ کرتا، بلکہ اس عظیم رات کی قدر و منزلت کا تقاضا یہ تھا کہ اس کا ذکر کسی بہتر موقعہ پر آئے، چنانچہ یہی واقعہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات کا ذکر نہایت مناسب موقع پر فرمایا ہے، اُس جگہ جہاں آپ غزوۂ بدر کے واقعات کا ذکر فرما رہے ہیں جس میں اللہ نے مسلمانوں کو عزت و شوکت عطا فرمائی تھی اور اپنی مدد کے ایسے ایسے کرشمے دکھلائے تھے جو ہر مسلمان کے لئے ہر طرح عزت اور سربلندی کے ضامن تھے اور اتفاق سے یہی وہ دن بھی تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب رسالت سے سرفراز فرمایا تھا۔

یہ مناسبت قرآن کریم کے اس اشارہ کے لئے بہترین مناسبت تھی چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا وما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان۔

رہا نزولِ وحی کا اختتام تو اس سلسلہ میں علامہ طبریؒ "الیوم اکملت لکم دینکم" کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:-

"علماء نے کہا ہے کہ یہ عرفہ کا دن تھا جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وداع فرمایا ہے اور اس آیت کے بعد نہ کوئی فریضہ مسلمانوں پر وحی کے ذریعہ لازم کیا گیا، نہ کسی چیز کو حرام یا حلال قرار دیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صرف اکیاسی رات بقید حیات رہے، یہی بات حضرت ابن عباسؓ حضرت سدیؒ اور ابن جریجؒ سے مروی ہے اور نیشا پوریؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے ایک یہودی کے سامنے یہ آیت پڑھی تو اس نے کہا کہ اگر کسی دن یہ آیت ہم پر نازل ہو جاتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے اس پر حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ یہ تو اس دن نازل ہوئی ہے جس روز دو عیدیں جمع ہو گئی تھیں ایک جمعہ کا دن اور دوسرے عرفہ کا"

Marfat.com

مشرکین کو اس بات پر بڑا اعتراض تھا کہ قرآن تھوڑا تھوڑا کیوں اترتا ہے؟ ایک ہی دفعہ میں پورا کیوں نازل نہیں ہوجاتا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ اعتراض ذکر فرما کر سورۂ فرقان میں اس کا جواب دیا ہے:۔

وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القرآن جملۃً واحدۃً کذلک نثبت بہ فؤادک ورتلناہ ترتیلا۔

کفار نے کہا کہ قرآن ایک ہی مرتبہ میں کیوں نہ نازل کردیا گیا؟ ایسا ہم نے اس لئے کیا تاکہ اس کے ذریعہ آپ کے قلب کو قوی رکھیں اور ہم نے اس کو بہت ٹھہرا ٹھہرا کر اتارا ہے۔

اور سورۂ اسراء میں ارشاد فرمایا:۔

وقرآناً فرقناہ لتقرأہ علی الناس علی مکثٍ ونزلناہ تنزیلا

اور قرآن میں ہم نے جا بجا فصل رکھا تاکہ آپ ان لوگوں کے سامنے ٹھیر ٹھیر کر پڑھیں اور ہم نے اسکو اتارنے میں بھی تدریجاً اتارا،

نزولِ وحی کے دو اہم دور | نزول قرآن کا زمانہ دو ممتاز مدتوں پر منقسم ہے۔

(۱) پہلا دور وہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے، اس دور کی کل مدت بارہ سال پانچ مہینے اور تیرہ دن ہے۔ نزولِ وحی کا یہ زمانہ ۱۷ رمضان ۴۱ھ میلادی سے لے کر ربیع الاوّل ۵۴ھ میلادی تک جاری رہا، اس عرصہ میں قرآن کریم کی جو سورتیں یا آیات نازل ہوئیں انہیں مکّی کہا جاتا ہے،

(۲) دوسرا دور ہجرت کے بعد کا ہے جو نو سال، نو مہینے نو دن پر مشتمل ہے اس کا آغاز ۵۴ھ میلادی سے ہوا اور اختتام ۹ ذی الحجہ ۶۳ھ میلادی مطابق ۱۰ھ ہجری کو، قرآن حکیم کا جو حصّہ اس دور میں نازل ہوا اسے مدنی کہتے ہیں، قرآن کریم کا تقریباً ۱۹/۳۰ حصّہ مکّی اور تقریباً ۱۱/۳۰ حصّہ مدنی ہے،

مکّی اور مدنی سورتیں | کلام پاک میں مندرجہ ذیل سورتیں مدنی ہیں:۔

(۱) بقرہ (۲) آل عمران (۳) نساء (۴) مائدہ (۵) انفال (۶) توبہ (۷) حج (۸) نور (۹) احزاب (۱۰) قتال (۱۱) فتح (۱۲) حجرات (۱۳) حدید (۱۴) مجادلہ (۱۵) حشر (۱۶) ممتحنہ (۱۷) صف (۱۸) جمعہ (۱۹) منافقون (۲۰) تغابن (۲۱) طلاق (۲۲) تحریم (۲۳) اذا جاء نصر اللہ۔

ان سورتوں کے علاوہ تمام سورتیں مکّی ہیں، اور قرآن کریم میں کُل ایک سو چودہ سورتیں ہیں جن میں سب سے پہلی سورۂ فاتحہ اور سب سے آخری سورہ ناس ہے،

سورۃ کی وجہ تسمیہ | اصل میں "سورۃ" بلندی کے مرتبہ کو کہا جاتا ہے، عرب کا مشہور شاعر نابغہ کہتا ہے۔

Marfat.com

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَعْطَاكَ سُورَةً
تَرَى كُلَّ مَلْكٍ دُونَهَا يَتَذَبْذَبُ

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ نے تمہیں ایک ایسا بلند مرتبہ عنایت کیا ہے جس کے سامنے ہر بادشاہ جھجکتا نظر آتا ہے"

شاعر کا مقصد یہ ہے کہ خدا نے تمہیں شرف کے مراتب میں سے ایک مرتبہ عنایت کیا ہے جس کے آگے بادشاہوں کے مراتب بھی ہیچ ہیں۔

اور بعض دوسرے حضرات اسے "سُورَہ" کی بجائے ہمزہ کے ساتھ "سُؤرَۃ القرآن" پڑھتے ہیں، اس صورت میں اس کے معنی ہو جائیں گے "قرآن کریم کا وہ ٹکڑا جو اس کے بقیہ ٹکڑوں سے جدا کر لیا گیا" اس لئے کہ "سُؤرہ" عربی میں "بچی کھچی چیز" کو کہا جاتا ہے، کسی کے جھوٹے پانی کو بھی اسی لئے "سُؤر" کہتے ہیں کہ وہ پانی کا باقیماندہ حصہ ہوتا ہے، اعشیٰ ثعلبہ ایک ایسی عورت کے متعلق کہتا ہے جو اُس کے دل میں اپنی محبت کا غم چھوڑ کر کہیں چلی گئی تھی ؎

فَبَانَتْ وَقَدْ أَسْأَرَتْ فِي الْفُؤَادِ
صَدْعًا عَلَى نَأْيِهَا مُسْتَطِيرًا

"وہ چلی گئی اور دل میں ایک بڑا شگاف چھوڑ گئی"

اسی عورت کے بارہ میں اسی کا دوسرا شعر ہے ؎

بَانَتْ وَقَدْ أَسْأَرَتْ فِي النَّفْسِ حَاجَتَهَا
بَعْدَ ائْتِلَافٍ وَخَيْرُ الْوُدِّ مَا نَفَعَا

"وہ چلی گئی اور اُلفت کے بعد دل میں اپنی خواہش چھوڑ گئی حالانکہ اچھی محبت تو وہ ہوتی ہے جو مفید ثابت ہو"

سورتوں کے نام | قرآن حکیم کی ان سورتوں میں سے ہر ایک کا ایک خاص نام ہے جو کہیں سورت کے ابتدائی الفاظ میں سے کسی کو منتخب کر کے رکھ دیا گیا ہے، اور اکثر سورتیں اسی ضمن میں آتی ہیں مثلاً سورۂ انفال کہ اس کی پہلی آیت ہی میں یہ لفظ موجود ہے "یسئلونک عن الانفال" سورۂ اسراء بھی "اسراء" سے شروع ہوتی ہے "سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ" سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیت ہے "طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ" سورۂ مومنون کی پہلی آیت ہے "قد أفلح المؤمنون" سورۂ فرقان کی پہلی آیت ہے "تبارک الذی نزّل الفرقان علیٰ عبدہ" سورۂ روم کی پہلی آیت ہے "الٓمٓ غُلبت الروم فی أدنی الارض"

Marfat.com

سورۂ فاطر کی ابتدائی آیت "الحمد للہ فاطر السمٰوات والارض" وغیرہ وغیرہ،

اور قرآن کریم میں ۳۵ سورتیں ایسی ہیں جن کا نام شروع میں مذکور نہیں چنانچہ سورۂ بقرہ میں گائے کا واقعہ ۶۵ آیات کے بعد آیا ہے، سورۂ آل عمران میں آل عمران کا واقعہ بھی ۳۲ آیتوں کے بعد مذکور ہوا ہے، اسی طرح سورۂ نساء میں لفظ "نساء" کئی جگہ آیا ہے جن میں سے ایک تو شروع ہی کی چند آیتوں کے بعد اور باقی آگے چل کر، سورۂ مائدہ میں لفظ "مائدہ" (جس کے معنی دسترخوان کے ہیں) ۱۱۰ آیتوں کے بعد تقریباً ختم پر آیا ہے،

سورتوں کے نام کس مناسبت سے رکھے گئے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں تحقیق و تفتیش کے بعد ہمیں یہی بات زیادہ وزن دار معلوم ہوئی کہ دراصل قرآن کی موجودہ ترتیب وہ ترتیب نہیں جس کے مطابق قرآن نازل ہوا ہے بلکہ نزول کی ترتیب کچھ اور ہے، نہ سورتیں اس ترتیب سے نازل ہوئی ہیں اور نہ آیتیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کم و بیش پانچ پانچ دس دس آیتیں نازل ہوتی تھیں، واقعۂ افک میں ایک ہی مرتبہ دس آیات کا نزول صحیح روایتوں سے ثابت ہے اسی طرح سورۂ مومنین کی ابتدائی دس آیتیں بھی ایک ہی مرتبہ نازل ہوگئی تھیں، دوسری جانب ایک صحیح روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ "لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضّرر والمجاھدون فی سبیل اللہ بأموالھم وأنفسھم" میں صرف "غیر اولی الضّرر" ایک مرتبہ نازل ہوا اور باقی پوری آیت پہلے نازل ہو چکی تھی، اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ وان خفتم عیلۃ فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ إن شاء إنّ اللہ علیم وحکیم بعد میں نازل ہوئی اور انّما المشرکون نجسٌ فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھٰذا پہلے نازل ہو چکی تھی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے، لکھتے پڑھتے نہیں تھے، جیسا کہ سورۂ عنکبوت میں اللہ تعالےٰ خود فرماتے ہیں:۔

وماکنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطّہ بیمینک اذاً لارتاب المبطلون

اور آپ اس آیت سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں یہ ناحق شناس کوئی شبہ نکالتے،

اسی بناء پر آپ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے نازل شدہ آیات سن کر یاد فرمایا کرتے تھے، اسی بات کی جانب اللہ تعالیٰ نے سورۂ قیامہ میں اشارہ فرمایا ہے، لا تحرّک بہ لسانک لتعجل بہ انّ علینا جمعہ وقرانہ فاذا قرانٰہ فاتّبع قرانہ ثمّ ان علینا بیانہ (یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم)

Marfat.com

سے آپ قبل اختتام وحی قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے، تاکہ آپ اس کو جلدی لیں، ہمارے ذمہ ہے (آپ کے قلب میں) اس کا جمع کردینا، اور پڑھوادینا، جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اس کی پیروی کریں پھر اس کا بیان کرادینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔

اور سورہ 'طٰہٰ' میں ارشاد فرمایا:۔

ولا تعجل بالقرآن من قبل أن يقضى اليك وحيه وقل رب زدني علما۔ — اور قرآن (پڑھنے) میں قبل اس کے کہ آپ اس کی وحی پوری نازل ہو چکے عجلت نہ کیجئے، اور آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دیجئے۔

اور سورۂ "سبّح" میں ارشاد ہے:۔

سنقرئك فلا تنسى الا ما شاء (اس قرآن کی نسبت ہم وعدہ کرتے ہیں کہ) ہم جتنا قرآن نازل کرتے جائیں) آپ کو پڑھا دیا کریں گے، پھر آپ (اس سے کوئی جزء) نہیں بھولیں گے، مگر جس قدر (بھلانا) اللہ کو منظور ہو، (کہ نسخ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے)

الله انه يعلم الجهر وما يخفى — وہ ظاہر اور باطن کو جانتا ہے،

اور سورۂ حجر میں فرمایا:۔

انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون — ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم اس کے محافظ (اور نگہبان) ہیں،

لکھنا پھر جب آپ نازل شدہ آیات کو سمجھ کر یاد فرما لیتے تو لوگوں کو سناتے اور کاتبین وحی میں سے کسی کو لکھنے کا حکم دیتے، اور کاتب آپ ہی کے سامنے کھجور کے چھلکے، کسی باریک پتھر یا کاغذ کے ٹکڑوں پر وہ آیت تحریر کر دیتے، آپ نے کئی کاتبین وحی مقرر فرمائے ہوئے تھے جن کی تعداد بعض حضرات کے کہنے کے مطابق چھبیس[۲۶] تھی، اور علامہ حلبیؒ نے سیرۃ العراقی سے نقل کر کے فرمایا ہے ان کی تعداد بیالیس[۴۲] تھی، ان میں سے بعض حضرات تو وہ تھے جو ہمیشہ اس مبارک فریضہ کو ادا کرتے رہے اور بعض وہ تھے جنھوں نے ایک خاص مدت تک یہ فرض انجام دیا، بعد میں چھوڑ دیا،

کاتبین وحی - کاتبین وحی میں سے جو حضرات مشہور ترین ہیں ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:۔

خلفاء اربعہؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ (جو بادشاہوں کے نام خطوط بھی لکھا کرتے تھے)، حضرت اُبیّ بن کعب[۱]ؓ، ثابت بن قیس بن شماسؓ، زید بن ثابت[۲]ؓ، معاویہ بن ابی سفیان[۳]ؓ، یزید بن ابی سفیانؓ،

۱؎ آپ انصار مدینہ کے پہلے صحابی ہیں جنھوں نے وحی کی کتابت کی اکثر و بیشتر وحی لکھتے رہے ہیں اور آپ ان فقہاء صحابہ میں سے ہیں جو وحی لکھا کرتے تھے ۱۲ منہ، ۲؎ و ۳؎ یہ دونوں حضرات ہمیشہ کتابت وحی پر مامور رہے ہیں، اس کے علاوہ کوئی اور کام ان کے ذمہ نہ تھا ۱۲ منہ،

Marfat.com

مغیرہ بن شعبہ رضؓ، زبیر بن عوام رضؓ، خالد بن الولید رضؓ، علاء بن الحضرمی رضؓ، عمرو بن العاص رضؓ، عبداللہ بن الحضرمی رضؓ، محمد بن مسلمہ رضؓ، عبداللہ بن عبداللہ بن ابیّ بن سلول،

وحی کا یہ مکتوب حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکانِ مبارک میں رکھدیا جاتا تھا اور کاتبین خود اپنے لئے بھی ایک نسخہ لکھ لیتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات کو بتلایا کرتے تھے کہ اس آیت کو کونسی جگہ لکھا جائے؟ اس طرح امی حضرات کے حافظوں، کاتبین کے نجی نسخوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں رکھے ہوئے نسخہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت فرمائی، اور تمام علماء کا اتفاق ہے کہ سورتوں اور آیتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بتلائی ہوئی ہے،

اس دور تک قرآن کریم کو باقاعدہ جمع نہیں کیا گیا تھا، البتہ صحابہ رضؓ میں سے بہت سے حضرات نے پورا قرآن حفظ کیا ہوا تھا جن میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کا اسم گرامی بطور خاص قابل ذکر ہے جو "السابقون الاولون" (شروع ہی میں ایمان لانے والوں) میں سے ہیں، اور پورے عہد نبوت میں آنحضرت صلعم کے مخلص رفیق رہے ہیں، حضرت سالم بن معقل رضؓ بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کی طرح شروع میں ایمان لائے تھے اور انہیں پورا قرآن یاد تھا، ان کے علاوہ حضرت معاذ بن جبل رضؓ، حضرت ابیّ بن کعب رضؓ، زید بن ثابت رضؓ اور ابوزید رضؓ (یہ چاروں حضرات انصار میں سے ہیں) اور ابوالدرداء رضؓ بھی قرآن کو حافظ تھے اور قرآن کے مختلف حصے تو بیشمار صحابہ رضؓ کو یاد تھے،

نزولِ وحی کی کیفیت

قرآن کریم کی جو آیات احکام سے متعلق ہیں وہ عام طور سے اُن واقعات کے جواب میں نازل ہوئی ہیں جو اسلامی معاشرے میں وقتاً فوقتاً رونما ہوتے رہے، اس قسم کے واقعات کو اصطلاح میں "اسباب نزول" یا "شانِ نزول" کا نام دیا جاتا ہے، مفسّرین کرام کی ایک بڑی جماعت نے خاص طور سے اسباب نزول پر توجہ دیکر اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، اور اسے قرآن کے سمجھنے کے لئے اساس اور بنیاد قرار دیا ہے، جس کی تفصیل آئندہ ادوار میں آجائے گی۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ آیات مسلمانوں کے مختلف سوالات کے جواب میں نازل کی جاتیں، اور کہیں کہیں از خود بھی احکام نازل فرمائے گئے ہیں، ان تین طریقوں میں سے ہر ایک کی مثال ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مرثد غنوی رضؓ کو مکہ بھیجا تاکہ جو مسلمان وہاں ابتر زندگی گزار رہے ہیں وہ ان کے ساتھ مدینہ چلے آئیں چنانچہ جب حضرت مرثد رضؓ مکہ پہنچے تو ایک خوبصورت اور

Marfat.com

مالدار عورت نے انہیں زنا کی پیشکش کی مگر ان کے دل میں اللہ کا خوف راسخ تھا اس لئے انھوں نے قبول نہ کیا' پھر اسی عورت نے نکاح کی پیشکش کی تو حضرت مرثدؓ راضی ہو گئے اور کہا کہ اسے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پر موقوف چھوڑتا ہوں اگر آپ نے اجازت دیدی تو میں راضی ہوں' چنانچہ مدینہ پہنچ کر یہ قضیہ آنحضرت کے سامنے پیش ہوا تو سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی :-

ولا تنکحوا المشرکات حتیٰ یؤمنّ ولامۃ مؤمنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم ولا تنکحوا المشرکین حتیٰ یؤمنوا ولعبد مؤمن خیر من مشرک ولو اعجبکم اولئك یدعون الی النار واللہ یدعوا الی الجنۃ والمغفرۃ باذنہ الخ

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو' تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں اگرچہ وہ عورتیں تمہیں پسند ہوں اور ایک مومن باندی مشرک (آزاد) عورت سے بہتر ہے' اور (اپنی عورتوں کا) نکاح مشرک مردوں سے نہ کراؤ اگرچہ وہ مرد تمہیں پسند ہوں اور ایک مومن غلام مشرک (آزاد) مرد سے بہتر ہے یہ لوگ آگ کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے مغفرت اور جنت کی طرف بلاتا ہے'

(۲) ایسے احکام بھی قرآن کریم میں بہت ہیں جو مسلمانوں کے سوالات کے جواب میں مبتلا کئے گئے چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے :-

یسئلونك عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس و اثمھما اکبر من نفعھما یسئلونك ماذا ینفقون قل العفو کذلك یبین اللہ لکم الآیات لعلکم تتفکرون فی الدنیا والآخرۃ یسئلونك عن الیتامیٰ قل اصلاح لھم خیر وان تخالطوھم فاخوانکم واللہ یعلم المفسد من المصلح ولو شاء اللہ لاعنتکم ان اللہ عزیز حکیم ویسئلونك عن المحیض قل ھو اذیً فاعتزلوا

لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں' آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں کے (استعمال میں) گناہ کی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کے لئے (بعض) فائدے بھی ہیں' اور گناہ کی باتیں ان فائدوں سے بڑھی ہوئی ہیں' اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ (خیر خیرات میں) کتنا خرچ کیا کریں' آپ فرما دیجئے کہ جتنا آسان ہو۔ اللہ تعالےٰ اسی طرح احکام کو صاف صاف بیان کرتے ہیں تاکہ تم دنیا اور آخرت کے معاملات میں سوچ لیا کرو' اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں' آپ فرما دیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا

Marfat.com

النساء فی المحیض ولا تقربوهن حتی یطهرن فاذا تطهرن فأتوهن من حیث امرکم الله ان الله یحب التوابین ویحب المتطهرین

زیادہ بہتر ہے، اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ تمہارے (دینی) بھائی ہیں، اور اللہ تعالیٰ مصلحت کے ضائع کرنے والے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے کو اور لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ وہ گندی چیز ہے، تو حیض میں تم عورتوں سے علیحدہ رہا کرو، اور ان سے قربت نہ کیا کرو جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں، پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آ جایا کرو، جس جگہ سے تم کو اللہ نے اجازت دی ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں پاک توبہ کرنے والوں سے اور پاک صاف رہنے والوں سے، (الگ الگ) جانتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو مصیبت میں ڈال دیتے کیونکہ اللہ زبردست حکمت والے ہیں،

ایک اور جگہ ہے :-

یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فیه قل قتال فیه کبیر وصد عن سبیل الله وکفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اکبر عند الله والفتنة اکبر من القتل۔

لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس میں خاص طور پر (عمداً) قتال کرنا جرم عظیم ہے، اور اللہ کی راہ سے روک ٹوک کرنا، اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام (کعبۃ اللہ) کے ساتھ اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے ان کو اس سے خارج کر دینا جرم عظیم ہیں اللہ کے نزدیک، اور فتنہ پردازی کرنا اس قتل سے بھی بڑھ کر ہے"

سورہ نساء میں ہے :-

یستفتونک قل الله یفتیکم فی الکلالة۔ لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے ..... کہ

اور بھی بہت سی آیات اسی قسم کی ہیں،

(۳) رہے وہ احکام جو بغیر کسی واقعہ یا سوال کے نازل کئے گئے، سو وہ بہت ہی تھوڑے ہیں، اور شاذ و نادر ہی کوئی حکم ایسا ہو گا جس کا کوئی سببِ نزول مفسرین نے بیان نہ کیا ہو،

مکی اور مدنی سورتوں کے امتیازات

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نزول قرآن کی دو اہم مدتیں ہیں، ایک ہجرت سے پہلے اور ایک ہجرت کے بعد

Marfat.com

ان میں سے ہر ایک کی کچھ امتیازی خصوصیات ہیں جنہیں دیکھ کر دونوں میں تمیز دینا آسان ہوجاتا ہے اور پڑھنے والے کو ان کی بنا پر یہ پتہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ یہ سورت مکّی ہے یا مدنی ؟

پہلا امتیاز پہلا امتیاز تو یہ ہے کہ مکّی آیتیں عام طور سے چھوٹی ہیں اور مدنی آیتیں بڑی، اس کا اندازہ اس طرح بہ آسانی ہوسکتا ہے کہ مدنی سورتیں قرآن کے ۱/۳ حصہ سے کچھ ہی زائد ہے، اور اس کی کل آیتیں ۱۴۵۶ ہیں، گویا یہ قرآن کی مجموعی آیتوں کے چوتھائی حصے سے کچھ زائد ہیں اس سے زیادہ واضح مثال یہ ہے کہ "قد سمع اللہ" کا پارہ پورا مدنی ہے اور اس کی کل آیتیں ۱۳۷ ہیں، اور اس کے مقابلہ میں "تبارک الذی" کا پارہ مکّی ہے اور اس کی آیات کی مجموعی تعداد ۴۳۱ ہے، "عم" کا پارہ بھی مکّی ہے اور اس کی آیتیں ۵۷۰ ہیں،

ایک اور مثال لیجئے، سورۂ انفال اور سورۂ شعراء میں سے ہر ایک آدھ آدھ پارہ پر مشتمل ہے لیکن چونکہ انفال مدنی ہے اس لئے اس کی کل آیتیں ۷۵ ہیں اور دوسری چونکہ مکّی ہے اس لئے اس کی مجموعی آیتیں ۲۲۷ ہیں،

لیکن یہ امتیاز ہر جگہ قائم نہیں، اکثر جگہوں کے اعتبار سے ہے چنانچہ بعض جگہ مکّی آیتیں لمبی اور مدنی آیتیں چھوٹی بھی ہیں،

دوسرا امتیاز دوسرا امتیاز یہ ہے کہ مدنی آیات میں لوگوں کو عام طور پر "یا أیھا الذین امنوا" کے ذریعہ خطاب کیا گیا ہے "یا أیھا النّاس" کے ذریعہ بہت کم خطاب ہوا ہے۔ اس کے برعکس مکّی آیات میں عام طور پر "یا أیھا النّاس" کہہ کر خطاب فرمایا گیا ہے اور کسی بھی مکّی آیت میں "یا ایھا الذین امنوا" کا انداز خطاب ہمیں نظر نہیں پڑا البتہ سات مدنی آیات ایسی ہیں جن میں "یا أیھا النّاس" کہہ کر خطاب ہوا ہے:۔

(۱) یا ایھا الناس اعبدوا ربکم (۲) یا ایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالا طیبا - یہ دونوں آیات سورۂ بقرہ میں ہیں (۳) یا ایھا الناس اتقوا ربکم (۴) ان یشأ یذھبکم ایھا الناس (۵) یا ایھا الناس قد جاءکم الرسول بالحق من ربکم (۶) یا ایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم، یہ چاروں سورۂ نساء میں ہیں، (۷) یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکرٍ وانثیٰ، یہ سورۂ حجرات میں ہے،

تیسرا امتیاز تیسرا اہم امتیاز معنوی ہے اور وہ یہ کہ کسی بھی مکّی آیت میں کوئی تفصیلی قانون بیان نہیں ہوا بلکہ زیادہ تر توحید اور وجود خدا کے دلائل، عذاب کی سختیاں، یوم قیامت

Marfat.com

کی ہولناکیاں، جنت کی نعمتیں، فضائلِ اخلاق کی ترغیب اور سابق امتوں کا عبرتناک انجام ان آیتوں کا موضوع ہے، اور جہاں تک تفصیلی قوانین کا تعلق ہے تو وہ زیادہ تر مدنی آیات میں نازل ہوئے ہیں۔

قرآن کے مضامین

قرآن کریم تین چیزوں کو اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے :-

(۱) اللہ، فرشتوں، آسمانی کتابوں، پیغمبروں اور روز قیامت سے متعلق عقائد و احکام، اس قسم کے مباحث علم کلام کا موضوع ہیں،

(۲) وہ احکام جو قلب کے افعال سے متعلق ہیں، مثلاً فضائلِ اخلاق و عادات، یہ چیزیں علم اخلاق (تصوف) کا موضوع ہیں،

(۳) وہ احکام جو اعضاء و جوارح کے افعال سے متعلق ہیں، شریعت نے کس چیز کا حکم دیا ہے؟ کس سے روکا ہے؟ کس کی اجازت دی ہے؟ یہ کس علم فقہ کا موضوع ہیں،

قرآن میں اسلامی فقہ کی بنیادیں

۱۲۶۳۶

قرآن کریم نے وضاحت کے ساتھ یہ اعلان کیا ہے کہ وہ لوگوں کی اصلاح کے لئے نازل ہوا ہے، اور اسی لئے وہ کسی چیز کا حکم دیتا اور کسی سے روکتا ہے :-

يامرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث (اعراف)

وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے، اچھی چیزوں کو ان کے لئے حلال، اور گندی چیزوں کو ان پر حرام قرار دیتا ہے، اس سلسلہ میں شریعت نے تین بنیادی چیزوں کی بطور خاص رعایت رکھی ہے :-

(۱) عدم الحرج : یعنی اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ لوگوں پر تنگی نہ ہو،

(۲) تقلیل التکالیف : یعنی یہ کہ تکلیف کم سے کم ہو،

(۳) تدریج : یعنی کوئی حکم دفعتہً نازل نہ کیا جائے بلکہ اس میں تدریج کا پہلو اختیار کیا جائے،

عدم الحرج

عربی زبان میں "حرج" کے لغوی معنی تنگی کے ہیں، اس بات کی بے شمار دلیلیں ہیں کہ یہ شریعت محمدیہ تنگی رفع کرنے کے اصول پر مبنی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

ويضع عنهم اصرهم والاغلال التي كانت عليهم (اعراف)

اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں،

Marfat.com

ہمیں ایک دعا کی تعلیم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

ربّنا ولا تحمل علینا اصراً کما حملتہٗ علی الّذین من قبلنا، ربّنا ولا تحمّلنا مالا طاقۃ لنا بہٖ (بقرہ)	اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے، اے ہمارے رب ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالئے جس کی ہم کو سہار نہ ہو،

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے جواب میں فرمایا کہ :-

فَعَلتُ یعنی میں یہ کام کرچکا ہوں، ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

(۳) لا یکلّف اللہ نفساً الّا وُسعھا (بقرہ)	اور اللہ نہ کسی کو مکلف نہیں بناتا مگر اس کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو،
(۴) یُرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العُسر (بقرہ)	اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے، اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں،
(۵) وما جعل علیکم فی الدّین من حرج (حج)	اور تم پر دین کے (احکام میں) کسی قسم کی تنگی نہیں کی،
(۶) یُرید اللہ أن یخفّف عنکم وخُلِق الانسان ضعیفا (نساء)	اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ تخفیف منظور ہے اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے،
(۷) ما یُرید اللہ لیجعل علیکم من حرج (مائدہ)	اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں،

اس کے علاوہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بُعثتِ بالحنیفیۃ السمحۃ (یعنی میں سیدھی سادی اور آسان شریعت دیکر بھیجا گیا ہوں)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عادت شریفہ حدیث میں مذکور ہے کہ :-

مَا خُیّر بین امرین الّا اختار ایسرھما مالم یکن اثما	آپؐ کو جب بھی دو باتوں میں سے کسی ایک بات کا اختیار دیا جاتا تو آپؐ آسان ترین کو اختیار کرتے تاوقتیکہ وہ گناہ نہ ہو،

اس طرح کی بیشمار آیات اور احادیث "عدم الحرج" کے اصول کو ثابت کرتی ہیں، اسی وجہ سے فقہاءؒ نے اسے شریعت کا ایک بنیادی اصول قرار دیا ہے اور اس سے بہت سے احکام مستنبط کئے ہیں، اسی

Marfat.com

اصول کے تحت شریعت نے مختلف حالات میں مختلف سہولتیں عطا فرمائی ہیں، مثلاً مسافر کے لئے افطار اجازت ضرورت کے وقت حرام چیز کا حلال ہوجانا اسی طرح پانی کی عدم موجودگی میں وضوء کی اجازت اسی اصول پر مبنی ہے،

تکالیفؑ کی کمی

یہ "عدم احرج" کا ایک لازمی نتیجہ ہے اس لئے کہ تکلیفوں کے زیادہ ہونے میں تنگی ہے، اگر تکلیفوں کی کمی نہ ہوتی تو لوگ تنگی میں مبتلا ہوجاتے اس لئے تکالیف کے بارہ میں یہ اصول بنا لیا گیا کہ وہ کم سے کم ہونی چاہئیں،

جس شخص کو قرآن کریم سے کچھ مناسبت ہو وہ اس اصول کی صحت کا ضرور قائل ہوجائے گا اس لئے کہ قرآن میں اُسے تکلیفیں کم سے کم نظر آئیں گی اور جتنی ہوں گی ان میں سے ہر ایک کا علم حاصل کرنا بھی آسان ہوگا اور ان پر عمل کرنا بھی، اس میں اتنی تفصیلات بھی نہ ہوں گی کہ لوگوں کے واسطے الجھن کا باعث ہوں،

اس اصول کی طرف ہمیں مندرجہ ذیل آیت سے رہنمائی ملتی ہے :-

یاایھا الذین امنوا لاتسالوا عن اشیاءَ ان تُبدَ لکم تسوکم وان تسالوا عنھا حین ینزّل القرآن تبد لکم	اے ایمان والو ایسی فضول باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو، اور تم زمانہ نزولِ قرآن میں ان باتوں کو پوچھو تو تم سے ظاہر کردی جائیں،

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان چیزوں کے بارہ میں سوال کرنے سے منع فرمایا ہے جنہیں اللہ نے ابھی تک حرام قرار نہیں دیا، اور فرمایا کہ ہوسکتا ہے تمہارا سوال ان کے حرام ہونے کا سبب بن جائے، اور اگر تم نہ پوچھو تو حسبِ سابق اس مسئلہ میں کوئی ہدایت نہ آتے اور تمہیں اس کام کے کرنے نہ کرنے کا اختیار رہے،

جب حج کا حکم نازل ہوا تو ایک صحابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ حج کرنا ہر سال واجب ہے یا ایک مرتبہ کرنے سے ادا ہوجائے گا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اس وقت "ہاں" کہدیتا تو حج ہر شخص پر ہر سال واجب ہوجاتا، پھر فرمایا کہ جن چیزوں کا بیان میں خود نہ کروں اُس کے بارہ میں زیادہ سوال نہ کیا کرو، سابقہ امتوں کی تباہی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ سوالؑ زیادہ کیا کرتے تھے

ع "تکلیف" کا مطلب اصطلاح شرع میں کسی چیز کو واجب، جائز یا حرام قرار دینا ہے اسکا اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں اور اسی بناء پر بالغ، عاقل شخص کو مکلف کہا جاتا ہے ۱۲ مترجم سلہ یعنی سوال زیادہ کرنے پر جب کوئی چیز حرام یا واجب کردی جاتی تو وہ اس کی پابندی نہ کرتے اور نتیجۃً عذاب نازل ہوتا ۱۲ مترجم

Marfat.com

اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرتے تھے' ایک اور جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا جرم اس شخص کا ہے جس نے کسی مباح چیز کے بارہ میں سوال کیا اور اس کے سوال کی بنا پر وہ چیز مسلمانوں پر حرام ہو گئی' ایک اور جگہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں تم انہیں ضائع نہ کرو اور کچھ حدود مقرر فرمائے ہیں' ان سے تجاوز مت کرو' اور بعض چیزوں کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا ہے جس کی وجہ یہ نہیں کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ اس شئے کا حکم بھول گئے ہیں بلکہ اس کی بنیاد صرف شفقت و رحمت ہے اس لئے تم ان چیزوں کی جستجو میں نہ پڑو' سنت کے بیان میں ہم اس کی مزید توضیح کریں گے'

تدریج جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور قرآن نازل ہوا تو اہل عرب میں بیشمار عادتیں جڑ پکڑ چکی تھیں' جن میں سے بعض تو ایسی تھیں جن سے زندگی کے مسائل پر کوئی برا اثر مرتب نہیں ہوتا تھا اور بعض وہ تھیں جو ان کے لئے سخت مضر تھیں اور اللہ تعالیٰ انہیں ان عادتوں سے باز رکھنا چاہتے تھے'

اس قسم کی عادات بد چھڑانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تقاضا سے کوئی حکم ایک دم سے نازل نہیں فرما دیا بلکہ اس میں تدریج کا پہلو اختیار فرمایا' یعنی پہلے ان کے ذہن کو آنے والے حکم کے لئے رفتہ رفتہ ہموار کیا اور پھر کوئی حکم نازل فرمایا' اسی ضمن میں بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ جو حکم پہلے نازل ہوا تھا' اب اس کے خلاف کوئی حکم نازل فرمایا گیا' مگر یہ سب مصلحت پر مبنی تھا اور غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نعوذ باللہ سابقہ حکم غلط تھا اور جب اس کی غلطی ظاہر ہوئی تو دوسرا حکم نازل کیا گیا۔

ہم اس بات کو ایک مثال سے واضح کریں گے:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب اور قمار کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ حلال ہیں یا حرام؟ اور یہ دونوں چیزیں اہل عرب کے معاشرے میں بری طرح رچ چکی تھیں' جواب میں قرآن نے فرمایا:۔

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما۔	لوگ آپ سے شراب اور قمار کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں (کے استعمال) میں بڑی بڑی گناہ کی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کے لئے (بعضے) فائدے بھی ہیں اور وہ گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں'

اس جواب میں اللہ تعالیٰ نے صراحۃً یہ نہیں فرمایا کہ شراب حرام ہے اسے چھوڑ دو بلکہ صرف یہ کہنے پر

Marfat.com

اکتفا کیا کہ اس کے نقصانات منافع کی نسبت سے زیادہ ہیں، اگرچہ یہ بات بھی ایک سلیم الفکر انسان کے لئے شراب چھوڑنے کا داعیہ بن سکتی ہے کہ جس فعل کے نقصانات غالب ہوں اُسے چھوڑ ہی دینا چاہیئے اس لئے کہ کوئی چیز خواہ کتنی ہی بُری کیوں نہ ہو اس میں کوئی نہ کوئی اچھائی کا عنصر بھی ضرور ہوتا ہے، کسی فعل کے بُرے یا اچھے ہونے کا فیصلہ اسی معیار پر کیا جا سکتا ہے کہ اس کے نقصانات زیادہ ہیں یا فائدے؟ تاہم اللہ تعالیٰ نے تصریح کی بجائے شراب کے نقصانات واضح فرما دیئے،

پھر حکم نازل ہوا کہ یا أیہا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وأنتم سکاریٰ (یعنے اے مؤمنو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی مت جاؤ) اس محکم نے پہلے حکم کو باطل قرار نہیں دیا بلکہ اس کی مزید تائید کر دی، اس کے بعد صاف صاف لفظوں میں اللہ جل شانہ نے اعلان فرمایا کہ:-

یا ایہا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون انما یرید الشیطان أن یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فہل أنتم منتہون (المائدۃ)

اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر، یہ سب گندی باتیں ہیں، شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ ہو تاکہ تم کو فلاح ہو، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ تمہارے آپس میں بغض اور عداوت واقع کرے، اور اللہ کی یاد اور نماز سے تم کو باز رکھے، پس کیا ہو تم باز رہنے والے،

اس تدریج کے اصول سے ایک اور ضمنی اصول بھی نکل آیا اور وہ یہ کہ پہلے احکام اجمالاً بیان کیئے جائیں اور بعد میں تفصیلی طور پر، اس اصول کا عمل مکّی اور مدنی فقہ کے درمیان موازنہ کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے، اس لئے کہ مکّی زندگی میں شاذ و نادر ہی کوئی تفصیلی حکم نازل ہوا ہے اور اس کے برعکس مدنی زندگی میں مکّی کی نسبت سے بہت زیادہ تفصیلی احکام نازل ہوتے ہیں، بالخصوص وہ احکام جو تمدّنی زندگی سے متعلق ہیں زیادہ تر مدنی دور ہی میں دیئے گئے ہیں، مکّی دور میں صرف وہ احکام ہیں جو عقیدہ کو شرک کی آلودگی سے محفوظ رکھتے ہیں مثلاً اُس ذبیحہ کا حرام ہونا جس پر اللہ کا نام نہ پڑھا گیا ہو،

قرآن کی حجیّت

قرآن کریم دین کی عمارت کی بنیاد ہے اور یہی وہ رسّی ہے جسے مضبوط پکڑنے کا حکم اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے ان الفاظ میں دیا ہے :۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا (آل عمران) — اور مضبوط پکڑے رہو تم اللہ کے سلسلہ کو اور باہم نااتفاقی مت کرو!

جہاں تک قرآن کی حجیت کا تعلق ہے سو یہ تو وہ مسلّمہ مسئلہ ہے جس پر کوئی دلیل و برہان قائم کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن میں کوئی حکم ایسا ہے جس پر عمل کرنا پہلے ضروری تھا اور بعد میں کسی اور حکم نے اس کی جگہ لے لی اور اس پر عمل کرنا ضروری نہیں رہا؟ بالفاظ دیگر کیا قرآن کی کوئی آیت منسوخ ہے، یہ سوال خاصی اہمیت کا حامل ہے اور اس کا جواب دینا ضروری ہے، اس لئے ہم اس مسئلہ کو خوب واضح کر دینا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے،

نسخ کا مطلب

فقہاءؒ کی اصطلاح میں "نسخ" کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے :۔

(۱) کسی نئی نصّ کی بناء پر اس حکم کو باطل کر دینا جو کسی سابقہ نص سے ثابت ہوا تھا، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور ألا فزوروھا۔ — میں نے پہلے تمہیں قبروں پر جانے سے منع کیا تھا، اب سن لو کہ تم قبروں پر جا سکتے ہو،

اس میں پہلی نص نے قبروں پر جانے سے ممانعت کا حکم صادر کیا تھا، دوسری نے آکر اسکی اجازت دیدی

(۲) نسخ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ایک حکم پہلے عام تھا اب کسی دوسری نص کے ذریعہ اس کے عموم کو ختم کر دیا جائے یا کوئی حکم پہلے مطلق تھا اب کسی نص کے ذریعہ اس میں کوئی قید لگا دی جائے، مثلاً سورۃ بقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا :۔

والمطلّقات یتربّصن بانفسھنّ ثلٰثۃ قروء۔ — اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض تک

یہ حکم ہر مطلقہ عورت کو شامل تھا کہ جس عورت کو بھی طلاق دی گئی ہو اُسے تین ایّام ماہواری گذرنے تک "عدّت" میں رہنا چاہیے، اس حکم میں وہ عورت بھی شامل تھی جس کے ساتھ مرد خلوت کر چکا ہو اور وہ بھی جس کے ساتھ خلوت نہ ہوئی ہو، پھر سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ :۔

اذا نکحتم المؤمنات ثمّ طلّقتموھنّ من قبل أن تمسّوھنّ فما لکم علیھنّ — جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو (اور) پھر تم ان کو قبل ہاتھ لگانے کے طلاق دیدو، تو

Marfat.com

من عدۃ تعتدونھا — تمہاری ان پر کوئی عدت نہیں جس کو تم شمار کرنے لگو

اس نص نے آکر اس عورت کا حکم پہلے حکم سے جدا کر دیا جس کے ساتھ مرد نے خلوت نہ کی ہو اس طرح اس آیت نے پہلی آیت کے عموم کو ختم کر دیا

اسی طرح سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا کہ :-

والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ — اور جو لوگ (زنا کی) تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں پر اور پھر چار گواہ نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اسی درے لگاؤ

یہ حکم ہر تہمت لگانے والے کے لئے عام تھا شوہر اپنی بیوی پر تہمت لگائے تو وہ بھی اسی حکم کے تحت داخل تھا مگر پھر سورۂ نور ہی میں فرمایا کہ :-

والذین یرمون أزواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم فشھادۃ أحدھم أربع شھادات باللہ إنہ لمن الصادقین — اور جو لوگ اپنی (منکوحہ) بیویوں کو (زنا) کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے اور کوئی گواہ نہ ہو تو ان کی شہادت یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہدے کہ بیشک میں سچا ہوں

اس آیت نے پہلی آیت کے عموم کو ختم کر کے تہمت لگانے والے کے لئے ایک مخصوص اور جداگانہ حکم عنایت فرمایا یعنی پانچ قسموں کو چار گواہوں کے قائم مقام کر دیا اور عورت کے لئے حدِ زنا سے بچنے کے لئے علیحدہ پانچ قسمیں تجویز فرما دیں

یہ دو مثالیں تو وہ تھیں جن میں ایک عام حکم کی آیت کو مخصوص کیا گیا تھا اب ایک مثال ایسی بھی دیکھ لیجئے جس میں مطلق حکم کی آیت کو کسی قید کا پابند کر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ سورۂ مائدہ میں ارشاد فرماتے ہیں

حُرِّمت علیکم المیتۃ والدم — تم پر مردار اور خون حرام کر دیا گیا اس آیت میں "خون" کی حرمت مطلق ہے خواہ خون بہتا ہوا ہو یا نہ ہو ہر ایک کو شامل ہے پھر سورۂ انعام میں ارشاد فرمایا

قُل لا أجد فیما أوحی إلیّ محرّما علی طاعم یطعمہ إلا أن یکون میتۃً أو دماً مسفوحاً الخ — آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام میرے پاس بذریعہ وحی آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو یا کہ وہ بہتا ہوا خون ہو الخ

اس آیت نے "خون" کے ساتھ مسفوح یعنی بہنے والے کی قید لگا دی جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف

Marfat.com

بہنے والا خون حرام ہے۔

نسخ کی اس دوسری قسم کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ یہ قرآن کریم میں موجود ہے، خواہ ہمیں معلوم نہ ہو کہ نزول کے اعتبار سے وہ آیت مقدم ہے جو عام یا مطلق ہے، یا وہ جو خاص یا مقید ہے، اسی طرح بعض اوقات ہمیں اس کا علم بھی نہیں ہوتا کہ آخر میں نازل ہونے والی آیت سابقہ آیت کے فوراً بعد نازل ہوگئی تھی یا کچھ عرصہ کے بعد،

نسخ کی اس قسم کا کیا نام ہے؟ اس کے بارے میں البتہ علماء میں اختلاف ہوگیا ہے، بعض حضرات نے اسے بھی "نسخ" کا نام دیا ہے اور بعض حضرات اسے "تخصیص العام" یا "تقیید المطلق" کے نام سے یاد کرتے ہیں ہم اس اختلاف کو زیادہ اہم نہیں سمجھتے جب دونوں کا مقصد اور مفہوم ایک ہی ہے تو اب خواہ کوئی بھی نام رکھ لیا جائے،

اس قسم کے بارے میں خلاصہ کے طور پر اتنی بات کافی ہے کہ قرآن کی جو نص عام ہوتی ہے اُسے مکمل طور پر باطل نہیں کیا جاتا بلکہ وہ "تخصیص" آنے کے بعد بھی مستثنات (EXCEPTIONS) کے سوا دوسری چیزوں میں بدستور کارفرما رہتی ہے[1] اور درحقیقت اس تخصیص کی بنیاد وہی "تدریج" کی حکمت ہوتی ہے، اب دین و شریعت کے مکمل ہو جانے کے بعد عام اور خاص آیتوں کی حیثیت ایک ہی نصّ کی ہو جاتی ہے جس میں کوئی استثنار (EXCEPTIONS) پایا جاتا ہو، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی کہیں نشاندہی نہیں فرمائی کہ ان میں سے کونسی آیت پہلے نازل ہوئی اور کونسی بعد میں؟ علماء نے بھی یہ بات جاننا کوئی ضروری نہیں سمجھا، کیونکہ مآلِ کار یہ دونوں آیتیں ایک ہی آیت کے حکم میں ہیں،

رہی پہلی قسم (یعنی قرآن میں کسی ایسی آیت کا موجود ہونا جس کا حکم باطل ہو چکا ہو اور اب وہ صرف تلاوت کی جاتی ہو اس پر عمل نہ ہوتا ہو) سو اس کا وجود محلِّ نظر ہے،

اس لئے کہ کسی نئی آیت کا سابقہ آیت کے حکم کو باطل کر دینا دو چیزوں پر موقوف ہے، ایک تو یہ کہ نئی آیت بصراحت یہ اعلان کر دے کہ اُس نے سابقہ آیت کا حکم باطل کر دیا ہے، دوسرے یہ کہ دونوں آیتوں میں اتنا تضاد پایا جاتا ہو کہ دونوں پر بیک وقت عمل کرنا ممکن نہ ہو، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن میں کہیں یہ دونوں باتیں مانی جاتی ہیں یا نہیں؟ اگر انکا وجود ہو تو ماننا پڑے گا کہ قرآن میں نسخ ہے اور اگر یہ باتیں موجود نہیں تو نسخ کا وجود بھی نہ ہوگا،

---

[1] مثلاً جب "عدت" کے حکم سے وہ عورت خارج ہوگئی جس کے ساتھ مرد نے خلوت نہ کی ہو تو اس تخصیص کے بعد بھی بقیہ تمام عورتوں پر عدت ضروری رہی ۱۲ مترجم

Marfat.com

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو ہماری نظر میں قرآن کے اندر کہیں یہ بات نہیں کہ اُس نے ماقبل کے کسی حکم کو باطل کرنے کا اعلان کیا ہو جو حضرات قرآن میں نسخ کے وجود کے قائل ہیں وہ زیادہ سے زیادہ تین جگہوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں جن میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی آیت نے ماقبل کے حکم کو باطل کر دیا۔

(۱) سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

یا أیتھا النبی حرّض المؤمنین علی القتال إن یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وإن یکن منکم مائة یغلبوا ألفاً من الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون

اے پیغمبرؐ آپ مومنوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں سے (اسی طرح) سو آدمی ہوں گے، تو ایک ہزار پر غالب آجائیں گے، اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو دین کو کچھ نہیں سمجھتے،

پھر اس کے فوراً بعد ایک آیت میں ارشاد ہے :۔

الآن خفّف اللہ عنکم وعلم أنّ فیکم ضعفاً فان یکن منکم مائة صابرة یغلبوا مائتین وان یکن منکم ألفٌ یغلبوا ألفین باذن اللہ واللہ مع الصابرین

اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے، سو اگر تم میں کے سو آدمی صبر کرنے والے ہونگے تو دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں کے ایک ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آجائیں گے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں،

اگرچہ بظاہر یہ آیتیں ایک خبر معلوم ہوتی ہیں کہ کم مسلمان زیادہ کفّار پر غالب آجائیں گے مگر درحقیقت یہ حکم ہے کہ اتنے مسلمان اتنے کافروں سے مغلوب ہو کر نہ بھاگیں، اس لئے کہ اسی سورت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

یاأیّھا الذین آمنوا اذا لقیتم فئةً فاثبتوا۔

اے ایمان والو! جب تم کو کسی جماعت سے (جہاد میں) مقابلہ کا اتفاق ہو تو ثابت قدم رہو،

اس آیت میں تو بغیر کسی تحدید کے ہر حال میں ثابت قدمی کو ضروری قرار دیا گیا ہے مگر پہلی دو آیتوں میں ایک خاص عدد کی تعیّن کر دی گئی ہے کہ اتنے کفّار سے مغلوب ہو کر فرار اختیار کرنا جائز نہیں، چنانچہ پہلی آیت میں تو یہ حد مقرر کی گئی ہے کہ جب اپنے سے دس گنا زائد یا اس سے کم کفار ہوں تو فرار اختیار

Marfat.com

کرنا جائز نہیں، اور یہ بات "حکم" کی صورت میں نہیں کہی گئی بلکہ اس میں "خبر" کا انداز اختیار کیا گیا ہے تاکہ ان میں جوش اور غیرت پیدا ہو،

پھر دوسری آیت آئی جس نے اعلان کر دیا کہ اللہ نے تمہارے ضعف کو دیکھ کر اب تخفیف کر دی ہے مقصد یہ ہے کہ پہلے تم میں ضعف نہ تھا اب ضعف پیدا ہو گیا تو تخفیف بھی کر دی گئی اور اگر پہلے ضعف ہوتا تو سابقہ حکم نازل نہ کیا جاتا،

لیکن اگر اسے نسخ کہنے کی بجائے یہ کہہ دیا جائے تو ہماری نظر میں بیجا نہ ہوگا کہ دراصل دوسری آیت پہلے حکم کے لئے ناسخ نہیں بلکہ ضعف کے عارض کی بناء پر اس میں ایک تخفیف پیدا کر رہی ہے اور اگر یہ عارض زائل ہو جائے تو اصل حکم بدستور برقرار رہے گا اور اگر لوگوں میں پھر سے یہی قوت پیدا ہو جائے تو پھر وہی حکم لوٹ آئے گا اگر دس گنے سے کم ہوں تو راہ فرار اختیار کرنا جائز نہ ہوگا،

اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ پہلی آیت میں (جس میں دس گنے کفار سے نہ بھاگنے کا حکم دیا گیا ہے) عشروں کے ساتھ صابرون کی قید لگی ہوئی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بیس "صبر کرنے والے" مسلمان ہوں تو وہ دو سو کفار کے سامنے مغلوب نہ ہوں، گویا جب تک صبر کی صفت موجود ہو اس وقت تک پہلے حکم کا ئل رہے گا اور صبر نہ ہو تو دوسرا حکم موجود ہے اور قوت صبر کے لوازم میں سے ہے

ہماری نظر میں یہ بات بہت بعید ہے کہ دوسری آیت کا حکم ہر حال کو شامل ہے خواہ ضعف ہو یا نہ ہو یہی حکم رہے گا، اس اعتبار سے دوسری آیت کو منسوخ نہیں کہا جائے گا،

(۲) سورۂ مزمل میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

یاایھا المزمل قم اللیل الا قلیلا نصفہ أو انقص منہ قلیلا أو زد علیہ ورتل القرآن ترتیلا انا سنلقی علیک قولا ثقیلا إن ناشئۃ اللیل ھی أشد وطأ وأقوم قیلا ان لک فی النھار سبحا طویلا	اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا اس سے بھی کچھ کم کر دو، یا نصف سے کچھ بڑھا دو، اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو (ایک ایک حرف الگ الگ ہو) ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں (مراد قرآن ہے) بیشک

رات کے اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے بیشک آپ کو دن بھر بہت کام رہتا ہے، پھر اسی سورت کے آخر میں ارشاد ہے :-

ان ربک یعلم أنک تقوم أدنی من	آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ

Marfat.com

ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ أَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ عَلِمَ أَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ـ (سورۃ مزمّل)

والوں میں سے بعضے آدمی (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں اور رات اور دن کا پورا اندازہ اللہ ہی کرسکتا ہے، اس کو معلوم ہے کہ تم اس (تقدیر وقت) کو ضبط نہیں کرسکتے تو (صرف وجوہ سے) اس نے تمہارے حال پر عنایت کی سو (اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو اس کو (یہ بھی) معلوم ہے کہ بعضے آدمی تم میں بیمار ہوں گے اور بعضے تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے اور بعضے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (اس لئے بھی اس حکم کو منسوخ کردیا) سو (اس لئے بھی تم کو اجازت ہے کہ اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو اور نماز (فرض) کی پابندی رکھا کرو اور زکوۃ دیتے رہا کرو۔

ان میں پہلی آیت صراحت کے ساتھ یہ حکم دے رہی ہے کہ رات کو تہجد کی نماز پڑھنا ضروری ہے اور وہ آدھی رات کے قریب قریب مقدار میں ہونا چاہئے، اس آیت میں براہ راست خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے،

دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت بھی اس حکم کی تعمیل میں رات کو تہجد پڑھا کرتے تھے پھر اسی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اب ایک سبب پیدا ہوگیا جس کا تقاضا ہے کہ پہلے حکم میں تخفیف کی جائے اور وہ یہ کہ ان (صحابہ) میں سے بعض حضرات وہ بھی ہوں گے جو بیمار رہیں بعض مسافر ہوں گے اور بعض جہاد میں مصروف ہوں گے اس لئے اب حکم اتنا آسان کردیا گیا کہ قرآن کریم میں سے جتنا حصہ بہ آسانی پڑھ سکیں اتنا پڑھ لیں،

لیکن درحقیقت یہاں بھی دوسری آیت نسخ نہیں کررہی، بلکہ دراصل پہلا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا، آپ ہی پر تہجد واجب کیا گیا تھا، صحابہؓ نے محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں تہجد پڑھنا شروع کردیا تھا اس لئے یہ تخفیف بھی انہی کے لئے تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت کے نزول کے بعد بھی وہی حکم باقی رہا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہی رائے ہے اور اس کے مطابق نسخ لازم نہیں آتا، نسخ تو اس وقت لازم آتا جب دوسری آیت عمومی طور سے ہر ایک

Marfat.com

کے لئے تخفیف کرتی، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں لہٰذا اس سے بھی نسخ کا وجود ثابت نہیں ہوتا،

(۳) سورۂ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

یا أیّھا الّذین اٰمنوا اذا ناجیتم الرّسول فقدّموا بین یدی نجوٰکم صدقۃ ذٰلک خیر لکم وأطھر فان لم تجدوا فانّ اللہ غفور رّحیم	اے ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی (کرنے کا ارادہ) کیا کرو تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے (مساکین کو) کچھ خیرات دیدیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور (گناہوں سے) پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے

پھر اگر تم کو (صدقہ دینے کی) مقدور نہ ہو تو اللہ غفور رحیم ہے۔

پھر اسی سورت میں ارشاد ہے :۔

ءأشفقتم أن تقدّموا بین یدی نجوٰکم صدقات فاذ لم تفعلوا وتاب اللہ علیکم فأقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکاۃ وأطیعوا اللہ ورسولہٗ	کیا تم اپنی سرگوشی سے قبل خیرات دینے سے ڈر گئے سو (خیر) جب تم (اس کو) نہ کرسکے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی تو تم نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور رسول

کا کہنا مانا کرو۔

ان میں سے پہلی آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے خفیہ مشورہ کے لئے کچھ صدقہ کو واجب کرتی ہے، اور دوسری آیت اس وجوب کو ختم کر رہی ہے مگر اس میں نسخ کی تصریح نہیں اس لئے اس سے بھی نسخ کا حتمی وجود ثابت نہیں ہوتا،

رہا نسخ کا دوسرا طریقہ کہ چونکہ دو نصوص باہم اس درجہ متضاد ہیں کہ ان میں سے ایک کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ قرار دیئے بغیر چارہ نہیں، تو ہمیں ایسی کوئی صورت بھی قرآن میں نہیں نظر آتی جس پر اس طرح نسخ کا حکم لگایا جائے،

ہم نے اپنی کتاب "اصول الفقہ" میں اس مسئلہ پر مزید تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے، ان تمام آیتوں کو پیش کر کے جن میں نسخ کا احتمال ہو سکتا ہے اُن علماء کی جانب سے جواب دیا ہے جو نسخ کے قائل نہیں

علماء سلف میں سے علّامہ ابومسلم اصفہانی رح جو بڑے درجہ کے مفسّرین میں سے ہیں اسی بات کے قائل تھے کہ قرآن میں نسخ نہیں، اُن کے اقوال ہم پر امام رازی رح کی تفسیر میں نظر سے گذرے ہیں، امام رازی رح کے انداز سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں علّامہ ابومسلم رح کی رائے کی جانب مائل ہیں،

Marfat.com

طلب اور تخییر کے مسائل میں قرآن کا انداز بیان

لوگوں سے کسی چیز کو طلب کرنے یا انہیں کسی مسئلہ میں خود مختار بنانے کے لئے قرآن نے کسی ایک انداز اور اسلوب کا التزام نہیں کیا، بلکہ مختلف اور متنوع انداز بیان سے وہ طلب اور تخییر کے احکام صادر کرتا ہے، ہمیں قارئین کے سامنے اُن تمام اسالیب کو بیان کر دینا سودمند معلوم ہوتا ہے،

طلب کے انداز قرآن نے کسی بات کو طلب کرنے کے لئے مختلف انداز اور اسالیب استعمال کئے ہیں :۔

(۱) امر صریح، جیسے سورہ نحل میں فرمایا :۔

انّ اللہ یأمرکم بالعدل والاحسان وانتیاء ذی القربیٰ ۔	بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں ۔

اور سورۂ نساء میں ارشاد ہے :۔

ان اللہ یأمرکم أن تؤدّوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین النّاس أن تحکموا بالعدل۔	بے شک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو اور یہ کہ جب تم لوگوں کا تصفیہ کیا کرو تو عدل سے تصفیہ کیا کرو،

(۲) کہیں اسبات کی خبر دیکر حکم لازم کیا گیا ہے کہ فلاں کام تم پر فرض کیا جا چکا ہے، مثلاً سورۂ البقرہ میں ہے۔

کُتب علیکم القصاص فی القتلیٰ	تم پر (قانون) قصاص فرض کیا جاتا ہے

(اور)

کُتب علیکم اذا حضر أحدکم الموت ان ترک خیران الوصیۃ ۔	تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو والدین اور اقارب کیلئے معقول طور پر (کہ مجموعہ ایک ثلث سے زیادہ نہو) کچھ کچھ بتلا جاوے (اسکا نام وصیت ہے)

(اور)

کُتب علیکم الصّیام (اور)	تم پر روزہ فرض کیا گیا
ورھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبناھا	اور انھوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا ہم نے

Marfat.com

علیہم (اور)	ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا۔
کتاب اللہ علیکم (اور)	اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے
ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا۔	یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے۔

(۳) کہیں اسبات کی خبر دی گئی ہے کہ فلاں فعل تمام لوگوں پر یا کچھ مخصوص لوگوں پر واجب ہے مثلاً:۔

(ا) وَللّٰہِ علی النّاسِ حِج البیت من استطاع الیہ سبیلا۔	اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے (یعنی) اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک کی سبیل کی۔
(ب) وعلی المولود لہٗ رزقھنّ و کیسوتھنّ بالمعروف	اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے ان (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق۔
(ج) وعلی الوارث مثل ذٰلک	اور مثل طریق مذکور کے اس کے ذمہ ہے جو وارث ہو
(د) وللمطلّقات متاع بالمعروف حقًّا علی المتقین	اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ کچھ فائدہ پہنچانا قاعدہ کے موافق (یہ) مقرر ہو

رہے ان پر جو (شرک وکفر سے) پرہیز کرتے ہیں۔

(۴) کہیں یہ انداز اختیار کیا ہے کہ جن لوگوں پر کسی فعل کو واجب قرار دینا ہے ان کے بارے میں یہ خبر دیدی گئی ہے کہ وہ لوگ یہ کام کرتے ہیں، اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ انہیں یہ کام کرنا چاہیئے مثلاً:۔

والمطلّقات یتربّصن بأنفسھنّ ثلاثۃ قروء والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربّصن بأنفسھنّ أربعۃ أشھر وعشرا (سورۂ بقرہ)	اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض تک اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ سے) روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن۔

یہ اسلوب کبھی تو طلب کو مؤکد کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے جس کی مثال اوپر گذری، اور کبھی مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنا ضروری نہیں، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:۔

والوالدات یرضعن أولادھنّ حولین کاملین لمن أراد أن	اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں یہ بات اس کے لئے ہے جو کوئی شیرخوارگی

Marfat.com

يتم الرّضاعة ۔ کی تکمیل کرنا چاہے۔

دیکھئے یہاں دوسال تک بچے کو دودھ پلانا ضروری نہیں کسی وجہ سے اگر صرف ایک سال دودھ پلایا جائے تو کوئی گناہ نہیں :۔

(۵) کہیں "امر" کے صیغہ سے فعل کو واجب کیا گیا ہے مثلاً :۔

حافظوا على الصلوات و الصّلوٰة الوسطى وقوموا لله قانتين (ادر)	محافظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کی (خصوصاً) اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے۔
ثمّ ليقضوا تفثهم وليوفوا نذورهم وليطّوّفوا بالبيت العتيق (حج)	پھر لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کردیں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور ان ہی ایام معلومات میں اس مامون گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا طواف کریں۔

(۶) کہیں "فرض" کا لفظ استعمال کر کے فعل کو واجب کیا گیا ہے مثلاً :۔

قد علمنا ما فرضنا عليهم في أزواجهم وما ملكت أيمانهم (احزاب)	ہم کو وہ احکام معلوم ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیبیوں اور لونڈیوں کے بارے میں مقرر کئے ہیں۔

(۷) کبھی مطلوب فعل کو کسی شرط کی جزا بنا کر ذکر کردیا گیا ہے مگر یہ طریقہ عام نہیں :۔

فان أحصرتم فما استيسر من الهدى ـ فمن كان منكم مريضاً أو به أذىً من رأسه ففديةٌ من صيامٍ أو صدقةٍ اونسك (بقرہ) اور	پھر اگر (کسی دشمن یا مرض کے سبب) روکے جاؤ تو قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو (ذبح کرے) البتہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو جس سے پہلے ہی سر منڈوانے کی ضرورت پڑ جائے) تو (وہ سر منڈوا کر) فدیہ (یعنی اس کا شرعی

دیدے (تین) روزہ سے یا (چھ مسکین کو) خیرات دیدے (یا ایک بکری) ذبح کردینے سے

وان كان ذو عسرة فنظرة الى ميسرة (بقرہ)	اور اگر تنگدست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے آسودگی تک

(۸) کہیں کسی فعل کے لئے لفظ "خیر" استعمال کیا گیا ہے :۔

ويسئلونك عن اليتامى قل	اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے

Marfat.com

اصلاح لهم خير (بقرہ)　　کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے

(۹) کہیں کسی فعل کے صلہ میں کسی وعدے کا ذکر ہے جیسے :-

من ذا الذی یقرض الله قرضاً حسناً فیضاعفه له أضعافاً کثیرة (بقرہ)　　کوئی شخص ہے (ایسا) جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا پھر اللہ تعالیٰ اس (کے ثواب) کو بڑھا کر بہت سے حصے کر دیوے

(۱۰) کہیں کسی فعل کو نیکی قرار دیا ہے یا نیکی کی طرف پہنچانے والا قرار دیا گیا ہے مثلاً

ولكن البر من آمن بالله الخ (بقرہ)　　لیکن (اصلی) کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے۔

ولكن البر من اتقى (بقرہ)　　ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام (چیزوں) سے بچے۔

لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون　　تم خیر (کامل) کو کبھی حاصل نہ کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے۔

ممانعت کے انداز

اسی طرح کسی فعل سے روکنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف اسلوب اختیار فرمائے ہیں،

(۱) نہی صریح، مثلاً :-

وینهی عن الفحشاء والمنكر والبغی (نحل)　　اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں۔

انما ینهاکم الله عن الذین قاتلوکم فی الدین وأخرجوکم من دیارکم وظاهروا علی إخراجکم أن تولوهم (ممتحنہ)　　صرف ان لوگوں سے دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں (خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور اگر نکالا بھی نہ ہو (لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی مدد کی ہو)

(۲) صریح طور پر حرام قرار دیا گیا ہے مثلاً :-

انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن والإثم والبغی بغیر الحق　　آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے تمام فحش باتوں کو ان میں جو علانیہ ہیں وہ بھی

Marfat.com

وأن تشركوا بالله مالم ينزل به سلطاناً وأن تقولوا على الله مالا تعلمون (اعراف) — اور ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھیراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات رکھو جس کی تم سند نہ رکھو۔

قُل تعالوا أتلُ ما حرّم ربّكم عليكم (انعام) — آپ (ان سے) کہئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جس کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے۔

وحُرِّمَ ذٰلك على المؤمنين (نور) — اور یہ (یعنی ایسا نکاح) مسلمانوں پر حرام (اور موجب گناہ) کیا گیا ہے۔

(۳) کہیں کسی چیز کے بارہ میں یہ حکم صادر فرمایا گیا ہے کہ یہ حلال نہیں مثلاً

لا يحلّ لكم أن ترثوا النّساء كرهاً (نسا) — تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے جبراً مالک ہو جاؤ

ولا يحلّ لكم أن تأخذوا ممّا آتيتموهنّ شيئاً الاّ أن يخافا ألاّ يقيما حدود الله (بقرہ) — اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی ہو (گو) اس میں سے (ہی) جو تم نے ان کو (مہر میں دیا تھا) مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قایم نہ کر سکیں گے سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قایم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس (مال کے لینے دینے) میں

ولا يحلّ لهنّ أن يكتمن ما خلق الله في أرحامهنّ (بقرہ) — اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا ہو (خواہ حمل یا حیض) اس کو پوشیدہ کریں۔

(۴) کہیں "نہی" کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، مثلاً کہا گیا کہ ایسا نہ کرو یا کسی فعل کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے "اسے چھوڑ دو" مثلاً:-

ولا تقربوا مال اليتيم إلاّ بالتي هي أحسنُ (انعام) — اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر (ایسے طریقہ سے) جو کہ مستحسن ہے۔

وذروا ظاهر الاثم وباطنهٗ (انعام) — اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو۔

Marfat.com

ودع أذاهم (احزاب) اور ان کی طرف سے جو ایذا پہنچے اسکا خیال نہ کیجئے۔

(۵) کہیں کسی فعل کو نیکی کے خلاف قرار دیا گیا ہے جیسے :۔

لیس البر أن تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب (بقرہ)	کچھ سارا کمال اسی میں نہیں (آ گیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو۔
ولیس البر بأن تأتوا البیوت من ظهورها (بقرہ)	اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو۔

(۶) کہیں کسی فعل کی نفی کر دی گئی ہے اور مقصود نہی ہے :۔

فان انتهوا فلا عدوان الا علی الظالمین (بقرہ)	اور اگر وہ لوگ (کفر سے) باز آجاویں تو سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی بجز بے انصافی کرنے والوں کے۔
فمن فرض فیهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (بقرہ)	سو جو شخص ان میں حج مقرر کرے تو پھر (اس کو) نہ کوئی فحش بات (جائز ہے) اور نہ کوئی بے حکمی (درست ہے) اور نہ کسی قسم کا نزاع جائز ہے۔
لا تضار والدة بولدها ولا مولود له بولده (بقرہ)	کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچانا چاہیئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہیئے اس کے بچہ کی وجہ سے۔

(۷) کہیں کسی فعل کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس کے کرنے سے گناہ ہوگا جیسے :۔

فمن بدله بعد ما سمعه فانما اثمه علی الذین یبدلونه (بقرہ)	پھر جو شخص اس (وصیت) کے سن لینے کے بعد اس کو تبدیل کرے گا تو اس کا گناہ ان ہی لوگوں کو ہوگا جو اس کو تبدیل کریں گے۔

(۸) کہیں کسی فعل پر کوئی دھمکی دی گئی ہے مثلاً :۔

والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب ألیم (توبہ)	اور (غایت حرص سے) جو لوگ سونا چاندی جمع کر کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔
والذین یأکلون الربا لا یقومون	اور جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہونگے

Marfat.com

الّا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن من المسّ (بقرہ) — (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنا دے لپٹ کر (یعنی حیران و مدہوش)

(۹) کہیں کسی فعل کو "شر" قرار دیا گیا ہے مثلاً :-

ولا یحسبنّ الذین یبخلون بما اٰتاھم اللہ من فضلہ ھو خیراً لھم بل ھو شرّ لھم (آل عمران) — اور ہرگز نہ خیال کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات کچھ ان کے لئے اچھی نہ ہوگی بلکہ یہ بات ان کی بہت ہی بری ہے۔

تخییر کے انداز

کسی کام میں بندے کو اختیار دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف اسالیب استعمال فرمائے ہیں :-

(۱) کہیں "فعل" یا اس سے متعلق کسی چیز کو حلال قرار دیا گیا ہے مثلاً :-

اُحلّت لکم بھیمۃ الانعام (مائدہ) — تمہارے لئے چوپائے جو مشابہ انعام (یعنی اونٹ بکری گائے) کے ہوں حلال کئے گئے ہیں۔

(ب) یسئلونک ماذا اُحلّ لھم قل اُحلّ لکم الطیّبات وما علّمتم من الجوارح مکلّبین۔ الیوم اُحلّ لکم الطیّبات وطعامُ الذین اُوتوا الکتاب حلّ لکم وطعامکم حلّ لھم — لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانور ان کے لئے حلال کئے گئے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے کل حلال جانور حلال رکھے ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو چھوڑو بھی۔ آج تمہارے لئے حلال چیزیں حلال رکھی گئیں اور جو لوگ کتاب دئے گئے ہیں ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے۔

(۲) کہیں یہ فرمایا گیا کہ ایسا کرنے میں کوئی گناہ نہیں اس کے لئے "اثم" کا لفظ استعمال فرمایا گیا۔

فمن اضطرّ غیر باغٍ ولا عادٍ فلا اثم علیہ — پھر بھی جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ (قدر حاجت سے) تجاوز کرنے والا ہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا۔

فمن تعجّل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تأخّر فلا اثم علیہ — پھر جو شخص دو دن میں (مکہ واپس آنے میں) تعجیل کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص دو دن میں تاخیر

Marfat.com

لمن اتّقیٰ — کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اس شخص کے واسطے جو (خدا سے) ڈرے۔

فمن خاف من موص جنفًا أو اثمًا — ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی

فأصلح بینھم فلا إثم علیہ — بے عنوانی کی یا کسی جرم کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

(۲) کہیں گناہ کی نفی کی گئی اور اس کے لئے "جناح" کا لفظ استعمال ہوا:۔

لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فی ما طعموا اذا ما اتقوا وآمنوا و عملوا الصالحات ثم اتقوا وآمنوا ثم اتقوا واحسنوا (مائدہ) — ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں۔

لیس علیکم ولا علیھم جناح بعدھن (نور) — ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ بلا اجازت چلے آنے میں ان پر کچھ الزام ہے۔

ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت أو اعتمر فلا جناح علیہ أن یطوف بھما — صفا اور مروہ منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں سو جو شخص حج کرے بیت (اللہ) کا یا (اس کا) عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں ان دونوں کے درمیان آمد و رفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہے)

قرآن میں کس قسم کے احکام ہیں؟

قرآن کریم میں بندوں کو مختلف قسم کے احکام کا مکلف کیا گیا ہے۔

(۱) پہلی قسم کے احکام تو وہ ہیں جو عبادات سے متعلق ہیں، یہ براہ راست اللہ اور بندے کا معاملہ ہے، ان کے صحیح ہونے کے لئے نیت بھی ضروری ہے،

پھر ان عبادات کی بھی تین قسمیں ہو جاتی ہیں، ایک تو وہ جو خالص عبادت ہیں مثلاً نماز اور روزہ، دوسری وہ عبادت جو مالی بھی ہے اور اجتماعی بھی، یہ زکوٰۃ ہے، تیسری وہ جو بدنی ہے اور اجتماعی ہے یہ حج ہے، یہ ان چار عبادتوں کو ایمان کے بعد اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔

Marfat.com

(۲) دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جو انسانوں کے باہمی معاملات سے متعلق ہیں، انکی بھی کئی قسمیں ہیں،

(الف) وہ احکام و قوانین جو دعوتِ اسلام کے تحفظ سے متعلق ہیں یعنی جہاد کے احکام۔

(ب) خاندانی احکام، جو نکاح، طلاق، نسب اور وراثت پر مشتمل ہیں۔

(ج) وہ احکام جن میں لوگوں کے باہمی معاملات سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔ مثلاً خرید و فروخت اجارہ وغیرہ اسی قسم کو اصطلاح میں معاملات کہتے ہیں،

(د) تعزیری احکام، جن میں قصاص اور حدود کے احکام شامل ہیں، ان کی تفصیل ہم بعد میں بیان کریں گے،

حدیث

حدیث سے ہماری مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور تقریر[۱] ہے۔ اس بات میں کسی مسلمان کو شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

یا ایھا الرّسول بلّغ ما اُنزل الیک من ربّک (مائدہ) — اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے۔

اور آپ ہی قرآن کے معانی مراد کی تشریح و توضیح فرمانے والے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَ أنزلنا الیك الذّکر لتبیّن ما نُزّل الیھم و لعلّھم تیفکّرون۔ (نحل) — اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں ان کو آپ ان سے ظاہر کر دیں اور تاکہ وہ (ان میں) فکر کیا کریں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تشریح کبھی صرف قول سے فرماتے کبھی صرف فعل سے اور کبھی دونوں سے، جیسا کہ ایک مرتبہ آپ نے نماز پڑھی اور پھر فرمایا:۔

صلّوا کما رأیتمونی اُصلّی — اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے

ایک اور موقعہ پر آپ نے حج کیا اور ارشاد فرمایا:۔

خذ وا عنّی منا سککم — مجھ سے اپنے حج کے احکام حاصل کرو

---

[۱] تقریر کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے کوئی کام کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی مگر آپ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی ۱۲ مترجم

Marfat.com

اس سے واضح ہوگیا کہ حدیث قرآن کریم کی شرح و تفسیر ہے جو قرآن کے مجمل احکام کو واضح کرتی ہے اور بعض اوقات جو بات قرآن میں مطلق ہوتی ہے اس کی تقلید کر دیتی ہے اور جو بات قرآن میں مشکل ہوتی ہے اس کی تشریح و توضیح کر دیتی ہے"

اس بات کو ذہن میں رکھا جائے تو واضح ہوجائے گا کہ حدیث کا کوئی حکم ایسا نہیں جس پر قرآن میں اجمالی طور پر یا تفصیلی طور پر کوئی دلالت موجود نہ ہو، یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات یہ دلالت بہت عام اور ہمہ گیر ہوتی ہے۔ مثلاً وہ آیات جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد :-

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا (حشر)

اور رسول تم کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز کے لینے سے تم کو روک دیں (اور بعموم الفاظ یہی حکم ہے افعال اور احکام میں بھی) تم رک جایا کرو۔

اور یہ ارشاد :-

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی أنفسہم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما (نساء)

پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک کہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرا دیں پھر اس آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورے طور پر تسلیم کر لیں۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے :-

قل إن کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم قل أطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین[1] (آل عمران)

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑی عنایت فرمانے والے ہیں (اور) آپ (یہ بھی) فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی پھر (اس پر بھی) اگر وہ لوگ اعراض کریں سو (سن رکھیں کہ) اللہ تعالیٰ

[1] ان تمام آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے جس کی صورت صرف یہ ہے کہ حدیث کو واجب العمل قرار دیکر اس پر عمل کیا جائے ۱۲ مترجم

Marfat.com

کافروں سے محبت نہیں کرتے

اور بعض آیات ایسی ہیں جن میں کوئی حکم مجملاً بیان کیا گیا ہے اس کی پوری کیفیت اس کے اسباب وشرائط اور موانع وغیرہ کا تفصیلی ذکر نہیں کیا گیا' احادیث نے اس اجمال کی توضیح کرتے ہوئے مذکورہ تمام چیزوں کو تفصیل کے ساتھ بیان فرما دیا۔

اور بعض مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ قرآن کریم نے کوئی حکم بیان فرمایا' پھر آپؐ نے ایک اور مسئلہ میں وہی علت دیکھ کر اسے پہلے مسئلہ پر قیاس فرمایا اور اس کو بھی وہی حکم عطا کیا جو پہلے کا تھا' ہم ہر ایک صورت کی مثالیں دیں گے'

رفع اجمال کی مثالیں

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن میں طیبات یعنی پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیا اور خبائث یعنی گندی چیزوں کو حرام فرمایا ان دونوں کے درمیان بہت سے امور مشتبہ تھے کہ کس چیز کو پاکیزہ اور کسے گندی قرار دیا جائے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ہر درندہ جانور جس کے "کیلا" دانت ہو وہ حرام ہے' اور ہر وہ پرندہ حرام ہے جو پنجوں سے شکار کرتا ہو' اسی طرح آپؐ نے شہری گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا' اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے ان چیزوں کو "خبائث" میں سے قرار دیا'

(۲) اللہ تعالیٰ نے مشروبات میں سے وہ تمام چیزیں حلال قرار دی ہیں جو نشہ آور نہ ہوں' اور ہر نشہ آور مشروب کو حرام قرار دیا ہے' اب ایک ایسی چیز سامنے آتی ہے جو حقیقۃً تو نشہ آور نہیں لیکن اس سے نشہ پیدا ہو سکتا ہے مثلاً دبار' مزفت اور نقیر کی نبیذ (یہ سب برتنوں کے نام ہیں جس میں ایک سرور انگیز قسم کی شراب تیار کی جاتی تھی)'

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی نشہ آور اشیاء میں شامل فرما کر انہیں استعمال کرنے سے منع فرمایا' تاکہ شراب نوشی کا مکمل سدباب ہو جائے' پھر کچھ عرصہ کے بعد جب لوگوں سے شراب کی عادت اچھی طرح چھوٹ گئی تو آپؐ نے اصل حقیقت کی طرف رجوع فرمایا کہ تمام اشیاء میں اصل یہی ہے کہ وہ مباح ہوں چنانچہ فرمایا :۔

کنت نھیتکم عن الانتباذ	میں نے تمہیں نبیذ بنانے سے روکا تھا اب تم نبیذ بنا سکتے
فانتبذوا وکل مسکر حرام	ہو اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے سدھائے ہوئے کتے کے کئے ہوئے شکار کو حلال قرار دیا ہے اور اس نے شکار اپنے مالک کے لئے کیا ہو اپنے لئے نہیں' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سدھائے ہوئے کتے کا شکار

Marfat.com

تو حلال ہے لیکن جو کتا سدھایا ہوا نہ ہو اس کا مارا ہوا شکار حلال نہیں، اب یہ سوال پیدا ہو گیا کہ اگر کوئی کتا سدھایا ہوا تو ہے مگر اس نے شکار کا کچھ حصہ خود بھی کھا لیا ہے تو اس کے سدھائے ہوئے ہونے کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس نے اپنے مالک ہی کے لئے شکار کیا ہو لیکن چونکہ اس نے کچھ حصہ خود بھی کھا لیا ہے اس لئے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے یہ شکار اپنے لئے کیا ہو گا، اس مشکل کو حل کرنے کے لئے حدیث نے ارشاد فرمایا کہ اگر کتے نے کچھ حصہ کھا لیا ہو تو تم بقیہ حصہ نہ کھاؤ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس نے یہ شکار اپنے لئے نہ کیا ہو،

(۴) اللہ تعالیٰ نے حالتِ احرام میں ہر شکار مارنے کو ناجائز قرار دیا ہے اور جو شخص جان بوجھ کر ایسا کرے اس پر ایک خاص سزا مقرر کی ہے، لیکن ایک مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ اگر کسی شخص نے حالتِ احرام میں غلطی سے شکار کر لیا تو اس کا کیا حکم ہو گا؟ اسے بیان کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث آئی جس سے معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں دونوں صورتوں میں جزاء واجب ہو گی خواہ وہ قتل جان بوجھ کر ہوا ہو یا غلطی سے،

اسی طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جن میں سے بہت سی مثالیں آئندہ بھی آپ کے سامنے آئیں گی،

قیاس کی صورت

قیاس کی صورت یہ ہے کہ قرآنِ کریم بعض اوقات ایسے اصول بیان فرماتا ہے جن سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جو صورتیں اس جیسی ہوں گی ان کا حکم بھی یہی ہو گا، اور جو بات اس کے اطلاق سے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہوتی ہے کہ بعض مقید صورتیں بھی اسی جیسی ہیں، اس طرح قرآنِ کریم حدیث کی توضیح پر اعتماد کر کے کوئی اصل بیان فرما دیتا ہے اس کی فرع کو چھوڑ دیتا ہے، یہ مقیس علیہ (یعنی اصل) اگرچہ خاص ہوتی ہے لیکن معنی کے لحاظ سے عام ہوتی ہے، ایسی حالت میں اگر ہمیں قرآن میں کوئی اصل ملے اور حدیث میں بھی کوئی اس جیسا حکم آیا ہو تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ قرآن کی مراد بھی یہی معنی ہیں خواہ اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد قرار دیا جائے یا وحی، بہر حال ہمارے خیال میں یہ صورت مقیس اور مقیس علیہ کے قائم مقام ہے، اس کی متعدد مثالیں ہیں:۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے "سود" کو حرام قرار دیا، جاہلیت میں تو سود کی صورت یہ تھی کہ قرض خواہ مقروض سے کہتا تھا کہ یا تو میرا قرض ادا کر دو ورنہ میں سود کی رقم میں اور اضافہ کر دوں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

ربا الجاھلیۃ موضوع — جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا۔

پھر چونکہ اس سود کے حرام ہونے کی وجہ یہ تھی کہ جو سود کی رقم قرضخواہ زیادہ کرتا تھا وہ بغیر عوض

Marfat.com

کہ دہ جاتی تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر وہ زیادتی جو اس قسم کی ہو وہ ناجائز ہے چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے،

الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل یداً بید فمن زاد أو ازداد فقد أربیٰ فاذا اختلفت ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یداً بید۔

سونے کو سونے کے عوض چاندی کو چاندی کے عوض گندم کو گندم کے عوض جو کو جو کے عوض کھجور کو کھجور کے عوض اور نمک کو نمک کے عوض فروخت کرنا ہو تو برابر سرابر اور ہاتھ در ہاتھ فروخت کرو جو زیادتی کرے گا وہ سود کا مرتکب ہوگا اور اگر ان اجناس عہ کو ایک دوسرے کے عوض فروخت کرنا ہو تو جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ معاملہ دست بدست ہو۔

اس میں آپؐ نے اس صورت کو بھی "الربوا" میں داخل فرمایا ہے کہ اجناس مختلف ہوں، معاملہ دست بدست نہ ہو قرض ہو اور پھر اس میں زیادتی کی جائے (مثلاً ایک سیر گندم، دو سیر قرض جو کے عوض بیچا جائے) اس صورت کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک چیز کی زیادتی قرض کے عوض کی جارہی ہے اس صورت میں حکم کے لحاظ سے وہ بیع سلف عہ بھی داخل ہے جس سے اس قسم کا فائدہ حاصل کیا جائے کیونکہ دو متشابہ اجناس کے فوائد چونکہ قریب قریب برابر ہیں اس لئے ان دونوں کی بیع بھی اسی قسم کی ہے جیسے دو ہم جنس چیزوں کا تبادلہ، اس لئے اگر اس میں زیادتی کی جائے تو وہ بلا معاوضہ قرار پائے گی جواز روئے شریعت ممنوع ہے کیونکہ جو دو چیزیں ایک دوسرے کے معاوضہ میں دی جاتی ہیں ان میں کسی عوض کے ملنے کے لئے عادۃً مدت اس لئے مقرر کی جاتی ہے کہ قیمت میں اضافہ کیا جائے، اس لئے کہ ایک موجود مال غیر موجود مال کے عوض صرف اسی لالچ میں دیا جاسکتا ہے کہ آئندہ ملنے والا مال قیمت کے اعتبار سے زیادہ ہوگا، یہی زیادتی ہے۔

اب یہاں صرف ایک سوال رہ جاتا ہے کہ اس زیادتی کا لین دین صرف نقد (سونا چاندی) اور

عہ مثلاً نمک کو کھجور کے بدلے، گندم کو جو کے عوض فروخت کیا جائے تو برابر سرابر کی قید نہیں صرف دست بدست ہونا شرط ہے ۱۲ مترجم

عہ بیع سلف کے معنی یہ ہیں کہ غلہ پیشگی اس شرط پر دیا جائے کہ اتنی مدت میں اس کے بدلے میں اس کو اسی جیسا فلاں غلہ اس مقدار میں دینا پڑے گا ۱۲

Marfat.com

کھانے کی چیزوں میں کیوں حرام ہے؟ کپڑوں وغیرہ میں کیوں حرام اور ناجائز نہیں؟ اس سوال کا جواب اس قدر دقیق ہے کہ مجتہدین پر بھی پوشیدہ رہا، کھانے اور کپڑے کا فرق اس قدر باریک تھا کہ حدیث نے اُسے خود بیان فرمایا، اگر یہ مجتہدین کی سمجھ میں آسکتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خود بیان فرمانے کی بجائے اسے مجتہدین کی فہم و فراست پر چھوڑ دیتے جس طرح اور بہت سے مسائل چھوڑے گئے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے صرف ماں بیٹی اور دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں لینے سے منع فرمایا ہے اور اس کے بعد فرمادیا ہے کہ :-

وَاُحِلَّ لَکُم مَا وَرَاءَ ذٰلِکُم ان کے سوا سب عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں

اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھوپی، بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بھی نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ وہ علت جس کی بنا پر ماں بیٹی اور دو بہنوں کو جمع کرنا حرام تھا، یہاں بھی پائی جارہی ہے، چنانچہ اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں :-

فانکم اذا فعلتم ذلک قطعتم اُرحامکم۔ اس لئے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو قطعِ رحم کے مرتکب ہوگے،

اسی چیز کا نام قیاس ہے، اور یہ علت اس قیاس کی وجہ بتلا رہی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو قتل کردینے کے عوض دِیت (خون بہا) کا ذکر فرمایا ہے مگر مختلف اعضاء کے کاٹ دینے سے کیا دیت آئی گی؟ یہ بیان نہیں کیا، اور چونکہ اس دیت کو قیاس سے معلوم کرنا مشکل تھا اس لئے اسے حدیث نے واضح طور پر بیان فرمادیا، گویا یہ قیاس کی مشکل ترین قسم ہے اس کی مثالیں اور بھی آئیں گی۔

قیاس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اُن وجوہ پر نظر ڈالی جائے جو قرآن کے مختلف دلائل کی قدرِ مشترک ہیں، اس لئے کہ بعض اوقات قرآن میں اگرچہ مختلف دلائل ہوتے ہیں مگر ان سب کو ایک عام وجہ شامل ہوتی ہے جو مختلف مصالح کے حکم یا استحباب کے مشابہ ہوتی ہے، اب حدیث اس ایک وجہ کے مطابق وارد ہوتی ہے تو اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ وجہ قرآن کے اس مجموعۂ دلائل سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ حدیث قرآن کی تشریح و توضیح کرنے کے لئے وارد ہوتی ہے،

اس طریقے سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ قرآن کے ساتھ مناسبت کے لحاظ سے حدیث کو کیا مقام حاصل ہے،

صحابہ رضؓ کا علم حدیث ۔ صحابہ کرام رضؓ حدیث اجتماعی طور پر بھی حاصل کرتے تھے اور

Marfat.com

انفرادی طور پر بھی،

چنانچہ بعض اوقات ایک جم غفیر علم حاصل کرتا تھا چنانچہ زیادہ تر وہ عملی احادیث جن میں نماز زکوٰۃ اور حج کے طریقے بیان ہوئے ہیں، اسی ضمن میں آتی ہیں، اور بعض اوقات ایک ایک دو دو صحابی حدیث حاصل کرتے تھے، پھر ان میں سے اکثر تو ایسے تھے جو احادیث سن کر یاد کر لیتے تھے مگر اُمّی ہونے کی بنا پر لکھتے نہ تھے، اور بعض وہ حضرات بھی تھے جو لکھ لیتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ، چنانچہ مسند احمدؒ میں ان کی ایک روایت موجود ہے جس میں انھوں نے فرمایا کہ میں حضورؐ سے جو کچھ سُنتا تھا لکھ لیتا تھا تاکہ اُسے یاد کر سکوں، اس پر مجھے قریش نے منع اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر سُنی ہوئی بات لکھ لیتے ہو حالانکہ آپؐ بشر ہیں اور رضا اور غصّہ کے حالات آپؐ پر بھی گذرتے رہتے ہیں، چنانچہ میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور اس کا ذکر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپؐ نے فرمایا :۔

اُکتب فوالّذی نفسی بیدہٖ ما خرج منّی الّا الحقّ۔

لکھو اس لئے کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میرے منہ سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلی۔

غرض اس دور میں فقہ کی بنیاد ایک تو قرآن کریم تھا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں تک پہنچایا اور انھوں نے اسے یاد کیا اور لکھا، اس میں احکام کی آیات دو سو سے زیادہ نہیں ہوں گی جن میں سے اکثر آپ کے سامنے آجائیں گی، دوسری بنیاد قرآن کریم کی وہ شرح ہے جو آنحضرت صلعم نے فرمائی اسی کا نام سنّت ہے، صحابہؓ اُسے زیادہ تر زبانی حاصل کرتے تھے، اس زمانے میں اس کی کتابت قرآن کی طرح عام نہ ہوتی تھی، اب ہم آپ کے سامنے قرآن کریم کے کچھ احکام سنّت کی تشریح کیساتھ بیان کریں گے،

نماز

نماز کو عربی میں "صلوٰۃ" کہتے ہیں، اور یہ لفظ ظہور اسلام کے بعد وضع نہیں کیا گیا بلکہ اہل عرب اسلام سے قبل اسے دعا اور استغفار کے معنی میں استعمال کرتے تھے، اعشیٰ شراب کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے :۔

وصهباء طاف یهودیها ۔۔۔ وأبرزها وعلیها ختم
وقابلها الریح فی دنّها ۔۔۔ وصلّی علی دنّها وارتسم

یہاں "صلوٰۃ" سے مراد دعا ہے، اسی کا ایک اور شعر ہے :۔

Marfat.com

علیک مثل الذی صلیت فاغتمضی
نوماً فان لجنب المرء مضطجعا

یہاں بھی "صلوٰۃ" سے دعا مراد ہے۔

پھر اس لفظ کے اشتقاق میں دو احتمال ہیں، ایک تو یہ کہ "صلوٰۃ" بمعنی لزوم سے مشتق ہو، اہل عرب صلی اور اصطلی لازم ہونے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، اسی سے کہتے ہیں یصلی فی النار یعنی وہ آگ میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاتا ہے، اس احتمال کو علامہ ازہری ؒ نے پسند کیا ہے کیونکہ "صلوٰۃ" میں اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم الشان فرض کا التزام کیا جاتا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ "صلوین" سے مشتق ہے یہ "صلوین" عربی میں ان دو رگوں کو کہا جاتا ہے جو اونٹنی کی دم کے قریب ہوتی ہیں، نیز ان رگوں کو بھی کہتے ہیں جو انسان کے رانوں کے جوڑ پر ہیں، تو گویا یہ دونوں رگیں حقیقت میں دم کی ہڈی کے گرد ہوتی ہیں۔

یہاں ایک احتمال تیسرا بھی ہے اور وہ یہ کہ اس کلمہ کی اصل عبرانی زبان کے لفظ "صلوتا" کی معرب شکل ہو، "صلوتا" عبرانی میں نماز پڑھنے کی جگہ کو کہتے ہیں، قرآن کریم میں بھی "صلوٰۃ" اس معنی میں استعمال ہوا ہے:۔

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات یذکر فیھا اسم اللہ کثیراً (حج)	اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے (کے ہاتھ سے) زور نہ گھٹواتا رہتا تو (اپنے اپنے زمانوں میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے

عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے۔

ایک قرارت میں "وصلوٰت" بھی ہے، اس صورت میں یہ صلٰت کی جمع ہو گی، تو شاید اہل عرب نے اسی وجہ سے اسے دعا اور استغفار کے معنی میں استعمال کر لیا ہو جیسے عام طور پر مجازاً ظرف کو مظروف اور حال کو محل کا نام دیدیا جاتا ہے۔

یہ کلمہ قرآن میں بھی اپنے اصلی معنی (دعا و استغفار) کے معنی میں استعمال ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم (توبہ)	اور ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان (قلب) ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (احزاب)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

دورِ جاہلیت کی نماز

اسلام سے قبل اہل عرب کی نماز معروف نہیں مگر وہ حج کا تلبیہ پڑھتے وقت کچھ دعا کیا کرتے تھے، اور ان کے ایک اور عجیب طرز کی خبر خود قرآن نے دی ہے:۔

وَمَا کَانَ صَلَاتُھُمْ عِنْدَ الْبَیْتِ اِلَّا مُکَاءً وَّتَصْدِیَۃً (انفال)

اور ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا۔

حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ قریش ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے اور ساتھ ساتھ سیٹی اور تالیاں بھی بجاتے رہتے تھے۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم طواف فرماتے تو کفار عرب آپؐ کے سامنے آکر آپؐ کا استہزار کرتے، سیٹیاں بجاتے اور آپؐ کے طواف میں گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کرتے، اور حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ جب آپؐ نماز پڑھتے تھے تو کفار آپؐ کے دائیں بائیں کھڑے ہو جاتے تھے اور سیٹیاں اور تالیاں بجا بجا کر آپ کی نماز میں گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کرتے تو حضرت ابن عباس رضؓ کے قول کی بناء پر تو یہ سیٹی اور تالی بجانا ان کے نزدیک ایک عبادت تھی اور حضرت مجاہدؒ مقاتلؒ کے قول کے مطابق محض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کرنا مقصود تھا، قرآن کریم کے الفاظ سے پہلی بات زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے' (تفسیر رازی)

اور دوسرے بعض مفسّرین نے روایت کی ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کی تادیب کے لئے نازل ہوئی ہے کہ وہ مشرکین عرب کے رویّہ پر عمل نہ کریں بلکہ:۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف)

اے اولاد آدم کی تم مسجد کی حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔

وہ مشرکین عرب بیت اللہ کا برہنہ ہو کر طواف کیا کرتے تھے ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم اُن کپڑوں میں طواف نہیں کریں گے جس میں گناہ کیا ہے، یہ بات بھی حضرت ابن عباس رضؓ کے قول کی تائید کرتی ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ شروع میں نماز دن میں صرف دو مرتبہ فرض کی گئی تھی، ایک صبح اور ایک شام کو:۔

Marfat.com

وسبّح بحمد ربّک بالعشیّ والابکار (غافر) — اور شام و صبح اپنے رب کی تسبیح کرتے رہیئے

اور رات کی عبادت صرف ترتیل قرآن تک محدود تھی جس کا حکم سورۂ مزمل کے شروع میں دیا گیا ہے اور ہجرت سے کچھ پہلے پانچ نمازیں فرض کی گئیں،

قرآن کریم نے جس قدر اہتمام نماز کی فرضیت بیان کرنے کا کیا ہے اتنا کسی اور فریضہ کا نہیں اسی لئے اُس کی فرضیت مختلف انداز سے بیان فرمائی ہے، کبھی صریح حکم سے، کبھی نمازیوں کی تعریف کے ذریعہ اور کبھی نماز نہ پڑھنے والوں کی مذمت کرکے، اسی وجہ سے فرضیت نماز کی آیات کو دیکھکر بآسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نماز ہی دین کا ستون ہے، اور اسلام کا کوئی نفع اُس شخص کو نہیں پہنچ سکتا جو اسے چھوڑتا ہو یا اس سے غفلت برتتا ہو یا اس میں دکھلاوے سے کام لیتا ہو،

نماز کے اوقات

قرآن کریم نے نمازوں کی تعداد صراحۃً نہیں بتلائی اور نہ رکعتوں کی تعداد کا ذکر کیا، البتہ اس کے اوقات اجمالی طور پر ذکر فرماتے ہیں :-

(۱) فسُبحان اللہ حین تمسون و حین تصبحون ولہ الحمد فی السمٰوات والارض و عشیّاً وحین تظہرون - (روم)

سو تم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت اور تمام آسمان و زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے اور بعد زوال اور ظہر کے وقت -

(۲) اَقِمِ الصّلوٰۃ لدلوک الشّمس الیٰ غسق اللّیل وقراٰن الفجر انّ قراٰن الفجر کان مشہوداً - (اسرائ)

آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے ہونے تک نمازیں ادا کیا کیجئے اور صبح کی نماز بھی بے شک صبح کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے -

(۳) واَقم الصّلوٰۃ طرفی النّہار وزُلفاً من اللّیل - (ھود)

اور (اے محمد صلعم) آپ نماز کی پابندی رکھئے دن کے دونوں سروں پر (یعنی اول و آخر میں) اور رات کے کچھ حصّوں میں -

(۴) حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ -

محافظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کی (خصوصاً)

پھر اس کی کیفیت بیان فرمائی :-

Marfat.com

وقوموا للّٰہ قانتین (بقرہ) — اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے

(۵) یاایھا الذین امنوا ارکعوا واسجدوا (حج) — اے ایمان والو تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو۔

پھر سنّت نے اس کی کیفیت عملی طور پر واضح فرمادی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچوں نمازیں پڑھاتے تھے اور صحابہؓ آپ کے پیچھے اجتماعی طور سے نماز پڑھتے تھے ساتھ ہی آپ نے ان سے فرمایا :-

صلّوا کما رأیتمونی اُصلّی۔ — اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے

قرآن کریم نے نماز جمعہ کو خاص اہتمام سے ذکر فرمایا ہے :-

یاایّھا الّذین امنوا اذا نُودی للصّلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ وذرُوا البیع۔ (جمعہ) — اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز وخطبہ) کی طرف فوراً چل پڑا کرو اور خرید وفروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو۔

پھر سنّت نے نماز جمعہ اور خطبہ کی عملی کیفیت واضح فرمائی۔

اور قرآن کریم نے "صلوٰۃ الخوف" کا حکم بھی بیان فرمایا ہے یعنی جب میدان جنگ میں دشمن سامنے موجود ہو (اور تمام مسلمان ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہوں) تو اس وقت نماز کی کیا صورت ہو؟

واذا ضربتم فی الأرض فلیس علیکم جُناحٌ أن تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم أن یفتنکم الّذین کفروا انّ الکافرین کانوا لکم عدوًّا مُبیناہ واذا کنت فیھم فأقمت لھم الصّلوٰۃ فلتقم طائفۃٌ منھم معک ولیأخذوا أسلحتھم فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم ولتأت طائفۃٌ أخریٰ لم یصلّوا فلیصلّوا معک ولیأخذوا احذرھم — اور جب تم زمین میں سفر کرو سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا کہ تم نماز کو کم کردو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے بلاشبہ کافر لوگ تمہارے صریح دشمن ہیں۔ اور جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو یوں چاہیئے کہ ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور وہ لوگ ہتھیار لے لیں پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جاویں اور دوسرا گروہ جنھوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی آجائے

Marfat.com

واسلحتهم۔ اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور یہ لوگ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں۔

(نساء)

پھر فرمایا:۔

فاذا اطمأننتم فأقيموا الصلوٰة ان الصلوٰة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً۔

پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قاعدہ کے موافق پڑھنے لگو یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے۔

قرآن کریم نے نماز کے لئے طہارت اور پانی کو شرط قرار دیا ہے:۔

يا أيها الذين آمنوا اذا قمتم الى الصلوٰة فاغسلوا وجوهكم و أيديكم الى المرافق و امسحوا برؤسكم و أرجلكم الى الكعبين وان كنتم جنباً فاطهروا وان كنتم مرضى أو على سفر أو جاء أحد منكم من الغائط أو لامستم النساء فلم تجدوا ماءً فتيمموا صعيداً طيباً فامسحوا بوجوهكم و أيديكم منه

(مائدہ)

اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو یعنے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو اس زمین پر سے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

يا أيها الذين آمنوا لا تقربوا الصلوٰة و أنتم سكارى ولا جنباً الا عابري سبيل حتى تغتسلوا وان كنتم مرضى أو على سفر أو جاء أحد منكم من الغائط او لامستم النساء فلم يجدوا ماءً فتيمموا صعيداً طيباً فامسحوا بوجوهكم و أيديكم (نساء)

اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو اور حالت جنابت میں بھی باستثناء تمہارے مسافر ہونے کی حالت کے یہاں تک کہ غسل کر لو اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو

Marfat.com

پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو (یعنے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا :۔

وثیابک فطھر (مدثر) اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔

اور حدیث نے ان تمام طہارات کو قولی اور عملی طور پر واضح فرمایا۔

قرآن کریم نے نماز کے لئے تزین (لباس پہننے) کو ضروری قرار دیا ہے :۔

یابنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد (اعراف) اے اولاد آدم کی تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔

پھر حدیث نے یہ بتلایا کہ اس زینت کی واجب مقدار کیا ہے۔

قرآن کریم نے ہر نمازی کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے مسجد حرام کا رُخ کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں بیت المقدس کا رُخ فرمایا کرتے تھے پھر قرآن نے اس مسجد حرام کا رُخ کرنے کا حکم دیا جو حضرت ابراہیمؑ و اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر فرمائی تھی اور وہی دنیا کی پہلی مسجد ہے :۔

فول وجھک شطر المسجد الحرام وحیثما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ پھر اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کیا کیجئے اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی موجود ہو اپنے چہروں کو اسی (مسجد حرام) کی طرف کیا کرو۔

پھر حدیث نے چند ایسی نمازیں بھی بتلائیں جو واجب نہیں، نفل یا سنت ہیں، ان میں سے بعض تو فرض نمازوں کے آگے پیچھے پڑھی جاتی ہیں اور بعض ایسی ہیں جو کسی فرض نماز کے ساتھ متصل نہیں مثلاً نماز عید۔

روزہ

"صوم" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی کسی چیز سے رک جانے یا اُسے چھوڑ دینے کے آتے ہیں، اسی وجہ سے روزہ کو صوم کہتے ہیں کیونکہ اُس میں انسان تین قسم کی خواہشات نفسانی کو چھوڑ دیتا ہے،

روزہ اسلام سے پہلے بھی عرب میں معروف تھا، امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ سے ایک روایت نقل فرمائی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھا کرتے

Marfat.com

تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے فرض قرار دیا، یہانتک کہ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورا کے روزے کے بارہ میں اختیار دیدیا کہ جو چاہے رکھے اور جو چاہے نہ رکھے،

محمد بن اسحٰق ؒ نے آغاز وحی کا قصہ بیان کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال میں ایک مہینہ غار حرا میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے زمانۂ جاہلیت میں قریش کی عبادت گزاری کا طریقہ یہی تھا، چنانچہ آپ ؐ ہر سال ایک مہینے کے لئے وہاں اعتکاف فرماتے تھے، اور ہر آنے والے مسکین کو کھانا کھلایا کرتے تھے الخ اور یہی مہینہ رمضان کا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں روزہ کی عبادت کیا کرتے تھے،

اللہ تعالیٰ نے فرض روزوں کے لئے اسی مہینے کو پسند فرمایا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرماتے تھے، اور اسی مہینے میں اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو رسالت کا شرف بھی عنایت کیا، سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

یا ایها الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون اَیامًا معدودات فمن کان منکم مریضًا اَو علیٰ سفرٍ فعدۃٌ من اَیامٍ اُخر وعلی الذین یطیقونهٗ فدیةٌ طعام مسکین فمن تطوّع خیرًا فهو خیرٌ لهٗ وان تصوموا خیرٌ لکم ان کنتم تعلمون ۰ شهر رمضان الّذی اُنزل فیه القراٰن هدًی للنّاس وبیّنٰتٍ من الهدیٰ والفرقان فمن شهد منکم الشّهر فلیصمهُ ومن کان مریضًا اَو علیٰ سفرٍ فعدّۃٌ من ایّامٍ اُخر یرید الله بکم الیسر ولا

اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے (امتوں کے) لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس موقع پر کہ تم (روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو پھر (اس میں بھی اتنی آسانی) جو شخص تم میں (ایسا) بیمار ہو (جس میں روزہ رکھنا مشکل یا مضر ہو) یا (شرعی) سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار (کرکے ان میں روزہ) رکھنا اس پر واجب ہے اور دوسری آسانی جو بعد میں منسوخ ہوگئی یہ ہے کہ جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا (کھلا دینا یا دیدینا ہے) اور جو شخص خوشی سے (زیادہ) خیر کرے (کہ زیادہ فدیہ دے) تو اس شخص کے لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے اور تمہارا

Marfat.com

یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علیٰ ما ھدٰکم ولعلکم تشکرون۔ (بقرہ)

روزہ رکھنا (اس حال میں) زیادہ بہتر ہے اگر تم روزے کی فضیلت کی) خبر رکھتے ہو (وہ تھوڑے دن) ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے جس کا (ایک) وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے (ذریعہ) ہدایت ہے اور (دوسرا وصف) واضح الدلالۃ منجملہ ان کتب کے جو کہ (ذریعہ) ہدایت (بھی ہیں) اور (حق و باطل میں) فیصلہ (کرنے والی بھی) ہیں سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہیئے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا (اتنا ہی) شمار (کر کے ان میں روزہ) رکھنا (اس پر واجب ہے) اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ (احکام و قوانین مقرر کرتے ہیں) منظور نہیں اور تاکہ تم لوگ (ایام ادریا قضا کی) شمار کی تکمیل کر لیا کرو (تاکہ ثواب میں کمی نہ رہے) لہذا تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی (و ثنا) بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو (ایک ایسا طریقہ بتلا دیا جس سے تم برکات وثمرات صیام رمضان سے محروم نہ رہو گے) اور عذر سے کامل رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت اس لئے دیدی تاکہ تم لوگ (اس نعمت آسانی پر اللہ کا) شکر ادا کیا کرو۔

غالباً سنت نے انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ رمضان کی راتوں میں بھی اپنی عورتوں سے جماع نہ کریں پھر قرآن کریم نے اُن سے اس سختی کو بھی ختم فرما دیا اور ارشاد ہوا :۔

اُحِلَّ لکم لیلۃَ الصیام الرفثُ الی نسائکم ھنَّ لباسٌ لکم وأنتم لباسٌ لھنَّ، علم اللہ أنکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم فالآن باشروھنَّ وابتغوا ما کتب اللہ لکم وکلوا واشربوا حتیٰ یتبیّن لکم الخیط الأبیض من الخیط الأسود من الفجر ثمّ أتمّوا الصیام الی اللیل ولا تباشروھنَّ وأنتم عاکفون۔

تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا کیونکہ وہ تمہارے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہیں اور تم ان کے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہو خدا تعالیٰ کو اس کی خبر تھی کہ تم خیانت (کر) کے گناہ میں اپنے کو مبتلا کر رہے تھے (مگر) خیر اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے گناہ کو دھو دیا سو اب ان سے ملو ملاؤ اور جو (قانون اجازت) تمہارے لئے تجویز کر دیا ہے (بلا تکلف) اس کا سامان کرو اور کھاؤ اور پیو (بھی) اس وقت تک کہ تم کو سفید خط (یعنی نور) صبح (صادق) متمیز ہو جائے سیاہ خط سے پھر (صبح صادق سے) رات تک روزہ کو پورا کیا کرو اور ان بیبیوں سے اپنا بدن بھی مت ملنے دو

Marfat.com

جس زمانہ میں کہ تم اعتکاف والے ہو مسجدوں میں

فی المساجد (بقرہ)

رمضان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض ایام کے روزے مسنون قرار دیئے ہیں۔
روزہ کی فرضیت ۲ھ میں ہوئی ہے۔

حج اور عمرہ

ہر صاحبِ مذہب قوم کچھ خاص مقامات مقرر کر لیتی ہے تاکہ وہاں اجتماعی طور پر اللہ کی عبادت کرے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

ولکل امۃٍ جعلنا منسکاً لیذکروا اسم اللہ علیٰ ما رزقھم من بھیمۃ الانعام (حج)

اور (جتنے اہل شرائع گزرے ہیں ان میں سے) ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے۔

اور فرمایا:۔

لکلِّ اُمّۃٍ جعلنا منسکاً ھُم ناسکوہُ (حج)

(جتنی امتیں اہل شرائع گزری ہیں ہم نے (ان میں) ہر امت کے واسطے ذبح کرنے کا طریق مقرر کیا ہے کہ وہ اسی طریقہ پر ذبح کیا کرتے تھے۔

اسی طرح اہل عرب کی بھی ایک عبادت گاہ تھی جس کا نام "البیت الحرام" تھا، اس کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہما السلام نے کی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

واذ یرفع ابراھیمُ القواعدَ من البیت واسماعیلُ ربّنا تقبّل منّا انّک اَنت السّمیع العلیمُ ربّنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذرّیتنا اُمّۃً مسلمۃً لک وَ ارنا مناسکنا وتُب علینا انّک اَنت التّوّاب الرّحیم (بقرہ)

اور جبکہ اٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) دیواریں خانۂ کعبہ کی اور اسمٰعیلؑ بھی (اور یہ کہتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار (یہ خدمت) ہم سے قبول فرمائیے بلاشبہ آپ خوب سننے والے ہیں جاننے والے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجئے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت (پیدا) کیجئے جو آپ کی مطیع ہو اور نیز ہم کو ہمارے حج (وغیرہ) کے احکام بھی بتلا دیجئے اور ہمارے حال پر توجہ رکھئے (اور) فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے مہربانی کرنے والے۔

Marfat.com

ایک اور جگہ ارشاد ہے :۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰھِیۡمَ وَمَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا (آل عمران)

یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا وہ مکان ہے جو کہ مکہ میں ہے جس کی حالت یہ ہے کہ وہ برکت والا ہے اور جہان بھر کی ہدایت کا ذریعہ ہے اس میں کھلی نشانیاں ہیں منجملہ ان کے ایک مقام ابراہیم ہے اور جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا :۔

وَاِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰھِیۡمَ مَکَانَ الۡبَیۡتِ اَنۡ لَّا تُشۡرِكۡ بِیۡ شَیۡئًا وَّطَھِّرۡ بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَالۡعٰکِفِیۡنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡكَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ لِّیَشۡھَدُوۡا مَنَافِعَ لَھُمۡ وَیَذۡکُرُوا اسۡمَ اللّٰہِ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡلُوۡمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَھُمۡ مِّنۡۢ بَھِیۡمَۃِ الۡاَنۡعَامِ فَکُلُوۡا مِنۡھَا وَاَطۡعِمُوا الۡبَآئِسَ الۡفَقِیۡرَ ثُمَّ لۡیَقۡضُوۡا تَفَثَھُمۡ وَلۡیُوۡفُوۡا نُذُوۡرَھُمۡ وَلۡیَطَّوَّفُوۡا بِالۡبَیۡتِ الۡعَتِیۡقِ (حج)

اور جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کو خانۂ کعبہ کی جگہ بتلا دی اور حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا یہ ان کے ماسبق والوں کو سنانا ہے اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں کے اور (نماز میں) قیام و رکوع و سجدہ کرنے والوں کے واسطے پاک رکھنا اور (ابراہیمؑ سے یہ بھی کہا گیا کہ) لوگوں میں حج کے فرض ہونے کا اعلان کر دو لوگ تمہارے پاس (حج کو) چلے آویں گے پیادہ بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور و دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی تاکہ اپنے (دینیہ و دینویہ) فوائد کے لئے آموجود ہوں اور (اسلئے آویں گے) تاکہ ایام مقررہ (یعنی ایام قربانی) میں ان مخصوص چوپایوں پر (ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں (یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہیں) جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کئے ہیں سو ان (قربانی کے) جانوروں میں سے (تم کو) بھی (اجازت مع الاستحباب ہے کہ) کھایا کرو (اور مستحب یہ ہے کہ) مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلایا کرو پھر لوگوں کو چاہیئے کہ اپنا میل کچیل دور کر دیں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور (انہی ایام معلومات میں) اس مامون گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا طواف کریں۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السّلام کے زمانے سے لے کر اہل عرب اسی طرح کرتے چلے آئے' البتہ انھوں نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السّلام کے طریقۂ حج کو بہت کچھ تبدیل کر دیا تھا' اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرا کر ان کی پرستش شروع کر دی تھی اور بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت رکھ کے

Marfat.com

آس پاس صفا مروہ پر بیشمار بت رکھ چھوڑے تھے اور یہ کہتے تھے کہ یہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہیں انھوں نے شعائرِ حج کو بدل ڈالا تھا اور چوپایوں کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے بجائے بتوں کا نام لیا کرتے تھے پھر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریعت ابراہیمی کی تجدید کرنے کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام کے لئے بھی بیت اللہ کو عبادت گاہ قرار دیدیا اور یہاں آکر حج وعمرہ کرنے کا حکم دیا:۔

وللّٰہ علی النّاس حجّ البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فانّ اللہ غنیّ عن العالمین۔ (آلِ عمران)

اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے یعنے اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک سبیل کی اور جو شخص منکر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام جہاں والوں سے غنی ہیں۔

نیز فرمایا:۔

وأتمّوا الحجّ والعمرۃ للّٰہ (بقرہ)

حج وعمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو۔

اس کے علاوہ توحید کا حکم دیا اور اُن افعال سے منع فرمایا جو اہلِ جاہلیت کیا کرتے تھے،

فاجتنبوا الرّجس من الأوثان واجتنبوا قول الزّور حُنَفاء للّٰہ غیر مشرکین بہ ومن یشرک باللہ فکأنّما خرّ من السّما ءِ فتخطفہ الطیر أو تھوی بہ الرّیح فی مکانٍ سحیق (حج)

تو تم لوگ گندگی سے یعنے بتوں سے (بالکل) کنارہ کش رہو اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو اس طور سے کہ اللہ ہی کی طرف جھکے رہو (اور) اس کے ساتھ شریک مت ٹھہراؤ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا اس کو ہوا نے کسی دور دراز جگہ میں لے جا پٹکا۔

حج کا وقت اور اس کے آداب اس طرح بیان فرمائے:۔

الحجّ أشھُرٌ معلوماتٌ فمن فرض فیھنّ الحجّ فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحجّ (بقرہ)

(زمانہ) حج چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں (شوال ذی قعدہ ذی الحجہ کی دس تاریخیں) سو جو شخص ان میں حج مقرر کرے تو پھر (اسکو) نہ کوئی فحش بات (جائز) ہے اور نہ کوئی بے حکمی درست ہے اور نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے۔

پھر حج کی عبادت کے طریقے اور مقاماتِ مقدسہ بیان فرمائے:۔

Marfat.com

(و) انّ الصّفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حجّ البیت أو اعتمر فلا جناح علیہ ان یطّوّف بھما ومن تطوّع خیرًا فانّ اللہ شاکرٌ علیم (بقرہ)

تحقیقاً صفا اور مروہ منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں سو جو شخص حج کرے بیت (اللہ) کا یا (اس کا) عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں ان دونوں کے درمیان آمد و رفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہے) اور جو شخص خوشی سے کوئی امر خیر کرے حق تعالیٰ (اس کی بڑی) قدردانی کرتے ہیں۔

(ب) فاذا أفضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام واذکروہ کما ھدٰکم وان کنتم من قبلہ لمن الضّالّین ثمّ أفیضوا من حیث أفاض النّاس واستغفروا اللہ انّ اللہ غفورٌ رحیم فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ کذکرکم اٰباءکم او أشدّ ذکرًا (بقرہ)

پھر جب تم لوگ عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس (مزدلفہ میں شب کو قیام کرکے) خدا تعالیٰ کی یاد کرو اور اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے (نہ یہ کہ اپنی رائے کو دخل دو) اور حقیقت میں قبل اس کے تم محض ہی ناواقف تھے پھر تم سب کو ضرور ہے کہ تم سب اسی جگہ ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر وہاں سے واپس آتے ہیں اور حج میں پرانی رسموں پر عمل کرنے سے) خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کریں گے اور مہربانی فرمائیں گے پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکا کرو تو حق تعالیٰ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آبا (واجداد) کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ یہ ذکر اس سے (بدرجہا) بڑھ کر ہے۔

(ج) واذکروا اللہ فی أیّام معدودات فمن تعجّل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تأخّر فلا اثم علیہ لمن اتّقیٰ۔ (بقرہ)

اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کئی روز تک پھر جو شخص دو دن میں (مکہ واپس آنے میں) تعجیل کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص دو دن میں تاخیر کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اس شخص کے واسطے جو (خدا سے) ڈرے

(د) ذالک ومن یعظّم شعائر اللہ فانّھا من تقوی القلوب لکم فیھا منافع الیٰ أجلٍ مسمًّی ثمّ محلّھا الی البیت العتیق۔ (حج)

یہ بات بھی ہو چکی اور (قربانی کے جانور کے متعلق اور سن لو کہ) جو شخص دین خداوندی کے ان (مذکورہ) یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا خدا تعالیٰ سے دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے تم کو ان سے ایک معین وقت تک فوائد حاصل کرنا جائز ہے پھر (یعنی بعد ہدی بننے کے) اسے

Marfat.com

ذبح ہونے کا موقع بیت عتیق کے قریب ہے

(۴) وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (حج)

اور قربانی کے اونٹ اور گائے اور اسی طرح بھیڑ اور بکری کو بھی ہم نے اللہ کے دین کی یادگار بنایا ہے ان جانوروں میں تمہارے (اور بھی) فایدے ہیں سو تم ان پر کھڑے کر کے ذبح کرنے کے دن اللہ کا نام لیا کرو پس جب وہ (کسی) کروٹ کے بل گر پڑیں (اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو تم خود بھی کھاؤ اور بے سوالی اور سوالی (محتاج) کو بھی کھانے کو دو۔

(د) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا۔ (مائدہ)

اے ایمان والو بے حرمتی نہ کرو خدا تعالیٰ کے نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینہ کی اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو کہ بیت الحرام کے قصد سے جا رہے ہوں اپنے رب کے فضل اور رضا مندی کے طالب ہوں۔

(ز) جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ (مائدہ)

اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے قایم رہنے کا سبب قرار دیدیا اور عزت والے مہینہ کو بھی اور حرم میں قربانی ہونے والے جانور کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جنکے گلے میں پٹے ہوں۔

احصار[1] اور تمتع[2] کے احکام اس طرح بیان فرمائے۔

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ

پھر اگر (کسی دشمن یا مرض کے سبب) روک دئے جاؤ تو قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو ذبح کرے اور اپنے سروں کو اس وقت تک مت منڈاؤ جب تک کہ قربانی اپنے موقع پر نہ پہنچ جائے

---

[1] احصار کا مطلب یہ ہے کہ احرام باندھنے کے بعد کسی کو کوئی ایسا عذر پیش آجائے جس سے وہ طواف سعی اور وقوف عرفات پر قادر نہ رہے مترجم [2] تمتع کا مطلب یہ ہے کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھا جائے اور مکہ میں عمرہ ادا کر کے حج کے لئے دوسرا احرام باندھیں ۱۲

Marfat.com

أوصدقة أونسك فاذا امنتم فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام فى الحج وسبعة اذا رجعتم تلك عشرة كاملة ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام

(بقرہ)

(اور وہ موقع حرم ہے کہ کسی کے ہاتھ وہاں جانور بھیج دیا جائے) البتہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (جس سے پہلے ہی سر منڈوانے کی ضرورت پڑ جائے) تو (وہ سر منڈوا کر فدیہ (یعنی اس کا شرعی) بدلہ (تین) روزے سے یا (چھ مسکین کو) خیرات دیدے یا (ایک بکری) ذبح کر دینے سے پھر جب اس کی حالت میں ہو (یا تو پہلے ہی سے کوئی خوف پیش نہ آیا ہو یا ہو کر جاتا رہا ہو) تو جو شخص عمرہ سے اس کو حج کے ساتھ ملا کر شفع ہوا ہو (یعنی ایام حج میں عمرہ بھی کیا ہو) تو جو کچھ قربانی میسر ہو (ذبح) کرے (اور جس نے صرف عمرہ یا صرف حج کیا ہو اس پر حج وغیرہ کے متعلق کوئی قربانی نہیں) پھر جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ تین دن کے روزے ہیں ایام حج میں اور سات ہیں جبکہ حج سے تمہارا لوٹنے کا وقت آجائے یہ پورے دس ہوئے یہ اس شخص کے لئے ہے جس کے اہل (وعیال) مسجد حرام (یعنی کعبہ) کے قریب میں نہ رہتے ہوں (یعنی قریب ہی کا وطن دار نہ ہو)

اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو "حرم" قرار دیا ہے:-

(ا) أولم يروا أنا جعلنا حرما امنا ويتخطف الناس من حولهم۔

(عنکبوت)

کیا ان لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے امن والا حرم بنایا ہے اور ان کے گردو پیش میں لوگوں کو نکالا جا رہا ہے۔

(ب) اولم نمكن لهم حرما امنا يجبى اليه ثمرات كل شيئ رزقا من لدنا

(قصص)

کیا ہم نے ان کو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے (یعنی ہماری قدرت اور رزاقی سے) کھانے کو ملتے ہیں

اور جس شخص نے احرام باندھ لیا ہو اس کے لئے شکار کرنا ناجائز قرار دیا ہے، اگر کوئی ایسا کرلے تو اس کے لئے ایک سزا تجویز فرمائی ہے:-

يا أيها الذين امنوا لا تقتلوا الصيد وأنتم حرم ومن قتله منكم

اے ایمان والو وحشی شکار کو قتل مت کرو جبکہ تم حالت احرام میں ہو اور جو شخص تم میں اس کو

Marfat.com

متعمّدا فجزاءٌ مثل ما قتل من النَّعَم یحکم به ذوا عدل منکم هدیًا بالغ الکعبة اوکفارةٌ طعام مساکین او عدلُ ذٰلک صیاما (مائدہ)

جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر پاداش واجب ہوگی جو کہ مساوی ہوگی اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کردیں خواہ وہ پاداش خاص چوپایوں میں سے ہو بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے اور خواہ کفارہ مساکین کو دیدیا جائے اور خواہ اس کے برابر روزے رکھ لئے جاویں۔

حج ۶ھ میں فرض ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی سال عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تھے مگر کفارِ مکہ نے آپ کو مکہ کے اندر داخل ہونے سے روک تھا، پھر آپ نے اس عمرہ کی قضا ۷ھ میں فرمائی، پھر ۹ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کے ساتھ حج کیا، اور ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے ساتھ بہ نفس نفیس حج کے لئے تشریف لے گئے یہی "حجۃ الوداع" تھا، اسی میں آپ نے لوگوں کو حج کرنے کا طریقہ سکھلایا اور فرمایا کہ "مجھ سے اپنے ارکانِ حج سیکھ لو"

حج کے فوائد

حج کے مذکورہ بالا انتظام میں مسلمانوں کے بہت سے فوائد تھے،

(۱) ایک تو خود اہلِ مکہ کو حجاج اور عمرہ کرنے والوں سے فائدہ پہنچتا ہے اس لئے کہ مکہ مکرمہ ایک بے آب وگیاہ وادی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لئے دعاء فرمائی تھی کہ:-

ربّنا انّی اسکنت من ذرّیّتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرّم ربّنا لیقیموا الصّلوٰة فاجعل افئدةً من النّاس تھوی الیھم وارزقھم من الثّمرات لعلّھم یشکرون (ابراہیم)

اے ہمارے رب میں اپنی اولاد کو آپ کے معظم گھر کے قریب ایک (کف دست) میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں آباد کرتا ہوں اے ہمارے رب تاکہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کردیجئے اور ان کو (محض اپنی قدرت سے) پھل کھانے کو دیجئے تاکہ یہ لوگ (ان نعمتوں کا) شکر کریں۔

(۲) دوسرے تمام اہلِ عرب کا فائدہ تھا کہ وہ اس حج کی بدولت بہت سے فوائد حاصل کرسکتے ہیں تجارتی کاروبار اور ضروریاتِ زندگی کا تبادلہ ان کے لئے آسان ہوجاتا ہے اس لئے بہت سے حجاج موسمِ حج میں اپنا مالِ تجارت لے آتے ہیں اور ضرورت مند حضرات ان سے خرید لیتے ہیں پھر ان میں سے ہر ایک شخص بے خوف وخطر ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک حرمت والے مہینے میں اور حرمت والے

Marfat.com

شہر میں ہوتے ہیں۔

(۳) تیسرا فائدہ تمام مسلمانوں کا ہے کہ وہ وہاں جمع ہو کر آپس میں متعارف ہوتے ہیں اُن کی عبادت اور ان کا قبلہ ایک ہوتا ہے' اسی بنا پر مکہ مکرمہ تمام مسلمانوں کا اجتماعی مرکز ہے اور مسلمان دور دراز کے ممالک سے یہاں پہنچتے ہیں' اس طرح ہر انسان ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق دین و دنیا کی معلومات حاصل کر سکتا ہے' یہ کہدینا بعید از قیاس نہیں کہ حج کا دن تمام مسلمانوں کی عید کا دن اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ وہ سب کو اسلامی وحدت کی یاد دلاتا ہے اور جس طرح عید الفطر نزولِ قرآن کا آغاز یاد دلاتی ہے اسی طرح یوم حج نزولِ قرآن کے اختتام کی یاد تازہ کرتا ہے کیونکہ قرآن کریم رمضان میں نازل ہونا شروع ہوا اور یہ مبارک سلسلہ حج اکبر کے دن منقطع ہوا۔

زکوٰۃ

"زکوٰۃ" کے لغوی معنی طہارت اور پاکیزگی' بڑھوتری' برکت اور تعریف کے آتے ہیں' ان میں سے ہر ایک معنی قرآن و حدیث میں مستعمل ہوئے ہیں۔ پھر شریعت نے اس لفظ کو مال کی اس مخصوص اور متعین مقدار کے لئے مستعار لیا ہے جو ایک کشادہ دست انسان ہر سال صدقہ کرتا ہے' اس لئے کہ یہ فعل اس کے مال کو پاک کر دیتا ہے اور اس میں بڑھوتری اور برکت پیدا کرتا ہے' قرآن کریم میں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے وہاں اس سے مراد یہی صدقہ کرنا ہے' قرآن کریم نے زکوٰۃ کو بھی اسی اہمیت سے ذکر فرمایا ہے جس اہمیت سے نماز کو' یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر نماز اور زکوٰۃ دونوں کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے' البتہ بعض جگہوں پر صرف زکوٰۃ کا ذکر ہوتا ہے' بعض اوقات "زکوٰۃ" کے لفظ سے اور بعض اوقات "صدقہ" کے لفظ سے۔

وویلٌ للمشرکین الذین لا یؤتون الزکوٰۃ (فُصِّلَت)	اور ایسے مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔
خُذ من أموالھم صدقةً تطھّرھم وتزکیھم بھا۔ (توبہ)	آپ ان کے مالوں میں سے (جس کو یہ لائے ہیں) لے لیجئے جس کے (لینے کے) ذریعہ سے آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک و صاف کر دیں گے۔
(۳) کلوا من ثمرہٖ إذا أثمر وآتوا حقّہ یوم حصادہٖ (انعام)	ان سب کی پیداوار کھاؤ جب وہ نکل آئے اور اس میں جو حق (شرع سے) واجب ہے وہ

Marfat.com

اس کے کاٹنے (توڑنے) کے دن (مسکینوں کو) دیا کرو۔

(۴) وما اٰتیتم من ربًا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ وما اٰتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولٰئک ھم المضعفون۔ (روم)

اور جو چیز تم اس غرض سے دوگے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچکر زیادہ ہوجائے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ دوگے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہوگے تو ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔

قرآن کریم نے یہ باتیں تفصیل سے بیان نہیں فرمائیں کہ کون سے اور کتنے مال میں کتنی زکوٰۃ واجب ہے؟ یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے معلوم ہوتی ہیں۔ آپؐ نے جن لوگوں کو زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور فرمایا تھا انہیں ایک خط دیا تھا جس میں یہ تفصیلات درج تھیں البتہ قرآن کریم نے زکوٰۃ کے مصارف بیان فرمائے ہیں:-

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم۔ (توبہ)

صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات پر متعین ہیں اور جن کی دلجوئی کرنا (منظور) ہے ان غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرضداروں کے قرضہ میں اور جہاد میں اور مسافروں میں یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔

زکوٰۃ کا نظام اسلام کا ایک جلیل القدر نظام ہے جس کی بدولت وہ بغض اور کینہ دور ہوجاتا ہے جو مالداروں کی طرف سے فقراء کے دل میں پیدا ہوسکتا ہے، اس نظام سے اُن لوگوں کی سرپرستی ہوتی ہے جو خود اپنی حاجتیں دور کرنے پر قادر نہیں ہوتے اور اس طرح ان کی بیشمار مصیبتوں کا ازالہ ہوجاتا ہے، پھر اس نظام کی بدولت لوگوں میں اجتماعی مصلحتوں پر پیسہ خرچ کرنے کا مفید جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس طرح پورے معاشرے کی اصلاح کا دروازہ کھل جاتا ہے، بالخصوص "زکوٰۃ" کا وہ مصرف بڑا نفع بخش ہے جسے قرآن کریم نے "فی سبیل اللہ"[1] کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

اہل عرب میں پہلے سے جو نظام صدقہ تھا وہ یہ تھا کہ وہ اپنی کھیتوں اور جانوروں کی پیداوار میں سے

---

[1] "فی سبیل اللہ" کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسے محتاج شخص کو زکوٰۃ دی جائے جو کسی کار خیر میں لگا ہوا ہو اور اسے اس کا مالک بنادیا جائے ۱۲ محمد تقی عفی عنہ

Marfat.com

ایک حصہ اللہ کے لئے نکالتے تھے اور ایک حصہ بتوں کے لئے، اس کا پورا بیان آگے آئے گا۔

قرآن کریم کے مزید احکام

قرآن کریم نے عبادات سے متعلق جو احکام دیئے ہیں ان میں سے ایک "نظام الایمان" (قسموں کا نظام) بھی ہے، سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے :۔

وَلَا تجعلوا اللہ عُرضَۃً لِّاَیمانکم اَن تبرُّوا وتتّقوا وتصلحوا بین النّاس واللہ سمیعٌ علیمٌ لَا یؤاخذکم اللہ باللغو فی اَیمانکم ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم واللہ غفورٌ حلیم

اور اللہ کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح فیما بین خلق کے کام کرو، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ تم پر (آخرت میں) دار و گیر فرمائیں گے تمہاری قسموں میں (ایسی) بیہودہ قسم پر لیکن دار و گیر فرمادیں گے اس (جھوٹی قسم) پر جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہو اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں حلیم ہیں۔

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے :۔

لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی اَیمانکم ولکن یؤاخذکم بما عقّدتم الاَیمان فکفّارتہٗ اطعام عشرۃ مساکین من اَوسط ما تُطعمون اَھلیکم اَو کسوتھم اَو تحریر رقبۃ فمن لم یجد فصیامُ ثلثۃ اَیّام ذلک کفّارۃ ایمانکم اذا حلفتُم واحفظوا اَیمانکُم کذٰلک یُبیّن اللہ لکم اٰیاتہٖ لعلکم تشکرون

اور اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں فرماتے تمہاری قسموں میں لغو قسم پر لیکن مواخذہ اس پر فرماتے ہیں کہ تم قسموں کو مستحکم کر دو سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانا دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا اور جن کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب کہ تم قسم کھالو اور اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں تاکہ تم شکر کرو۔

اور سورۂ تحریم میں ہے۔

قد فرض اللہ لکم تحلّۃ اَیمانکم

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کھولنا (یعنی قسم توڑنے کے بعد اس کے کفارہ کا طریقہ) مقرر فرما دیا ہے۔

پھر سنت سے یہ معلوم ہوا کہ قسم صرف وہ معتبر ہے جو اللہ کے نام سے کھائی جائے۔

Marfat.com

کون سے کھانے حلال ہیں اور کون سے حرام؟ قرآن کریم نے اسکی تفصیل بیان فرمائی ہے سورۂ اعراف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا :-

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ - اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں۔

اور سورۂ نحل میں فرمایا :-

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ - سو جو چیزیں اللہ نے تم کو حلال اور پاک دی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو تم پر تو صرف مردار کو حرام کیا ہے اور خون کو اور خنزیر کے گوشت (وغیرہ) کو اور جس چیز کو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر جو شخص کہ بالکل بیقرار ہو جائے بشرطیکہ طالب لذت نہ ہو اور نہ حد (ضرورت) سے تجاوز کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ بخش دینے والا مہربانی کرنے والا ہے۔

سورۂ انعام میں ہے :-

قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ - آپ کہدیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو (جانور) شرک کا ذریعہ ہو کر غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر جو شخص بیتاب ہو جاوے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو (قدر ضرورت سے) تو واقعی آپ کا رب غفور رحیم ہے۔

سورہ بقرہ میں فرمایا :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ - اے ایمان والو جو (شرع کی رو سے) پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے (جو چاہو)

Marfat.com

تَعبُدُونَ اِنَّمَا حَرَّمَ علیکم المَیتَۃَ وَ الدَّمَ و لحمَ الخنزیرِ وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لغیرِ اللہ فمنِ اضطرَّ غیرَ باغٍ وَّلا عادٍ فلاَ اثمَ علیہ اِنَّ اللہ غفورٌ رحیم۔

کھاؤ (برتو) اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی (کا تعلق) رکھتے ہو اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام کیا ہے مردار کو اور خون کو (جو بہتا ہو) اور خنزیر کے گوشت کو (اسی طرح اس کے سب اجزاء کو بھی) اور ایسے جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر بھی جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ (قدر حاجت سے) تجاوز کرنے والا ہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا واقعی اللہ تعالیٰ ہیں بڑے غفور رحیم۔

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے :۔

حُرِّمَت علیکم المیتۃ والدَّم ولحم الخنزیر وَمَا اُھِلَّ لغیرِ اللہ بِہٖ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردّیۃ وَالنّطیحۃ وَمَا أکل السَّبُعُ إلّا مَا ذکّیتم وَ مَا ذُبِحَ علی النُّصُب

تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کہ غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مر جاوے اور جو کسی ضرب سے مر جائے اور جو اونچے سے گر کر مر جائے اور جو کسی ٹکر سے مر جاوے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے لیکن جس کو ذبح کر ڈالو اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ تقسیم کرو بذریعہ قرعہ کے تیروں کے

سورۂ مائدہ ہی میں ہے :۔

یسئلونك ماذا اُحِلَّ لھم قُل اُحِلَّ لکم الطَّیِّبٰتُ وَمَا علّمتم من الجوارح مُکَلِّبِیْنَ تعلّمونھن مما علّمکم اللہ فکلوا مِمّا أمسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ واتقوا اللہ اِنَّ اللہ سریع الحساب۔ الیومَ اُحِلَّ لکم الطیّبٰتُ وَطعامُ الّذین اُوتوا الکتاب حِلٌّ لکم وطعامکم حِلٌّ لھم۔

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانور ان کے لئے حلال کئے گئے ہیں آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے کل حلال جانور حلال رکھے ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو چھوڑو بھی اور ان کو اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم دیا ہے تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں اس کو کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو بیشک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں آج تمہارے لئے حلال چیزیں حلال رکھی گئیں اور جو لوگ کتاب دئے گئے ہیں ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے۔

Marfat.com

اسی میں فرمایا :-

اُحِلَّ لکم صیدُ البحر وطعامُہٗ متاعاً لکم وللسیارۃ -	تمہارے لئے دریا کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے تمہارے انتفاع کے واسطے اور مسافروں کے واسطے -

سورہ انعام میں ہے :-

فکلوا مما ذکر اسمُ اللہ علیہ ان کنتم بایاتہ مومنین ٭ وما لکم الا تاکلو مما ذکر اسم اللہ علیہ وقد فصل لکم ما حرم علیکم الا ما اضطررتم الیہ -	سو جس جانور پر اللہ کا نام لیا جائے اس میں سے کھاؤ اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو اور تم کو کون اس امر کا باعث ہو سکتا ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتلادی

ہے جس کو تم پر حرام کیا ہے مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہے -

پھر فرمایا :-

ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسقٌ -	اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ امر بے حکمی ہے -

مشروبات میں سے قرآن نے شراب کو حرام قرار دیا ہے -

اس کے علاوہ قرآن کریم نے مشرکین کے بہت سے ایسے کھانوں کو ناجائز کہا ہے جو وہ اپنے خود ساختہ معبودوں کے نام پر رکھا کرتے تھے چنانچہ سورۃ انعام میں ہے :-

وجعلوا للہ مما ذرأ من الحرث و الانعام نصیباً فقالوا ھذا للہ بزعمھم وھذا لشرکائنا فما کان لشرکائھم فلا یصل الی اللہ وما کان للہ فھو یصل الی شرکائھم ساء ما یحکمون -	اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مواشی پیدا کئے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہونچتی اور جو

چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہونچ جاتی ہے انھوں نے کیا بری تجویز نکال رکھی ہے -

پھر ارشاد ہوا :-

وقالوا ھذہٖ انعامٌ وحرثٌ حِجرٌ لا	اور وہ اپنے (خیال باطل پر یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ

Marfat.com

يطعمها الا من نشاء بزعمهم وأنعامٌ حُرّمت ظهورها وأنعامٌ لا يذكرون اسم الله عليها افتراءً عليه سيجزيهم بما كانوا يفترون، وقالوا ما في بطون هذه الانعام خالصة لذكورنا ومحرّم على أزواجنا وان يكن ميتةً فهم فيه شركاء سيجزيهم وصفهم انّه حكيمٌ عليم۔ قد خسر الذين قتلوا أولادهم سفهًا بغير علم وحرّموا ما رزقهم الله افتراءً على الله قد ضلّوا وما كانوا مهتدين۔

(انعام)

(مخصوص) مواشی ہیں اور مخصوص کھیت ہیں جن کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں ان کو کوئی کھا نہیں سکتا سوا ان کے جن کو ہم چاہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مخصوص) مواشی ہیں جن پر سواری یا باربرداری حرام کردی گئی ہے اور (مخصوص) مواشی ہیں جن پر یہ لوگ اللہ کا نام نہیں لیتے (یہ سب باتیں) محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر (کہتے ہیں)۔ ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کے افترا کی سزا دیئے دیتا ہے اور وہ (یوں بھی) کہتے ہیں کہ جو چیز ان مواشی کے پیٹ میں نکلتی ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ (پیٹ کا نکلا ہوا بچہ) مردہ ہے تو اس سے (منتفع ہونے کے جواز) میں (مرد و عورت) سب برابر ہیں ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کی غلط بیانی کی سزا دے دیتا ہے بلا شبہ وہ حکمت والا ہے وہ بڑا علم والا ہے' واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنھوں نے اپنی اولاد کو محض براہ حماقت بلا کسی سند کے قتل کر ڈالا اور جو (حلال) چیزیں ان کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کو دی تھیں ان کو حرام کرلیا محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر بیشک یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور وہ کبھی راہ پر چلنے والے نہیں ہوئے۔

پھر فرمایا:۔

ومن الأنعام حمولةً وفرشًا كلوا مما رزقكم الله ولا تتبعوا خطوات الشيطان انّه لكم عدوٌ مبين ثمانية ازواج من الضأن اثنين ومن المعز اثنين قل آالذكرين حرّم أم الانثيين، نبّؤني بعلم ان كنتم صادقين ومن الابل اثنين

اور مواشی میں اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور یہ مواشی آٹھ نر و مادہ (پیدا کئے) یعنے بھیڑ اور دنبہ) میں دو قسم (نر و مادہ) اور بکری میں دو قسم (نر و مادہ) آپ (ان سے) کہئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے

Marfat.com

ومن البقر اثنين قل الذکرین حرم ام الانثیین اما اشتملت علیه ارحام الانثیین۔

یا دونوں مادہ کو یا اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادہ (اپنے) پیٹ میں لئے ہوئے ہیں تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتلاؤ اگر سچے ہو اور اونٹ میں دو قسم اور گائے (بھینس) میں دو قسم آپ کہئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادہ (اپنے) پیٹ میں لئے ہوئے ہوں۔

اور سورۂ مائدہ میں فرمایا:۔

ماجعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب واکثرھم لا یعقلون۔

اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین عرب نے اپنی کھیتوں اور جانوروں کی پیداوار کا ایک صدقاتی نظام بنایا ہوا تھا کہ پیداوار کا ایک حصہ فقراء و مساکین پر تقسیم کردیتے تھے اور دوسرا حصہ بتوں کے لئے ہوتا تھا جس کے مستحق انہی بتوں کے منتظم اور پاسبان لوگ سمجھے جاتے تھے پھر جو حصہ بتوں کے نام کا ہوتا تھا اُسے ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کا وہ پورا اہتمام کرتے تھے چنانچہ اس حصہ میں سے ایک حبہ بھی بتوں کے مجاورین کے علاوہ کسی کو نہیں دیتے تھے، مگر اللہ کے نام پر نکالے ہوئے حصہ کا یہ اہتمام نہ تھا چنانچہ اس میں سے اکثر و بیشتر بتوں کے منتظمین کو بھی حصہ مل جایا کرتا تھا۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جو جانور اور کھیتیاں مشرکین غیر اللہ کے نام پر رکھ چھوڑتے تھے ان کی تین قسمیں تھیں۔

(۱) حِجر، یہ صرف وہی کھا سکتا تھا جسے یہ لوگ چاہیں۔

(۲) وہ چوپائے جن پر سواری حرام کرلی گئی تھی۔

(۳) وہ چوپائے جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے تھے۔

یہی وہ اقسام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں "بحیرہ"، "سائبہ"، "وصیلہ" اور "حامی" کے نام سے ذکر فرمایا ہے۔

پھر تیسری آیت میں جانوروں کے اُن بچوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جنہیں مشرکین صرف مردوں کے لئے خاص رکھتے تھے، مرد ان کا دودھ پی سکتے تھے مگر ان کی بیویوں پر یہ حرام کیا ہوا تھا کہ وہ اس سے کچھ

Marfat.com

انتفاع حاصل کر سکیں۔

"اللہ تعالیٰ نے انہیں ان نامعقول حرکتوں پر زجر و توبیخ کی ہے جنہیں انھوں نے خود گھڑا تھا مگر اللہ کی طرف ان کی جھوٹی نسبت کرتے تھے۔

ام کنتم شھداء اذ وصّاکم اللّٰہ بھذا (انعام) — کیا تم اس وقت حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس (تحریم و تحلیل) کا حکم دیا۔

قرآن کریم نے جو تفصیل بیان فرمائی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین عرب نے اسلام سے پہلے بھی صدقات کا ایک نظام بنا رکھا تھا جسے وہ حاجتمند لوگوں پر تقسیم کرتے تھے لیکن اس میں بہت سی ایسی چیزیں ملا دی تھیں جن سے اس نظام کی افادیت پر کاری ضرب لگتی تھی، یعنی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور بعض چوپایوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دینا۔

قرآن کریم نے آکر مشرکین کے اس پورے نظام کو لغو قرار دیا اور اس کی جگہ "زکوٰۃ" کا نظام تجویز فرمایا جس کی اساس اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر ہے :۔

وآتوا حقّہٗ یوم حصادہٖ (انعام)

اور تمام چوپایوں کو حلال قرار دیدیا، صرف وہ چند چیزیں حرام قرار دیں جن کا ذکر مندرجہ ذیل آیت میں ہے :۔

قل لا أجد فیما اوحی إلیّ محرّماً علی طاعم یطعمہٗ الا أن یکون میتۃً أو دماً مسفوحاً أو لحم خنزیر فانّہ رجسٌ أو فسقاً أُحلّ لغیر اللّٰہ بہ فمن اضطُرّ غیر باغ ولا عادٍ فإنّ ربک غفور رحیم۔ (انعام)

آپ کہد یجئے کہ جو احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے، یا جو (جانور) شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر جو شخص بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو (قدر ضرورت سے) تو واقعی آپ کا رب غفور و رحیم ہے۔

پھر سورہ مائدہ میں اس کی انتہا اس طرح بتلادی کہ :۔

لیس علی الّذین آمنوا وعملوا الصّالحات جُناحٌ فیما طعموا اذا

ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو

Marfat.com

مَا اتَّقَوا وَّاٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّاٰمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَّاَحْسَنُوا وَاللّٰہُ یُحِبُّ المُحْسِنِیْنَ۔ (مائدہ)

وہ کھاتے پیتے ہوں جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں سے محبت رکھتے ہیں۔

حدیث نے بعض دوسرے حیوانات کے کھانے سے بھی منع فرمایا اور یہ قرآن کی مندرجہ ذیل آیت کے موافق تھا:-

وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ

اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں۔

چنانچہ شکاری (درندہ) جانوروں میں سے ہر ایک کے لئے دانت (ناب) والے جانور کو حرام قرار دیا، اور پرندوں میں سے ہر اس جانور کو حرام کہا جو پنجوں سے شکار کرتا ہو، اس کے علاوہ شہری گدھوں کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

جہاد

مکی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ سال اس شان سے گزرے کہ مشرکین مکہ آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کو انواع واقسام کی تکلیفیں پہنچاتے رہے مگر آپؐ خاموشی کے ساتھ اسلام کی دعوت وتبلیغ میں مصروف رہے، کفارِ مکہ لوگوں کو قرآن سننے اور اس کی دعوت کو قبول کرنے سے روکتے تھے، مکی سورتوں میں اس چیز کا ذکر تفصیل سے آیا ہے۔

مکی مسلمانوں کو دو مرتبہ حبشہ کی جانب ہجرت کرنے پر بھی مجبور کیا گیا کیونکہ وہ مکہ میں رہ کر کفار کے ظلم وستم نہیں سہہ سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی اس میں تھی کہ اسلام کی دعوت کو یثرب کے باشندے قبول کریں اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرکے معاہدہ کیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہی حفاظت کریں گے جیسی کہ اپنی، اپنے اموال اور آبرو کی کرتے ہیں چنانچہ آپؐ نے مکہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی اور مدینہ میں تشریف آوری کے کچھ دنوں بعد جہاد شروع کیا گیا۔

جہاد کی اجازت کیوں دی گئی ہے؟ قرآن کریم کے مطالعہ سے اس کے دو اسباب معلوم ہوتے ہیں:۔

(۱) اگر کوئی ظلم کرے تو اس کا دفاع کیا جائے۔

Marfat.com

(۲) اگر کوئی اشاعتِ اسلام میں رکاوٹ بنے تو اس کا دفاع کیا جائے۔ خواہ یہ رکاوٹ اس شخص کی راہ میں حائل کی جائے جو اسلام کے عقائد کو اختیار کر چکا ہو اور کفار اسے انواع واقسام کی تکلیفیں دیکر دوبارہ شرک کفر کی طرف بلانا چاہتے ہوں، یا اگر کسی شخص نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا ہو اور کفار اسے اس مبارک ارادے سے باز رکھنا چاہتے ہوں، یا کسی داعی اسلام کی راہ میں روڑے اٹکائے جائیں، ان تمام صورتوں میں جہاد مشروع ہے۔

انہی مقامات کو قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیات میں بیان فرمایا ہے :۔

(۱) سورۂ حج میں جہاد کا سب سے پہلا حکم بالفاظِ ذیل نازل ہوا ہے :۔

اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ	ان لوگوں کو اجازت دی گئی ہے جن سے (کافروں
ظُلِمُوا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ	کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ

ف اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام صرف دفاعی جنگ کی اجازت دیتا ہے اور از خود اقدامِ جنگ کو جائز نہیں کہتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسلام نے جہاں از خود اقدامِ جنگ کی ترغیب دی ہے وہ بھی غور کیا جائے تو درحقیقت دفاعی ہی ہے جارحانہ نہیں کیونکہ اسلام کی نظر میں جنگ کا مقصد حق کی سربلندی ہے اور وہ اس نظامِ جہاد کے ذریعہ پورے عالم کو ایک ایسے نظامِ حیات کی طرف بلانا چاہتا ہے جو انسانوں کو امن وسکون عطا کر سکے، جس میں ایک غریب بڑھیا بھی خلیفہ کا دامن تھام سکتی ہو، جس میں انسان کی افضیلت کا سارا مدار اس کے کردار پر ہو، اسلام دوسرے غیر اسلامی ملکوں پر از خود چڑھائی کو جائز ہی نہیں بلکہ بسا اوقات مستحسن قرار دیتا ہے، اس لئے کہ وہاں طبقات کی تقسیم دولت، جاہ اور مرتبہ کے غیر فطری معیاروں پر ہوتی ہے جہاں اسلام کا قانون نافذ نہ ہو وہاں ظاہری نظر میں خواہ کتنا ہی امن وسکون نظر آتا ہو مگر وہاں سینکڑوں انسان صرف اس جرم میں جانوروں سے زیادہ بدتر زندگی گزارتے ہیں کہ ان کے پاس زیادہ مال ودولت نہیں یا وہ کسی نیچ ذات کے فرد ہیں، ایسے ملکوں کے عوام خواہ زبان سے کسی انقلاب کے خواہاں نہ ہوں مگر ان کا لاشعور دینی مظلومیت کے نوحے پڑھتا رہتا ہے اور وہ زبانِ حال سے کسی ایسے نظامِ حیات کو مدد کے لئے پکارتے ہیں جسے کسی بشری ذہنیت نے جنم نہ دیا ہو، جس میں وہ کسی ایسی ذات کو مصیبت کے وقت پکار سکیں جو ہر چیز اور ہر کام پر قادر ہے، یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام ہمیں یہ بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے جس ملک کو بھی فتح کیا وہاں کے عوام نے ان کی حکومت کا غیر معمولی طور پر خیر مقدم کیا، فتح مکہ سے لے کر آخری دور تک کی تاریخ کا مطالعہ کر جائیے، جس ملک کو بھی مسلمانوں نے صحیح اسلامی اصولوں کو مدنظر رکھتے

(بقیہ صفحہ نمبر ۷۵ پر)

Marfat.com

الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق
الا ان یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہ
الناس بعضھم ببعض لھدمت
صوامع وبیع وصلوات ومساجد
یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا ولینصرن
اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز
الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا
الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف
ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور
(حج)

ان پر (بہت) ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے (آگے ان کی مظلومیت کا بیان ہے) جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے کے ہاتھ سے زور نہ گھٹواتا رہتا تو (اپنے اپنے زمانوں میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے اور بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے (وہ جس کو چاہے غلبہ اور قوت دے سکتا ہے) یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور دوسروں کو بھی نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام

(بقیہ صفحہ نمبر ۷۴) ہوتے فتح کیا اور وہاں اسلامی نظام رائج کیا اس ملک کے عوام نے ہمیشہ اس کو قبول کرنے میں بے پناہ جوش و خروش کا مظاہرہ کیا گویا وہ صدیوں سے اسباب کے منتظر تھے کہ کوئی مرد مجاہد اٹھے اور انھیں ظلم و ستم کے ان شکنجوں سے نجات دلائے جن میں انسانیت کئی ہوتی سسک رہی تھی چنانچہ خالد بن ولیدؓ طارق بن زیادؒ محمد بن قاسمؒ، قتیبہ بن مسلمؒ محمد فاتحؒ اور محمود غزنویؒ صرف اپنے اصلی ممالک ہی کے مایۂ ناز فاتحین نہ تھے بلکہ وہ ان تمام ممالک کے عوام کی نظر میں بھی ایک محبوب ہیرو کی حیثیت رکھتے تھے جنھیں فتح کرنے کے لئے انھوں نے تلوار اٹھائی تھی اس سے واضح ہو گیا کہ اسلام نے از خود اقدام جنگ کیا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے لیکن درحقیقت یہ اس انسانیت کا دفاع تھا جس کا دامن عصمت تار تار کرنے کے لئے بیشمار خود ساختہ نظام وجود میں آچکے تھے جارحانہ جنگ اسوقت مذموم ہوتی ہے جب اسکی بنیاد ہوس ملک گیری کے سوا کچھ نہ ہو جسکا نتیجہ صرف یہ نکلے کہ ایک آمر کی حدود سلطنت وسیع ہو جائیں اور اگر وہ پہلے ہزار انسانوں کا خون پیتا تھا تو اب لاکھ کا پینے لگے لیکن جس اقدام جنگ کا مقصد زیادہ سے زیادہ انسانوں کو ظلم کے پنجے سے چھڑانا اور انہیں ایک فطری نظام حیات کے تحت زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کرنا ہو وہ انسانیت پر ایک عظیم احسان ہے اسلام جس جنگ کو "جہاد" کہتا ہے اسکا مقصد یہی ہے ۱۲ مترجم

Marfat.com

تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

مذکورہ آیت سورۂ شوریٰ (مکّی) کی اس آیت کی تفسیر معلوم ہوتی ہے جس میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولٰئک ما علیھم من سبیل۔ انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق اولٰئک لھم عذاب الیم۔

اور جو اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی (اور تکبر) کرتے ہیں ایسوں کے لئے درد ناک عذاب (مقرر) ہے

(۲) سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم والفتنۃ اشد من القتل ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم فیہ فان قاتلوکم فاقتلوھم کذالک جزاء الکافرین۔ فان انتھوا فان اللہ غفور رحیم وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظالمین۔ الشھر الحرام بالشھر الحرام والحرمات قصاص فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ مع المتقین۔

اور بے تکلف لڑو تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جو (نقض عہد کرکے) تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور (از خود) حد (میں ہیں) سے نہ نکلے واقعی اللہ تعالیٰ حد (قانون شرعی) سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے (اور جس حالت میں وہ خود عہد شکنی کریں اس وقت خواہ) ان کو قتل کرو جہاں انکو پاؤ اور (خواہ) ان کو نکال باہر کرو جہاں سے انھوں نے تم کو نکلنے پر مجبور کیا ہے اور شرارت قتل سے بھی سخت تر ہے اور ان کے ساتھ مسجد حرام کے قرب (و نواح) میں (کہ حرم کہلاتا ہے) قتال مت کرو جب تک کہ وہ لوگ وہاں تم سے خود نہ لڑیں۔ ہاں اگر وہ (کفار) خود ہی لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو تم (بھی) ان کو مارو ایسے کافروں کی (جو حرم میں لڑنے لگیں) ایسی ہی سزا ہے پھر اگر وہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آجائیں (اور اسلام قبول کریں) تو اللہ تعالیٰ بخشدینگے اور مہربانی فرمادیں گے اور ان کے ساتھ اس

حدتک لڑو کہ فساد عقیدہ (شرک) نہ رہے اور ان کا دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جاوے اور اگر وہ لوگ کفر سے باز آجاویں تو سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی بجز بے انصافی کرنے والوں کے حرمت والا مہینہ ہے بعوض حرمت والے مہینہ کے اور یہ حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں سو جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ ان ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

اور سورۃ انفال میں ہے :۔

وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ فان انتھوا فان اللہ بما یعملون بصیر وان تولوا فاعلموا أن اللہ مولاکم نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

اور تم ان (کفار عرب) سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ (یعنی شرک) نہ رہے اور دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جائے پھر اگر کفر سے باز آجاویں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں اور اگر روگردانی کریں تو یقین کر رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہے وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔

(۳) سورۃ نساء میں فرمایا :۔

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا

اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کی خاطر سے جن میں کچھ مرد ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لئے غیب سے کسی دوست کو کھڑا کیجئے اور ہمارے لئے غیب سے کسی حامی کو بھیجئے

(۴) اس سورہ میں مشرکین کی ایک جماعت کے متعلق جو نہ اپنی قوم سے جنگ کرنا چاہتی تھی نہ مسلمانوں سے ہی، بلکہ وہ فتنہ سے ایک کنارہ ہو کر رہنا چاہتے تھے' فرمایا

فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا

پھر اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں یعنے تم سے نہ لڑیں اور تم سے سلامت روی رکھیں تو اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی۔

Marfat.com

نہ کہ اس میں تذبذب ہو، اور اگر ایسے ہوں تو ان کے متعلق حکم کی اس طرح صراحت فرمادی کہ

ستجدون آخرین یریدون ان یامنوکم ویامنوا قومھم کلما ردوا الی الفتنۃ ارکسوا فیھا فان لم یعتزلوکم ویلقوا الیکم السلم ویکفوا ایدیھم فخذوھم واقتلوھم حیث ثقفتموھم واولئکم جعلنا لکم علیھم سلطانا مبینا

یعنے ایسے بھی تم کو ضرور ملیں گے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں اور اپنی قوم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں جب کبھی ان کو شرارت کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو وہ اس میں جا گرتے ہیں سو یہ لوگ اگر تم سے کنارہ کش نہ ہوں اور نہ تم سے سلامت روی رکھیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں تو تم ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ اور ہم نے تم کو ان پر صاف حجت دی ہے۔

صلح کے بارے میں سورہ انفال میں یوں ارشاد ہے۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمومنین والف بین قلوبھم۔

اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس طرف جھک جائیے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہیں اور وہی ہے جس نے آپ کو اپنی (غیبی) امداد (ملائکہ) سے اور (ظاہری امداد) مسلمانوں سے قوت دی اور ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا۔

اور سورۂ توبہ میں فرمایا :-

وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون، الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدؤکم اول مرۃ اتخشونھم فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مومنین۔

اور اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین (اسلام) پر طعن کریں تو تم لوگ اس قصد سے کہ یہ باز آجاویں ان پیشوایان کفر سے (خوب) لڑو کیونکہ اس صورت میں ان کی قسمیں باقی نہیں رہیں، تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسولؐ کے جلا وطن کر دینے کی تجویز کی اور انھوں نے تم سے خود پہلے چھیڑ نکالی کیا ان سے (لڑنے میں) ڈرتے ہو سو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

یہ تمام احکام تم کو اس مطلب تک پہنچا دیں گے جس کا ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے اور وہ یہی ہے کہ جہاد صرف دشمنی کے دور کرنے اور فتنۂ دین میں امن پیدا کرنے کی غرض سے تھا۔

یہود مدینہ نے قریش کو اور منافقین کو مسلمانوں کے خلاف بری طرح بھڑ دیا تھا اور مسلمانوں کو غزوہ احزاب میں بیحد ڈرا دیا تھا جس سے ان میں سخت تزلزل واقع ہو گیا تھا اور یہ سب ان کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تحریری اقرار ناموں کے بعد ہوا تھا جس میں انھوں نے معاہدوں کو توڑا اور ان معاہدوں کے مطابق عمل کرنا چھوڑ دیا لہذا مسلمانوں کو ان سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جیسا کہ سورۂ توبہ میں فرمایا۔

قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون ٥

اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے جن کو خدا تعالی نے اور اس کے رسولؐ نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔

جہاد کا حکم صرف قریش کے لئے اور ان کے یہود مدینہ کے لئے محدود تھا جو مشرکین کی طرف مائل تھے اور جن کے ساتھ جزیرہ عرب کے قبایل متحد ہو گئے تھے جیسا کہ اللہ تعالی نے سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ واعلموا ان اللہ مع المتقین۔

اور ان مشرکین سے سب سے لڑنا جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالی متقیوں کا ساتھی ہے۔

اور قرآن کی مصالحانہ روح کی تائید اور اس کی وضاحت کے لئے سورہ ممتحنہ میں جو ارشاد فرمایا گیا ہے وہ بہت کافی ہے۔

لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین انما ینھاکم

اللہ تعالی تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اللہ تعالی انصاف

اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظالمون۔

کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں، صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بیں لڑے ہوں (خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور (اگر نکالا بھی نہ ہو لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی) مدد کی ہو اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا سو وہ گنہگار ہوں گے۔

معاہدات اور وثایق

قرآن مجید نے جس امر کی طرف خاص توجہ دلائی ہے وہ عہد ناموں اور اقرارات کی پابندی ہے اور اس کی خلاف ورزی کی کراہت ہے اور اس کے متعلق بہت تاکیدی احکام دیئے جس میں سے بعض تو عام ہیں اور بعض خاص۔

علم احکام کی مثالوں میں اولاً سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود   اے ایمان والو تمہارے عہدوں کو پورا کرو۔

اور اس کے بعد سورہ نحل میں یہ ارشاد فرمایا گیا۔

واوفوا بعھد اللہ اذا عاھدتم ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا وقد جعلتم اللہ علیکم کفیلا ان اللہ یعلم ما تفعلون ولا تکونوا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا تتخذون ایمانکم دخلا بینکم ان تکون امۃ ھی اربی من امۃ۔

اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم اس کو تخصیصاً یا تعمیماً اپنے ذمہ کر لو اور قسموں کو بعد ان کے مستحکم کرنے کے مت توڑو اور تم اللہ تعالیٰ کو گواہ بھی بنا چکے ہو بے شک اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور تم اس عورت کے مشابہ مت بنو جس نے اپنا سوت کاتے پیچھے بوٹی بوٹی کر کے نوچ ڈالا کہ (اس کی طرح) تم (بھی) اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو محض اس وجہ سے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جائے

اور سورہ اسراء میں اس طرح ارشاد فرمایا گیا کہ

واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا۔

اور عہد (مشروع) کو پورا کرو بیشک (ایسے) عہد کی باز پرس ہونے والی ہے۔

Marfat.com

ل اپنے خصوصی احکام تو جس طرح سورہ برات میں مشرکین سے برات کے بعد اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا :-

الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا و لم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم ان اللہ یحب المتقین

ہاں مگر وہ مشرکین مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا پھر انھوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی سو ان کے معاہدہ کو ان کی مدت (مقررہ) تک پورا کردو واقعی اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

اور اسی سورہ میں مذکورہ حکم کے بعد فرمایا کہ

الا الذین عاھدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم ان اللہ یحب المتقین۔

مگر جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد لیا ہے سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو بیشک اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

ان احکام سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بیزاری انہی مشرکین سے کی گئی تھی جنھوں نے یا تو معاہدات کی خلاف ورزی کی تھی یا ان سے خیانت ظاہر ہونے کے دلائل موجود تھے کیونکہ سورہ کی ابتدا میں تو یہ فرمایا گیا تھا کہ

براءۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین۔

اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین کے عہد سے دست برداری ہے جن سے تم نے (بلا تعین مدت) عہد کر رکھا تھا۔

ل پھر ان سے ان کو مستثنیٰ فرمایا گیا جن کا ذکر کیا گیا جو دراصل نفاذ ہے ان احکام کا جو سورہ انفال میں دیے گئے۔

واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علی سواء ان اللہ لا یحب الخائنین۔

اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت (یعنی عہد شکنی) کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیجئے کہ آپ اور وہ (اس اطلاع میں) برابر ہو جائیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

اور خوف تو اسی وقت ہوتا ہے جبکہ وہ باتیں ظاہر ہو جائیں جو دشمنی کے اعمال پر دلالت کریں کیونکہ

Marfat.com

جس نے اپنے عہد کو نہ توڑا ہوا ور نہ اس نے بحیثیت دشمن کے مظاہرہ کیا ہوا ور اپنے وعدہ پر قایم ہو تو بموجب نص اس پر تو کوئی راستہ ہی نہیں۔

اور انہی احکام میں سے ایک حکم بھی اس وقت کا ہے جبکہ ان کو ان منافقین کے دور کرنے کی ترغیب دلائی جو ان کے خلاف پوشیدہ کارروائیوں میں مصروف تھے چنانچہ سورۂ نسار میں ارشاد الہٰی ہے۔

الا الذین یصلون الی قوم بینکم و بینھم میثاق۔ — مگر جو لوگ ایسے ہیں جو کہ ایسے لوگوں سے جا ملتے ہیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہے۔

اور یہ حکم معاہدہ کرنے والوں کے ملک کا احترام واجب کراتا ہے اور یہ کہ وہ حفاظت کرتا ہے ان لوگوں کی جو اس زمین سے متصل ہیں۔

اور انہی احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ جس قوم سے معاہدہ ہو ان کے کسی آدمی کو خطا سے قتل کرنے کا وہی حکم ہے جو ایک مسلمان کو خطا سے قتل کا حکم ہے چنانچہ اسی سورہ میں ارشاد ہے۔

وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ وتحریر رقبۃ مومنہ۔ — اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو تو خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کو حوالہ کر دی جائے اور ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا۔

اور یہ حکم دراصل وہی ہے جو ایک مسلمان کو خطا سے قتل کرنے کا دیا گیا تھا جیسا کہ ارشاد الہٰی ہے

ومن قتل مؤمنا خطاءً فتحریر رقبۃ مومنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ الا ان یصدقوا — اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کو حوالہ کر دی جائے مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں۔

اور دشمن قوم میں سے کسی مسلمان کو قتل کرنے کا معاوضہ اس سے کم رکھا گیا جیسا کہ ارشاد ہے۔

فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبۃ مومنۃ۔ — اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو جو تمہارے مخالف ہیں اور وہ شخص خود مومن ہے تو ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا۔

اور ایک حکم یہ بھی ہے ان مسلمانوں کے بارہ میں جو دشمن کے ملک میں ہوں اور وہاں سے ہجرت کریں جو سورہ انفال میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

Marfat.com

وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینھم میثاق

اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمہ مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں باہم عہد

(صلح کا) ہو کہ معاہدہ کا حق سب حقوق سے مقدم رکھا گیا۔
اور صلح کی کوئی مدت نہیں رکھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول میں اس کو بالکل غیر مقید رکھا ہے

چنانچہ سورہ انفال میں ارشاد ہے۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم۔

اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس طرف جھک جائے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

جنگی قیدی

قرآن مجید نے جنگی قیدیوں کے احکام صراحت سے بیان کردئے ہیں چنانچہ سورہ محمد صلعم میں ارشاد الٰہی ہے۔

حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فامامنا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا۔

یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خون ریزی کرچکو تو خوب مضبوط باندھ لو پھر اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا جبتک کہ لڑنے والے اپنے ہتھیار نہ رکھدیں۔

اس طرح ارباب اقتدار کو دو باتوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کا اختیار دیدیا ایک تو احسان جو دراصل معاف کرکے بغیر کسی معاوضہ کے رہا کردینا اس پر فدیہ یعنی معاوضہ لے کر چھوڑ دینا لیکن یہ " اثخان فی الارض " کے ساتھ مشروط ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کفار کی خوب خونریزی نہ ہوجائے اس وقت تک جنگی قیدیوں کو معاوضہ لے کر یا بلامعاوضہ رہا کردینا جائز نہیں چنانچہ جنگ بدر کے موقعہ پر جبکہ خونریزی کی یہ شرط پوری نہیں ہوئی تھی، آنحضرت صلعم نے قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد فرمادیا تھا اس موقعہ پر باری تعالیٰ نے آپؐ پر ایک محبوبانہ عتاب فرمایا چنانچہ ارشاد ہے۔

ماکان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض تریدون

نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں (بلکہ قتل کردئے جائیں) جب تک کہ

Marfat.com

عرض الدنیا واللہ یرید الآخرۃ واللہ عزیز حکیم۔ — وہ زمین میں اچھی طرح (کفار کی) خونریزی نہ کرلیں تم تو دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت (کی مصلحت) کو چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست بڑی حکمت والے ہیں۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص اسباب کی بناء پر بعض قیدیوں کے قتل کا حکم صادر فرمایا بدر میں عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا اور جنگ احد میں ابی عزۃ جمحی کے قتل کا جس سے جنگ بدر میں اقرار لیا گیا تھا کہ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہ کرے تو اس نے اپنے اقرار کو پورا نہ کیا اور جیسے کہ آپ نے بعد فتح مکہ معظمہ مکہ کے آٹھ آدمیوں کا قتل ان جرائم کی بناء پر جس کے وہ مرتکب ہوئے تھے مباح فرمادیا تھا۔

غلام اور غلامی

جس وقت اسلام آیا تو عربوں کے ہاتھوں میں غلام موجود تھے تو اسلام نے ان غلاموں کو باقی رکھا جو ان کے قبضہ میں تھے چنانچہ سورہ مومنون میں جو مکی ہے ارشاد فرمایا۔

والذین ھم لفروجھم حٰفظون الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین۔ — اور جو اپنی شرمگاہوں کو حرام شہوت رانی سے) حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی) لونڈیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اس میں) کوئی الزام نہیں۔

اور اسی طرح سورہ معارج میں بھی جو مکی ہے ارشاد فرمایا یعنے مسلمانوں کو کوئی جنگ پیش آنے کے پہلے ہی اور اسی طرح سورہ نساء میں جو مدنی ہے ارشاد فرمایا۔

فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم۔ — پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی۔

اس کے بعد ان کو غلاموں کے آزاد کرنے اور غلامی کو دور کرنے کے کئی طریقوں سے ترغیب دلائی (اولاً) سورۂ بلد میں شکر ادا کرنے کا سب سے پہلا طریقہ یہ بتلایا کہ وہ غلاموں کو آزاد کرے چنانچہ اس پر اپنے احسان جتانے کے بعد ارشاد فرمایا۔

فلا اقتحم العقبۃ وما ادراک ما العقبۃ فک رقبۃ او اطعام — سو وہ شخص (دین کی) گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا اور آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی (سے) کیا

Marfat.com

فی یوم ذی مسغبة یتیما ذا مقربة او مسکینا ذا متربة ثم کان من الذین آمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة اولئك اصحٰب المیمنة۔

(مراد) ہے وہ کسی (کی) گردن کا غلامی سے چھڑا دینا ہے یا کھانا کھلانا فاقہ کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی خاک نشین محتاج کو (یعنی ان احکام الٰہیہ کو بجالانا چاہیئے تھا) پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ) ان لوگوں میں سے نہ ہوا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو (ایمان (کی) پابندی کی فہمائش کی اور ایک دوسرے کو ترحم (علی الخلق) کی (یعنی ترک ظلم کی) فہمایش کی یہی لوگ داہنے والے ہیں۔

اس طرح غلامی کی آزادی کو ان خصلتوں کا پیشوا بنایا جن کو انسان اپنے مولا کی شکر گزاری کے طور پر اختیار کرے۔

(ثانیاً) غلامی آزادی کو گناہوں کے اکثر کفارات میں مقدم رکھا مثلاً خطا سے قتل سے کفارہ کے بارہ میں سورہ نساء میں ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ قتل مؤمنا خطأً فتحریر رقبة مؤمنة ۰

اور جو شخص کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کردے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے

اور کفارہ ظہار کے بارہ میں سورہ مجادلہ میں ارشاد فرمایا۔

والذین یظاهرون من نسائهم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة من قبل ان یتماسا۔

اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنی چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں (میاں بیوی) باہم اختلاط کریں۔

اور سورہ مائدہ میں کفارہ یمین (قسم) کے متعلق ارشاد فرمایا۔

فکفارته اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون اهلیکم او کسوتهم او تحریر رقبة۔

سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا

(سوم) زکوٰۃ کے مصارف کی جہاں تفصیل بیان فرمائی وہاں آٹھ حصّوں میں سے ایک حصّہ "آزادی" دلانے کے لئے رکھا گیا یعنے امام وقت جو مسلمانوں سے زکوٰۃ لے گا اس حصہ کی رقم غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کرے گا۔

(چہارم) حکم فرمایا کہ جو غلام اپنی آزادی کے لئے تحریری معاہدہ چاہے تو اس کو قبول کیا جائے

Marfat.com

اور اس تحریری معاہدہ کی بنا پر جس قدر رقم ان سے مطلوب ہو اس کے ادا کرنے کے لئے ان کی مدد کرنے کا حکم دیا چنانچہ سورہ نور میں ارشاد ہے۔

والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا و آتوھم من مال اللہ الذی آتاکم۔

اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب[1] ہونے کے خواہاں ہوں تو (بہتر ہے کہ) ان کو مکاتب بنا یا کرو اگر ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ اور اللہ کے (دئے ہوئے) اس مال میں سے ان کو بھی دو جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے (تاکہ جلدی آزاد ہو جائیں)

اس کے علاوہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم سے غلاموں کے آزاد کرانے کے بارہ میں بڑی ترغیبات مروی ہیں اور بار بار کی وصیتیں ان پر رحم کرنے کے بارہ میں جو ان کے پاس اس وقت بحیثیت غلام موجود تھے فرمائی جاتی تھیں اور قرآن میں ایک بھی حکم صریح غلام بنانے کے بارہ میں موجود نہیں ہے یعنے جنگ میں قید ہونے والوں کو غلام بنانے کا حکم نہیں ہے۔

جنگ کا مال غنیمت

عرب کی عادت تھی کہ وہ غنیمتیں حاصل کیا کرتے اور مال غنیمت لڑنے والوں پر تقسیم کیا کرتے اور سردار قوم کے لئے ایک بڑا حصہ رکھا کرتے جیسا کہ ان کے ایک شاعر نے کہا ہے۔

لک المرباع منھا والصفایا وحکمک والنشیطۃ والفضول

تیرے لئے چوتھائی حصہ اور عمدہ چیزیں ہیں اور تجھے فیصلہ کا مکمل اختیار ہے اور نشیط اور فضول بھی ہی تیرے لئے ہے۔

اس میں رباع سے مراد غنیمت کی چوتھائی ہے اور صفایا سے مراد وہ عمدہ چیز جس کو سردار قوم اپنے لئے منتخب کرلے اور نشیط سے مراد وہ چیز جو لڑنے والوں کے ہاتھ میں لوٹ سے پہلے پڑ جائے اور فضول سے مراد وہ چیز جو تقسیم کے بعد زیادہ رہے یعنے تقسیم سے بچ جائے۔ جب اسلام آیا تو سب سے پہلی غنیمت جو مسلمانوں کو ملی وہ تھی جو ان کو غزوہ بدر میں ملی تھی تو انھوں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ اس غنیمت کی تقسیم کس طرح کی جائے جس پر سورہ انفال میں اس تقسیم کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح بتلایا

یسألونک عن الانفال قل الانفال

یہ لوگ آپ سے (خاص) غنیمتوں کا حکم دریافت

[1] "مکاتب" کا مطلب ہے اپنے غلام کو کچھ مال لے کر آزاد کر دینا ۱۲ م۔ت۔ع۔

Marfat.com

للہ والرسول — کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی ہیں۔

پھر اپنے اس ارشاد سے اس کی تقسیم کی صراحت فرما دی کہ

واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل۔ — اور اس بات کو جان لو کہ جو شئے (کفار سے) بطور غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا ہے اور (ایک حصہ) آپ کے قرابت داروں کا ہے اور (ایک حصہ) یتیموں کا ہے اور (ایک حصہ) غریبوں کا ہے اور (ایک حصہ) مسافروں کا ہے۔

چنانچہ رسول علیہ السلام مال غنیمت کا پانچواں حصہ لے کر ان لوگوں پر تقسیم فرما دیا کرتے تھے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

لیس لی من مغنمکم الا الخمس والخمس یرد علیکم۔ — مجھے تمہارے مال غنیمت میں سے بجز پانچویں حصہ کے اور کچھ نہیں ملتا ہے اور وہ پانچواں حصہ بھی تم پر ہی لوٹا دیا جاتا ہے۔

کیونکہ اس پانچویں حصہ میں سے بڑی مقدار آپ مصالح عامہ میں ہی صرف فرما دیا کرتے تھے۔

اور فیٔ کے بارہ میں سورہ حشر میں فرمایا اور فیٔ سے مراد وہ مال ہے جس کے حاصل کرنے میں مسلمانوں کو نہ گھوڑے دوڑانے پڑے ہوں اور نہ اونٹ۔

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم — جو کچھ اللہ تعالیٰ (اسی طور پر) اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے (کافر) لوگوں سے دلوا دے (جیسے فدک اور ایک حصہ خیبر کا) سو وہ (بھی) اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور (آپ کے) قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا تاکہ وہ (مال فیٔ) تمہارے تونگروں کے قبضہ میں نہ آ جائے۔

پھر ارشاد فرمایا

للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا — اللہ تعالیٰ کے فضل (یعنی جنت) اور رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول

Marfat.com

من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ و رسولہ۔ اولئک ھم الصادقون و الذین تبوؤا الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولایجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علی انفسھم ولوکان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون والذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم۔

(کے دین) کی مدد کرتے ہیں (اور) یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں اور (نیز) ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دار الاسلام (یعنی مدینہ) میں ان (مہاجرین) کے (آنے کے) قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں جو ان کے پاس ہجرت کرکے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ (انصار) اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو اور (واقعی) جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کا (بھی اس مال فیئ میں حق ہے) جو ان کے بعد آئے جو (ان مذکورین کے حق میں) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخشدے اور ہمارے ان بھائیوں کو (بھی) جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔

سنت نے ان غزوات میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک تھے احکام قرآن کی وضاحت عملاً کردی جن میں سے بعض کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے اور بعض کا نہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مختلف ٹولیاں روانہ فرمائیں وہ سب احکام قرآن کے مطابق تھے۔

جن غزوات کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) غزوہ بدر جو ۲ھ ہجری میں واقع ہوا جس کا ذکر سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد سے فرمایا کہ

کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وان فریقا من المومنین لکارھون

جیسا آپ کے رب نے آپ کے گھر (اور بستی) سے مصلحت کے ساتھ آپ کو (بدر کی طرف) روانہ کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔

Marfat.com

اور سورۂ آل عمران میں بھی اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد سے فرمایا۔

ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ۔ | اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تمکو بدر میں منصور فرمایا حالانکہ تم بے سروسامان تھے

اور کئی آیات میں اس قصہ کی تکمیل ہوئی ہے۔

(۲) غزوہ احد جو ۳ھ ہجری میں واقع ہوا جس کا ذکر سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے شروع ہوتا ہے اور کئی آیات میں اس کی تفصیل ہے۔

ولا تہنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ | اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہوگے اگر تم پورے مومن رہے

(۳) غزوہ حمراء الاسد جو اسی مذکورۂ بالا سال میں واقع ہوا جس کا ذکر سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں موجود ہے۔

اَلَّذین استجابوا لِلّٰہِ والرسول من بعد ما اصابھم اُلقَرحُ۔ | جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو قبول کر لیا بعد اس کے کہ ان کو زخم لگا تھا۔

(۴) غزوہ بدر اخری جو ۴ھ میں واقع ہوا جس کی طرف سورہ آل عمران میں میں قرآن مجید نے اس طرح اشارہ کیا ہے۔

اَلَّذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا و قالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل فانقلبوا بنعمۃ من اللہ وفضل لم یمسسھم سوءٌ واتبعوا رضوان اللہ واللہ ذو فضل عظیم | یہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ ان لوگوں نے تمہارے لئے سامان جمع کیا ہے سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہیئے تو اس نے ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیا اور کہدیا کہ ہم کو حق تعالیٰ کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے اچھا ہے پس یہ لوگ خدا کی نعمت اور فضل سے بھرے ہوئے واپس آئے کہ ان کو کوئی ناگواری ذرا پیش نہیں آئی اور وہ لوگ رضائے حق کے تابع رہے اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے۔

(۵) غزوہ بنی النضیر کہ وہ بھی ۴ھ میں ہی واقع ہوا اور قرآن مجید نے سورہ حشر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول پاک سے ذکر کیا جو کئی آیات تک مسلسل بیان فرمایا ہے۔

Marfat.com

هو الذی اخرج الذین کفروا من اهل الکتاب من دیارهم لاول الحشر۔

وہی ہے جس نے (ان) کفار اہل کتاب (یعنی بنی نضیر) کو ان کے گھروں سے پہلی ہی بار اکٹھا کرکے نکال دیا۔

(۶) غزوہ احزاب جو ۵ھ میں واقع ہوا اور اس کا ذکر قرآن مجید کی اسی سورت میں ہے جس کا نام بھی اسی غزوہ کے نام پر رکھا گیا ہے چنانچہ ارشاد الٰہی اس آیت سے شروع ہو کر کئی آیات تک چلا گیا ہے۔

یا ایها الذین اٰمنوا اذکروا نعمة الله علیکم اذ جاءتکم جنود فارسلنا علیهم ریحا وجنودا لم تروها۔

اے ایمان والو اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی۔

(۷) غزوہ بنی قریظہ اسی سال ہوا جس سال غزوہ احزاب ہوا اور اسی سورہ میں اللہ تعالی نے اپنے اس ارشاد سے اس غزوہ کا ذکر فرمایا۔

وانزل الذین ظاهروهم من اهل الکتاب من صیاصیهم وقذف فی قلوبهم الرعب فریقا تقتلون وتاسرون فریقا واورثکم ارضهم ودیارهم واموالهم وارضا لم تطئوها وکان الله علی کل شئ قدیرا۔

اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیا بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا اور ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا تم کو مالک بنا دیا اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا اور اللہ تعالی ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

(۸) غزوہ حدیبیہ جو ۶ھ میں ہوا جس کا ذکر سورہ فتح میں اللہ تعالے نے اپنے اس ارشاد میں ذکر فرمایا۔

ان الذین یبایعونک انما یبایعون الله ید الله فوق ایدیهم

جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ (واقع میں) اللہ تعالی سے بیعت کر رہے ہیں، خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

Marfat.com

(۹) غزوہ خیبر جو سنہ ۷ھ میں واقع ہوا جس کی طرف اسی سورہ فتح میں اپنے اس ارشاد سے اللہ تعالے نے ذکر فرمایا ہے جس کا سلسلہ کئی آیات تک چلا گیا ہے۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا و مغانم کثیرۃ یاخذونھا وکان اللہ عزیزا حکیما۔

بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ سے درخت (سمرہ) کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا اور (اس وقت) اللہ تعالیٰ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو ایک لگے ہاتھ فتح دیدی اور (اس فتح میں) بہت سی غنیمتیں بھی (دیں) جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست بڑا حکمت والا ہے۔

(۱۰) فتح مکہ سنہ ۸ھ میں ہوا اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ارشاد فرمایا ہے[۱]۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئك اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنی۔

جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور لڑ چکے برابر نہیں وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنھوں نے (فتح مکہ کے) بعد میں خرچ کیا اور لڑے اور (یوں) اللہ تعالے نے بھلائی (یعنی ثواب) کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے۔

اور سورہ نصر کی اس آیت میں بھی اسی کی طرف اشارہ فرمایا۔

اذا جاء نصر اللہ والفتح۔

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب خدا کی مدد اور (مکہ کی فتح) (مع اپنے آثار کے) آپہونچے (یعنی واقع ہو جائے)۔

(۱۱) غزوہ حنین جو اسی سال واقع ہوا اور جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ارشاد فرمایا ہے[۲]۔

لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم

تم کو خدائے تعالے نے (لڑائی کے) بہت موقعوں میں (کفار پر) غلبہ دیا اور حنین

---

[۱] سورۂ حدید [۲] سورۂ توبہ۔

Marfat.com

فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین وانزل جنودا لم تروھا وعذب الذین کفروا وذلک جزاء الکافرین۔

کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہوگیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کار آمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر (آخر) تم پیٹھ دیکر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (کے قلب) پر اور دوسرے مومنین کے قلوب پر (اپنی طرف سے) تسلی نازل فرمائی اور (مدد کے لئے) ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہ کافروں کی (دنیا میں) سزا ہے۔

(۱۲) غزوہ تبوک اور یہ "تنگی کا غزوہ" تھا جو ۹ھ میں واقع ہوا اور اس غزوہ کی بہت سی تفصیلات سورہ توبہ میں ارشاد فرمائی ہیں اور قرآن مجید میں غزوات کے ذکر میں سب سے زیادہ طویل ذکر کا غزوہ یہی ہے چنانچہ اس غزوہ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے شروع ہوتا ہے جو آخر سورہ کے قریب تک چلا گیا ہے۔

یا ایھا الذین امنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من الاخرۃ فما متاع الحیاۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل۔

اے ایمان والو تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے) نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو کیا تم نے آخرت کے عوض دنیا کی زندگانی پر قناعت کر لی سو دنیاوی زندگی کا تمتع تو آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں بہت قلیل ہے۔

اور ان تمام غزوں میں قرآن مجید کے قواعد کے مطابق عمل رہا جن کا قرآن مجید میں ذکر فرمایا گیا یعنے دشمنوں کا دور کرنا، اور امن کے ساتھ دعوت اسلام دینا اور صلح کی طرف صلح کرنے والوں کے ساتھ میلان، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اسی وقت تک اس دنیا میں رہی جب تک کہ جزیرہ عرب کل آپ کے تابع نہ ہوگیا۔

عائلی نظام

خانہ داری کے جس نظام کی تفصیلات قرآن مجید نے بیان کی ہیں اور جو احکام دیے ہیں انکی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے۔

Marfat.com

Ahmad Khan M.A. Rahimyar Khan 14.6.66

شادی بیاہ

قرآن مجید نے نکاح کا حکم دیا اور نکاح کی بندش کا نام "میثاق غلیظ" (یعنی مضبوط عہد) رکھا جیسا کہ سورۂ نساء میں ارشاد ہے۔

واخذن منکم میثاقا غلیظا۔ — اور وہ عورتیں تم سے ایک مضبوط اقرار لے چکی ہیں

اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے احسانات میں سے شمار کیا ہے کہ اس نے میاں بیوی کے درمیان محبّت اور مودّت کا مقدس رشتہ قائم کیا چنانچہ سورۂ روم میں ارشاد ہوتا ہے۔

ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون۔

اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔

اور میاں بیوی میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا جیسا کہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

ھُنّ لباس لکم وانتم لباس لھن۔ — کیونکہ وہ تمہارے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہیں اور تم انکے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہو۔

اور اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ان سے تسکین پاتے ہو اور وہ تم سے تسکین پاتی ہیں۔ ایک اور آیت میں باری تعالیٰ نے رات کو بھی انسانوں کے لئے لباس قرار دیا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس میں تسکین پاتے ہو۔

اور سنّت رسول ؐ نے بھی نکاح کی شدت کے ساتھ ترغیب دی جس سے امت کی عددی زیادتی کا خیال بھی پیش نظر ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

تناکحوا وتناسلوا فانی مباہ بکم الامم یوم القیامۃ۔ — نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ کیونکہ میں تمہارے ذریعے دوسری امتوں کے سامنے فخر کرونگا۔

اور قرآن مجید نے نکاح پر اپنے اس قول سے سورۂ نور میں ترغیب دلائی کہ۔

Marfat.com

وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنیھم اللہ من فضلہ واللہ واسع علیم۔ | اور تم میں (یعنی احرار میں) جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور (اسی طرح) تمہارے غلام اور لونڈیوں میں سے جو اس (نکاح) کے لایق ہو اس کا بھی؛ اگر وہ مفلس ہونگے تو

خدا تعالیٰ (اگر چاہے گا) انکو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ تعالےٰ خوب وسعت والا ہے خوب جاننے والا ہے۔

چونکہ عربوں کے پاس بیویوں کی تعداد کے لئے کوئی حد نہ تھی کہ اس کی پابندی کرتے اس لئے بعض اوقات ایک آدمی دس دس عورتوں سے نکاح کر لیتا تھا۔ قرآن مجید نے نکاح کی تعداد کے لئے ایک معتدل حد مقرر کر دی اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم بیویوں کے درمیان عدل وانصاف سے کام نہ لے سکو گے تو پھر ایک ہی شادی کرو۔

چنانچہ سورہ نساء میں ارشاد ہے۔

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلاث ورباع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنی الا تعولوا | تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کر لو دو دو عورتوں سے اور تین تین سے اور چار چار عورتوں سے پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو

یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔

ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت چند امور کی بنار پر دی گئی ہے۔

(۱) طبیعت انسانی کی ضرورت، تجربہ نے بتایا کہ اکثر اوقات ایک بیوی کافی نہیں ہوتی۔

(۲) نسل کی کثرت۔ لیکن یہ مشروط ہے ظلم کا خوف نہ ہونے پر جو ایسی خرابی ہے کہ شارع کی نظر میں ان دونوں مصلحتوں پر غالب ہے اور بیویوں کی زیادتی شارع کی نظر میں ان اسلامی شعائر میں سے نہیں ہے جس کے بغیر چارہ نہ ہو بلکہ وہ ان مباح امور میں سے ہے جن کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ خود صاحب معاملہ ہی پر ہے چاہے کرے چاہے چھوڑ دے[1] بشرطیکہ حدود الٰہی سے تجاوز نہ کرے۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی چار ہی شادیاں کرے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح اس مباح کام کو واجب نہیں قرار دیا جا سکتا، اسی طرح اسے ممنوع کر دینا بھی کسی صورت جائز نہیں ۱۲ محمد تقی۔

Marfat.com

اور قرآن مجید نے ایک مسلمان کے لئے بعض ان عورتوں سے رشتۂ نکاح قائم کرنے کو حرام قرار دیا ہے جن سے قرابت یا دودھ یا سسرالی کا کوئی رشتہ ہو جیسا کہ سورہ نساء میں ارشاد ہے۔

ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم من النساء الا ما قد سلف انه کان فاحشة ومقتا وساء سبیلا حرمت علیکم امهاتکم وبناتکم واخواتکم وعماتکم وخالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت وامهاتکم اللاتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة وامهات نسائکم وربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم اللاتی دخلتم بهن فان لم تکونوا دخلتم بهن فلا جناح علیکم وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم وان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف ان الله کان غفورا رحیما والمحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم کتاب الله علیکم۔

اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ و دادا یا نانا نے نکاح کیا ہو مگر جو بات گزر گئی گزر گئی بے شک یہ (عقلاً بھی) بڑی بے حیائی ہے اور نفرت کی بات ہے اور (شرعاً بھی) بہت برا طریقہ ہے (تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے ہیں اور تمہاری بیبیوں کی مائیں اور تمہاری بیبیوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری پرورش میں رہتی ہیں ان بیبیوں سے کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو اور اگر تم نے ان بیبیوں سے صحبت نہ کی ہو تو تم کو کوئی گناہ نہیں اور تمہاری ان بیٹوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری نسل سے ہوں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ رکھو لیکن جو پہلے ہو چکا بے شک اللہ تعالے بڑے بخشنے والے بڑے رحمت والے ہیں اور وہ عورتیں جو کہ شوہر والیاں ہیں مگر جو کہ تمہاری مملوک ہو جاویں اللہ تعالے نے ان احکام کو تم پر فرض کردیا ہے۔

اور فرمان رسالت پناہیؐ میں کسی عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی اور خالہ کو بیک وقت نکاح میں جمع رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے اور رضاعت کی وجہ سے ہر وہ عورت حرام ہے جو نسب کی وجہ سے حرام ہے۔

Marfat.com

اور قرآن مجید نے اس کو بھی حرام کر دیا ہے کہ کوئی مسلمان کسی مشرکہ کے ساتھ یا مشرک کسی مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمنّ ولامة مومنة خیر من مشرکة ولو اعجبتکم ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا ولعبد مومن خیر من مشرك ولو اعجبکم اولئك یدعون الی النار واللہ یدعوا الی الجنة و المغفرة باذنه۔

اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان عورت (چاہے) لونڈی (کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ) بہتر ہے کافر عورت سے گو وہ تم کو اچھی ہی معلوم ہو اور عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان مرد غلام بہتر ہے کافر مرد سے گو وہ تم کو اچھا ہی معلوم ہو (کیونکہ) یہ لوگ دوزخ (میں جانے) کی تحریک دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی تحریک دیتے ہیں اپنے حکم سے۔

اور اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا اپنے اس قول عزیز سے حلال فرما دیا جو سورہ مائدہ میں ہے۔

والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم اذا آتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان۔

اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے ہیں جب کہ تم ان کو ان کا معاوضہ دیدو اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو۔

اور پاکدامن عورت کا بیاہ زانی کے ساتھ یا پاکدامن مرد کا نکاح زانیہ عورت کے ساتھ ممنوع قرار دیا چنانچہ سورہ نور میں ارشاد ہے۔

الزانی لا ینکح الا زانیة او مشرکة والزانیة لا ینکحها الا زان او مشرك وحرم ذلك علی المومنین۔

زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے اور (اسی طرح) زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے اور یہ (یعنی ایسا نکاح) مسلمانوں پر حرام (اور موجب گناہ) کیا گیا ہے۔

اور جو شخص[1] آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی مالی استطاعت نہ رکھے اس کے لئے لونڈی

---

[1] باندی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے یہ قید امام شافعیؒ کے نزدیک واجب العمل ہے (باقی صفحہ ۹۷ پر دیکھئے

Marfat.com

کے ساتھ نکاح کرنا جائز رکھا ہے چنانچہ سورہ نساء میں ارشاد ہے۔

ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المومنات فمن ماملکت ایمانکم من فتیاتکم المومنات واللہ اعلم بایمانکم بعضکم من بعض فانکحوھن باذن اھلھن وآتوھن اجورھن بالمعروف محصنات غیر مسافحات ولا متخذات اخدان۔

اور جو شخص تم میں پوری وسعت اور گنجائش نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی مملوکہ ہیں نکاح کرے اور تمہارے ایمانوں کی پوری حالت اللہ ہی کو معلوم ہے تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو سو ان سے نکاح کر لیا کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور ان کو ان کے مہر قاعدہ کے موافق دیدیا کرو اس طور پر کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں نہ تو علانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہوں۔

سنت نے عقد نکاح کے لئے بعض قیود مقرر کی ہیں اور قرآن مجید نے مرد پر عورت کے لئے مہر کی ادائیگی فرض قرار دی ہے جیسا کہ سورۂ نسا میں ارشاد ہے۔

واحل لکم ماوراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃ ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ ان اللہ کان علیما حکیما۔

اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ سے چاہو اس طرح سے کہ تم اپنی بیوی بناؤ صرف مستی ہی نکالنا نہ ہو پھر جس طریق سے تم ان عورتوں سے منتفع ہوئے ہو سو ان کو ان کے مہر دو جو کچھ مقرر کر چکے اور مقرر ہوئے بعد بھی جس پر تم باہم رضامند ہو جاؤ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۹۶ کا) یعنی جو شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ اس کے لئے باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں سمجھتے، مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باندی سے نکاح کرنا ہر صورت میں جائز ہے خواہ ایک شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، مذکورہ آیت میں ومن لم یستطع منکم طولاً کی قید کو امام ابوحنیفہؒ اتفاقی قرار دیتے ہیں جس کے لئے دوسرے دلائل موجود ہیں اور امام شافعیؒ اس قید کو احترازی کہتے ہیں ۱۲ محمد تقی عفی عنہ

Marfat.com

قرآن نے عورت کے سامنے مرد کے مقام کی بھی وضاحت فرمائی چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف وللرجال علیهن درجة۔

اور عورتوں کے لئے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل ان ہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں قاعدہ (شرعی) کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے۔

اور سورہ نساء میں ارشاد فرمایا۔

الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض وبما انفقوا من اموالهم فالصالحات قانتات حفظات للغیب بما حفظ الله والتی تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن فی المضاجع واضربوهن فان اطعنکم فلا تبغوا علیهن سبیلا ان الله کان علیا کبیرا

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں سو جو عورتیں نیک ہیں اطاعت کرتی ہیں مرد کی عدم موجودگی میں بحفاظت الٰہی نگہداشت کرتی ہیں اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو مارو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے رفعت اور عظمت والے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا۔

وان امرأة خافت من بعلها نشوزا او اعراضا فلا جناح علیهما ان یصلحا بینهما صلحا والصلح خیر واحضرت الانفس الشح وان تحسنوا وتتقوا فان الله کان بما تعملون خبیرا ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروها کالمعلقة وان تصلحوا وتتقوا فان الله کان غفورا رحیما۔

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بد دماغی یا بے پروائی کا ہو سو دونوں کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کر لیں اور یہ صلح بہتر ہے اور نفوس کو حرص کے ساتھ اقتران ہوتا ہے اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ حق تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو گو تمہارا کتنا ہی

Marfat.com

جی چاہے تو تم بالکل تو ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ جس سے اس کو ایسا کردو جیسے کوئی ادھر میں لٹکی ہو اور اگر اصلاح کر لو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے بڑے رحمت والے ہیں۔

اور باوجودیکہ قرآن نے مرد و عورت کے درمیان برابری کے اصول رکھے ہیں لیکن گھر میں مرد کی برتری قائم کی اور ساتھ ہی اسے حسن معاشرت کا بہت تاکید کے ساتھ حکم دیا۔ چنانچہ احادیث اس قسم کی ترغیبات اور احکام سے بھری پڑی ہیں۔

طلاق

اللہ تعالیٰ نے جس طرح نکاح کے ذریعہ مرد و عورت کے اجتماع کے نظام کو مشروع فرمایا ہے اسی طرح نباہ نہ ہو سکنے کی صورت میں جدائی کے نظام کو بھی ایک قاعدہ کے تحت رکھا ہے، جسے طلاق کہتے ہیں، مگر اس کے لئے باری تعالیٰ نے ایک نظام بنایا ہے اور اس پر کچھ ایسی پابندیاں عائد فرما دی ہیں جن کی وجہ سے طلاق کی اجازت کا استعمال محض وقتی اور ہنگامی اثرات کا نتیجہ نہ ہو، تفصیلات درج ذیل ہیں:۔

(۱) انسان کے دل میں اپنی بیوی کی طرف سے نفرت پیدا ہونے کو مشکوک قرار دیا جیسا کہ سورہ نساء میں ارشاد فرمایا۔

وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا۔

اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کیا کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اسکے اندر کوئی بڑی منفعت رکھدے۔

اور ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ لا یفرك مومن مومنة ان کرہ منھا خلقا رضی منھا اخر (کوئی مومن کسی مومنہ سے بغض نہ رکھے کہ اگر اس سے کسی بات میں ناراض ہوگا تو کسی بات سے راضی بھی ہو جائے گا) بلکہ عورت کو صلح حاصل کرنے کی ترغیب دلائی چنانچہ سورۂ نساء میں ارشاد ہے۔

وان امرأة خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیھما ان

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بد دماغی یا بے پروائی کا ہو سو دونوں

Marfat.com

یصلحا بینھما صلحا والصلح خیر — کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کریں اور یہ صلح بہتر ہے۔

(۲) ناچاقی کا اندیشہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو مخاطب کرکے پنچ بنانے کا حکم دیا چنانچہ سورۂ نساء میں فرمایا۔

وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما ان اللہ کان علیما خبیرا۔ — اور اگر تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکش کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے بھیجو اگر ان دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بی بی میں اتفاق کردیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں۔

اور یہ خطاب[۵] عام مومنین سے ہے جس کو نافذ کرنا ان کے نمائندے یعنی حاکم وقت کی ذمہ داری ہے۔

(۳) جبکہ سابقہ احکام کے نافذ کرنے کے باوجود طلاق کے بغیر چارہ ہی نہ ہو تو پھر یہ پابندی لگادی گئی کہ طلاق ابتداء عدت میں ہو یعنی عورت کی اس پاکی کی حالت میں ہو جس میں مرد نے اس سے مقاربت نہ کی ہو جیساکہ سورۂ طلاق میں ارشاد فرمایا۔

یاایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ واتقوا اللہ ربکم۔ — اے پیغمبر (آپ لوگوں سے کہدیجئے کہ) جب تم لوگ (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو (زمانہ) عدت (یعنی حیض) سے پہلے (یعنی طہر میں) طلاق دو اور تم عدت کو یاد رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی اہلیہ کو بحالت حیض طلاق دیدی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کو ناپسند فرمایا تھا اور ان کو اپنی بیوی کی طرف رجوع کا حکم دیا

---

[۵] یہ علامہ خضری کی رائے ہے، دوسرے بڑے علماء کا خیال ہے کہ اس آیت میں صرف اہل خاندان سے خطاب نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ زوجین کی پرائیویٹ زندگی کا عام عدالتوں تک اچھلنا شریعت کی نگاہ میں بھی کوئی پسندیدہ بات نہیں ۱۲۔

Marfat.com

تھا کہ پھر وہ جب چاہیں قرآنی احکام کے مطابق طلاق دیں۔

(۴) سورہ طلاق میں حکم فرمایا کہ عورت عدت کے زمانہ تک سسرال کے مکان میں رہے کیونکہ وہ اس وقت تک بیوی ہی رہے گی اور یہ کہ کسی اور وجہ سے وہ وہاں سے نکلنے پر مجبور ہو چنانچہ ارشاد ہے۔

لا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ و تلک حدود اللہ ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔	ان عورتوں کو ان کے (رہنے کے) گھروں سے مت نکالو (کیونکہ سکنی مطلقہ کا مثل منکوحہ کے واجب ہے) اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں تو اور بات ہے اور یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز

کرے گا (مثلاً اس عورت کو گھر سے نکال دیا) اس نے اپنے اوپر ظلم کیا تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ بعد اس (طلاق دینے کے) کوئی نئی بات (تیرے دل میں) پیدا کردے (مثلاً طلاق پر ندامت ہو تو رجعی میں اس کا تدارک ہو سکتا ہے)

اس آخری جملہ سے وہ مصلحت ظاہر ہوگئی جس کی بناء پر اس کو گھر میں رہنے کا حکم دیا گیا۔

(۵) بہترین شوہر اس کو بتایا گیا جو عدت کے ختم ہوجانے پر یا تو عورت سے مراجعت کرلے یا اس سے جدائی اختیار کرے اور یہ جدائی فعلاً عمل میں آجائے اور دونوں حالتوں میں اپنے اس فعل پر دو آدمیوں کو گواہ بنادے۔ چنانچہ سورۂ طلاق میں ارشاد ہے۔

فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف واشھدوا ذوی عدل منکم و اقیموا الشھادۃ للہ۔	پھر جب وہ (مطلقہ) عورتیں اپنی عدت گزارنے کے قریب پہنچ جائیں (تو تم کو دو اختیار ہیں یا تو) ان کو قاعدے کے موافق نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے موافق ان کو

رہائی دو اور آپس میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ کرلو (اے گواہو اگر گواہی کی حاجت پڑے تو) ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے (بلا رورعایت) گواہی دو۔

اور شوہر کو عدت کے ختم ہونے سے پہلے پہلے عورت سے رجوع کرنے کا حقدار قرار دیا چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

Marfat.com

وبعولتھن احق بردھن فی ذلک ان ارادوا اصلاحا۔ اور ان عورتوں کے شوہران کے (بلا تجدید نکاح) پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اس عدت کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں۔

(۶) عدّت کا حکم فرمایا جو مختلف ہے، حیض والی عورتوں کے لئے تو تین حیض ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء۔ اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض تک۔

اور بوڑھی عورتیں جن کو حیض آنا بند ہوگیا ہو یا کم عمر عورتیں جو ابھی حائضہ ہی نہ ہوئی ہوں ان کی مدت تین ماہ رکھی جیسا کہ سورہ طلاق میں ارشاد فرمایا گیا۔

واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر واللائی لم یحضن (اوپر عدّت کا اجمالاً ذکر تھا) اور (تفصیل یہ کہ) تمہاری (مطلقہ) بیبیوں میں جو عورتیں (بوجہ زیادت سن کے) حیض سے ناامید ہوچکی ہیں اگر تم کو (ان کی عدت کے تعین میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں اور اسی طرح جن عورتوں کو (اب تک بوجہ کم عمری کے) حیض نہیں آیا۔

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل قرار دی جیسا کہ ارشاد ہے۔

واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت اس حمل کا پیدا ہوجانا ہے۔

اور جس کو شوہر نے ہاتھ نہ لگایا ہو (جماع نہ کیا ہو) اس کو عدت سے معافی دیدی جیسا کہ سورۂ احزاب میں ارشاد ہے۔

اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا۔ تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو (اور) پھر تم ان کو قبل ہاتھ لگانے کے (کسی اتفاق سے) طلاق دیدو تو تمہاری ان پر کوئی (عدت) واجب نہیں جس کو تم شمار کرنے لگو۔

اور مرد کو حکم دیا کہ جب عورت عدت میں ہو تو اس کے ساتھ نرمی و مہربانی کا سلوک کرے جیسا کہ سورہ طلاق میں ارشاد ہے۔

Marfat.com

اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولاتضاروھن لتضیقوا علیھن وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن فان ارضعن لکم فآتوھن اجورھن واتمروا بینکم بمعروف وان تعاسرتم فسترضع لہ اخری لینفق ذو سعۃ من سعتہ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما آتاہ اللہ لا یکلف اللہ نفسا الا ما آتاھا سیجعل اللہ بعد عسر یسرا

تم ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لئے (اس کے بارے میں) تکلیف مت پہنچاؤ اور اگر وہ (مطلقہ) عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو (کھانے پینے کا) خرچ دو پھر اگر وہ (مطلقہ) عورتیں (جبکہ پہلے ہی سے بچے والیاں ہوں یا بچہ ہی پیدا ہونے سے ان کی عدت ختم ہوئی ہو) تمہارے لئے (بچہ کو اجرت پر) دودھ پلا دیں تو تم انکو مقررہ اجرت دو (اور اجرت کے بارے میں) باہم مناسب طور پر مشورہ کرلیا کرو۔ اور اگر تم باہم کشمکش کروگے تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی (آگے بچہ کے نفقہ کے بارے میں ارشاد ہے کہ) وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق (بچہ پر) خرچ کرنا چاہیئے اور جس کی آمدنی کم ہو اس کو چاہیئے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے خدا تعالےٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہے خدائے تعالےٰ تنگی کے بعد جلدی فراغت بھی دیگا (گو بقدر ضرورت وحاجت روائی سہی)

(۷) شریعت نے مرد کے لئے اس بات کو مستحسن قرار دیا ہے کہ جب وہ عورت کو طلاق دے تو اس کو اس قدر سامان ساتھ دیدے جو اس کی ضروریات واجبہ کو پورا کرسکے اور جس عورت کو صحبت سے پہلے طلاق دیجائے اور اس کا مہر معین نہ ہوا ہو اس کے لئے یہ حق واجب قرار دیا جیسا کہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

لاجناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ ومتعوھن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ متاعا

(مہر کا) کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو ایسی حالت میں طلاق دیدو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے اور صرف ان کو ایک جوڑا دیدو

Marfat.com

بالمعروف حقا علی المحسنین۔ صاحب وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے اور تنگدست کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے جوڑا دینا قاعدہ کے موافق واجب ہے خوش معاملہ لوگوں پر۔

پھر اس کا ذکر عام الفاظ میں اس طرح فرمایا کہ

وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین۔ اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ فائدہ پہنچانا قاعدہ کے موافق (یہ) مقرر ہوا ہے ان پر جو (شرک وکفر سے) پرہیز کرتے ہیں۔

اور جس کو صحبت کے پہلے طلاق دی گئی ہو اس کے بارے میں سورہ احزاب میں ارشاد فرمایا کہ

فمتعوھن وسرحوھن سراحا جمیلا۔ تو ان کو کچھ (مالی) متاع دیدو اور خوبی کے ساتھ ان کو رخصت کردو۔

اور جس کو صحبت کے پہلے طلاق دی گئی لیکن اس کا مہر نکاح کے وقت معین ہوچکا تھا اس کے لئے نصف مہر قرار دیا چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم الا ان یعفون او یعفوا الذی بیدہ عقدۃ النکاح وان تعفوا اقرب للتقوی ولا تنسوا الفضل بینکم ان اللہ بما تعملون بصیر۔ اور اگر تم ان بیبیوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ اور ان کے لئے کچھ مہر بھی مقرر کرچکے تھے تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہو اس کا نصف (واجب) ہے مگر یا کہ وہ عورتیں (اپنا نصف) معاف کردیں یا یہ کہ وہ شخص رعایت کردے جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق رکھنا اور توڑنا ہے) اور تمہارا معاف کردینا (بہ نسبت وصول کرنے کے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتے ہیں۔

(۸) مرد کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ جو کچھ مال واسباب عورت کو قبل طلاق دے چکا ہے طلاق کے بعد اس سے واپس نہ لے جیسا کہ سورہ نساء میں ارشاد ہے۔

وان اردتم استبدال زوج مکان اور اگر تم بجائے ایک بی بی کے دوسری بی بی کرنا

Marfat.com

زوج وآتیتم احداھن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئا اتاخذونہ بھتانا واثما مبینا وکیف تاخذونہ وقد افضی بعضکم الی بعض واخذن منکم شیا قا غلیظا۔

چاہو اور تم اس ایک کو انبار کا انبار مال دے چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ بھی مت لو کیا تم اس کو لیتے ہو بہتان رکھکر اور صریح گناہ کے مرتکب ہو کر اور تم اس کو کیسے لیتے ہو حالانکہ تم باہم ایک دوسرے سے بے حجابانہ مل چکے ہو اور وہ عورتیں تم میں سے ایک گاڑھا اقرار لے چکی ہیں۔

اور لینے کی اجازت بھی دی تو اس حالت میں جبکہ نہ لینے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے مقرر فرمودہ ضابطوں کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہو چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے :۔

ولا یحل لکم ان تاخذوا مما آتیتموھن شیئا الا ان یخافا الا یقیما حدود اللہ فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظالمون ۔

اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی لو (گو) اس میں سے (سہی) جو تم نے ان کو (مہر میں) دیا تھا مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ کرسکیں گے سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ کرسکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس (مال کے لینے دینے) میں جس کو دیکر عورت اپنی جان چھڑا لے یہ خدائی ضابطے ہیں سو تم ان سے باہر مت نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں سے باہر نکل جائے سو لیسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔

(۹) یہ بھی قرار دیا کہ طلاق کا تجربہ دو مرتبہ کرکے دیکھا جائے چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

الطلاق مرتٰن فامساک بمعروف اوتسریح باحسان۔

وہ طلاق دو مرتبہ (کی) ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق ۔

جب تیسری مرتبہ طلاق دیدے تو اس پر بالکل حرام ہوگئی اور ہر ایک پر واجب ہوگیا کہ اپنے لئے دوسرا ساتھی تلاش کرلے چنانچہ ارشاد ہے۔

فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ ۔

پھر اگر کوئی (تیسری) طلاق دیدے عورت کو تو وہ پھر اس کے لئے حلال نہ رہے گی اس کے بعد

Marfat.com

یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ (عدت کے بعد) نکاح کرلے۔
اور جبکہ دوسرا شوہر بیوی کا تجربہ کرے تو پھر اس کے پہلے شوہر کو جائز ہوگا کہ اس عورت سے دوبارہ نکاح کرلے جیسا کہ ارشاد ہے۔

فان طلقها فلا جناح علیہما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود اللہ و تلک حدود اللہ یبنیہا لقوم یعلمون۔

پھر اگر یہ اس کو طلاق دیدے تو ان دونوں پر (اس میں) کچھ گناہ نہیں کہ بدستور پھر ملجادیں بشرطیکہ دونوں غالب گمان رکھتے ہیں کہ (آیندہ) خداوندی ضابطوں کو قائم رکھیں گے

اور یہ خداوندی ضابطے ہیں حق تعالیٰ ان کو بیان فرماتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو دانشمند ہیں۔
اور مسلمؒ نے حضرت[1] ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین طلاق ایک ہی سمجھی جاتی تھیں اور یہ غالباً اس لئے تھا واللہ اعلم کہ شوہر کو اس بات کی اجازت دیتا کہ وہ اپنی بیوی کو ایک ہی مرتبہ میں انتہائی طور پر حرام کرے ان مصلحتوں کو ضائع کردیتا ہے جو قرآنی احکام سے طلاق کو بصورت رجوع دو مرتبہ دینے میں اور تیسری طلاق سے حرام کرنے میں رکھی گئی ہیں۔
(۱۰) قرآن کریم نے جدائی کی ان اقسام کا بھی ذکر کیا ہے جو زمانۂ جاہلیت میں طلاق سمجھی جاتی تھیں اور قرآن کریم نے اس کا ایک نظام رکھا ہے۔
اول۔ ایلاء ہے یعنی مرد اس بات کی قسم کھالے کہ اپنی بیوی کے پاس نہ جائے گا چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

---

[1] لیکن چاروں ائمہ مجتہدینؒ اس بات پر متفق ہیں کہ تین طلاقوں کا ایک شمار کیا جانا اس صورت میں تھا جبکہ طلاق دینے والے کی نیت ایک ہی طلاق کی ہو اور اس نے اسی طلاق کے لفظ کو بار بار بطور تاکید استعمال کیا ہو اس وجہ سے آنحضرتؐ سے اگر کوئی شخص یہ کہہ دیتا تھا کہ میں نے طلاق ایک ہی دینا چاہا تھا مگر تین مرتبہ تاکید کے طور پر لفظ طلاق بولا تھا تو آپؐ اس کی بات مان کر طلاق کو ایک قرار دیتے تھے، بعد میں جب لوگوں کی دیانت سے اعتماد اٹھنے لگا تو حضرت عمرؓ نے تمام صحابہؓ کے مشورہ سے یہ فیصلہ کیا اب اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو اسے تین طلاقیں سمجھی جائیں گی، چنانچہ اب اسی پر ائمۂ اربعہؒ کا اجماع ہے، اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ ہم نے اپنی کتاب "ہمارے عائلی مسائل" میں گفتگو کی ہے۔ ۱۲ محمد تقی۔

Marfat.com

للذین یؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر فان فاءو فان الله غفور رحیم وان عزموا الطلاق فان الله سمیع علیم ۔

وہ لوگ جو قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیبیوں (کے پاس جانے) سے ان کے لئے چار مہینے تک کی مہلت ہے سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کر لیں تب تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے رحمت فرما دیں گے اور اگر بالکل ہی چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

اور آیت کے ربط سے ظاہر ہوتا ہے کہ شارع نے شوہر کے لئے ایک ایسی مدت مقرر کر دی ہے جو انتہائی طور پر قسم کی حفاظت کے لئے ممکن ہو اس مدت کے پورا کرنے سے پہلے، کہ جب وہ اس مدت کو پورا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو معاف فرما دے گا جیسا کہ اس پر آیت سابقہ دلالت کرتی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

ولا تجعلوا الله عرضة لایمانکم ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بین الناس والله سمیع علیم لا یواخذکم الله باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذکم بما کسبت قلوبکم والله غفور حلیم ۔

اور اللہ کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح فیما بین خلق کے کام کرو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں اللہ تعالیٰ تم پر (آخرت میں) دار و گیر نہ فرمائیں گے تمہاری قسموں میں (ایسی) بیہودہ قسم پر لیکن دار وگیر فرما دیں گے اس (جھوٹی قسم) پر جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں رحیم ہیں۔

دوئم۔ ظہار جو کہ عرب کے پاس تحریم کی ایک شکل تھی کہ مرد اپنی عورت کو یہ کہکر اپنے اوپر حرام کر لیتا کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ چنانچہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ مجادلہ کے شروع کی آیتیں نازل فرمائیں۔

قد سمع الله قول التی تجادلك فی زوجها وتشتکی الی الله والله یسمع تحاورکما ان الله سمیع بصیر الذین یظاهرون منکم من نسائهم ماهن امهاتهم ان امهاتهم

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑتی تھی اور (اپنے رنج وغم کی) اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا (اور) اللہ تو سب کچھ

Marfat.com

الا اللائی ولدنهم وانهم ليقولون
منكرا من القول وزورا وان الله
لعفو غفور والذين يظاهرون من
نسائهم ثم يعودون لما قالوا فتحرير
رقبة من قبل ان يتماسا ذلكم
توعظون به والله بما تعملون
خبير فمن لم يجد فصيام شهرين
متتابعين من قبل ان يتماسا فمن
لم يستطع فاطعام ستين مسكينا
ذلك لتؤمنوا بالله ورسوله
وتلك حدود الله ۔

سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے تم میں جو
لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں (مثلاً
یوں کہہ دیتے ہیں انت علی کظهر امی) وہ
ان کی مائیں نہیں ہیں ان کی مائیں تو بس وہی ہیں
جنھوں نے ان کو جنا ہے اور وہ لوگ بلاشبہ
ایک نامعقول اور (چونکہ) جھوٹ بات کہتے
ہیں (اس لئے گناہ ضرور ہوگا) اور یقیناً
اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے بخش دینے
والے ہیں اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے
ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی
تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک غلام

یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں (میاں بی بی) باہم اختلاط کریں اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ پھر جس کو (غلام لونڈی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ پے بہ پے (یعنی لگاتار) دو مہینے کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکیں تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہے یہ حکم اس لئے (بیان کیا گیا) ہے کہ اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ اور یہ اللہ کی حدیں (باندھی ہوئی) ہیں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ طلاق کے لئے جو نظام بتایا گیا وہ ایک بہترین اور خوبصورت نظام ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو کل کا کل بہتر ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ شوہر پر اپنی بیوی کے ساتھ اپنے پر ان دونوں کے اخلاق میں بعد المشرقین ہونے کی وجہ دونوں میں نفرت پیدا ہونے کے بعد زور نہیں دیتا ہے تو دوسری طرف جدائی کے معاملہ کو بغیر کسی کفالت کے سہل نہیں رکھا۔

اور شارع نے بیوی پر یہ بھی واجب کیا ہے کہ جب اس کا شوہر مر جائے تو وہ سوگ گزارے چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

والذين يتوفون منكم ويذرون
ازواجا يتربصن بانفسهن اربعة
اشهر وعشرا فاذا بلغن اجلهن

اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور
بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے
آپ کو (نکاح وغیرہ سے) روکے رکھیں

Marfat.com

فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف واللہ بما تعملون خبیر۔

چار مہینے اور دس دن پھر جب اپنی میعاد (عدت) ختم کرلیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کارروائی (نکاح کی) کریں قاعدہ کے موافق اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں۔

اور اس کا بھی اس کو مستحق قرار دیا کہ اگر وہ چاہے تو سسرال میں ایک سال تک رہے جس کو شوہر کے ترکہ سے گزارہ دیا جائے چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن من معروف واللہ عزیز حکیم۔

اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیوں کو وہ وصیت کر جایا کریں اپنی ان بیبیوں کے واسطے ایک سال تک منتفع ہونے کی اس طور پر کہ وہ گھر سے نکالی نہ جاویں ہاں اگر خود نکل جاویں تو تم کو کوئی گناہ نہیں اس قاعدہ کی بات میں جس کو اپنے بارہ میں کریں اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے۔

اور ان دونوں آیتوں میں معمولی سا تامل کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے صرف یہ کہ پہلی آیت اس بات کی خبر دیتی ہے کہ بیوی پر کیا واجب ہے اور دوسری یہ کہ اس کا کیا حق ہے۔

اور وہ عورت جو شوہر کے مرنے کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو اس کو صراحتاً نکاح کا پیغام دینے سے منع کر دیا گیا۔ البتہ اشارہ کی اجازت دی ہے چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء او اکننتم فی انفسکم علم اللہ انکم ستذکرونھن ولکن لا تواعدوھن سرا الا ان تقولوا قولا معروفا ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ واعلموا ان اللہ یعلم ما فی انفسکم فاحذروہ

اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا جو ان مذکورہ عورتوں کو پیغام (نکاح) دینے کے بارے میں کوئی بات اشارۃً کہو یا اپنے دل میں (ارادۂ نکاح کو) پوشیدہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا (ضرور) ذکر مذکور کرو گے لیکن ان سے نکاح کا وعدہ (اور گفتگو) مت کرو مگر یہ کہ کوئی بات قاعدہ

Marfat.com

واعلموا ان اللہ غفور حلیم ۔ کے موافق کہو اور تم تعلق نکاح (فی الحال) کا ارادہ بھی مت کرو یہاں تک کہ عدت مقررہ اپنی ختم کو نہ پہنچ جاوے اور یقین رکھو اس کا کہ اللہ تعالیٰ کو اطلاع تمہارے دلوں کی بات کی ہے سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرنے والے ہیں حلیم بھی ہیں۔

قرآن نے مطلقہماں سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ اپنے بچہ کو دودھ پلائے چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف لا تکلف نفس الا وسعھا لا تضار والدۃ بولدھا ولا مولود لہ بولدہ وعلی الوارث مثل ذلک فان ارادا فصالا عن تراض منھما وتشاور فلا جناح علیھما وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم فلا جناح علیکم اذا سلمتم ما آتیتم بالمعروف واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر ۔

اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں یہ بات اس کے لئے ہے جو کوئی شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے ان ماؤں کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت کے موافق کسی ماں کو تکلیف نہ پہونچانا چاہیئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہیئے اس کے بچّہ کی وجہ سے اور مثل طریق مذکور کے اس کے ذمہ ہے جو وارث ہو پھر اگر دونوں دودھ چھڑانا چاہیں اپنی رضامندی اور مشورہ سے تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں اور اگر تم لوگ اپنے بچوں کو کسی اور انّا کا دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ ان کے حوالہ کردو جو کچھ ان کو دینا کیا ہے قاعدہ کے موافق اور حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

مندرجۂ بالا احکام کے علاوہ قرآن مجید میں عائلی امور سے متعلق مندرجۂ ذیل ہدایات بھی موجود ہیں :-

(۱) یتیموں کے نگراں کے لئے ہدایات فرمائیں چنانچہ اللہ عزوجل نے سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

Marfat.com

ویسألونک عن الیتامی قل اصلاح لھم خیر وان تخالطوھم فاخوانکم فی الدین۔

اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ تمہارے (دینی) بھائی ہیں۔

اور سورہ نساء میں ارشاد فرمایا۔

وآتوا الیتامی اموالھم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم انہ کان حوبا کبیرا۔

اور جن بچوں کا باپ مر جاوے ان کے مال انھیں کو پہنچاتے رہو اور تم اچھی چیز سے بری چیز کو مت بدلو اور ان کے مال مت کھاؤ اپنے مالوں (کے رہنے) تک ایسی کارروائی کرنا بڑا گناہ ہے۔

اور اسی میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

وابتلوا الیتامی حتی اذا بلغوا النکاح فان آنستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم ولا تاکلوھا اسرافا وبدارا ان یکبروا ومن کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف فاذا دفعتم الیھم اموالھم فاشھدوا علیھم وکفی باللہ حسیبا۔

اور تم یتیموں کو آزما لیا کرو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کو پہنچ جائیں پھر اگر ان میں ایک گونہ تمیز دیکھو تو ان کے اموال ان کے حوالے کردو اور ان اموال کو ضرورت سے زائد اٹھا کر اور اس خیال سے کہ یہ بالغ ہو جائیں گے جلدی جلدی اڑا کر مت کھا ڈالو اور جو شخص مستغنی ہو سو وہ تو اپنے کو بالکل بچائے اور جو شخص حاجتمند ہو تو وہ مناسب مقدار سے کھالے پھر جب ان کے مال ان کے حوالہ کرنے لگو تو ان پر گواہ بھی کر لیا کرو اور اللہ تعالی ہی حساب لینے والے کافی ہیں۔

پھر ارشاد فرمایا۔

ولیخش الذین لو ترکوا من خلفھم ذریۃ ضعافا خافوا علیھم فلیتقوا اللہ ولیقولوا قولا سدیدا ان

اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر اپنے بعد چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جاویں تو ان کی ان کو فکر ہو سو ان لوگوں کو چاہیے کہ خدا تعالی

Marfat.com

الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا۔

بے ڈریں اور موقع کی بات کہیں بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے (برتتے) ہیں اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب جلتی آگ میں داخل ہوں گے۔

اور انہی احکام میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔

وان تقوموا للیتامی بالقسط۔

اور اس باب میں کہ یتیموں کی کارگزاری انصاف کے ساتھ کرو۔

(۲) وصیت کے متعلق سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیراً الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ ان اللہ سمیع علیم فمن خاف من موص جنفا او اثما فاصلح بینھم فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم۔

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو والدین اور اقارب کے لئے معقول طور پر (کہ مجموعہ ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو) کچھ کچھ بتلا جاوے (اس کا نام وصیت ہے) جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ یہ ضروری ہے پھر جو شخص اس (وصیت) کے سن لینے کے بعد اس کو تبدیل کریگا تو اس کا گناہ ان ہی لوگوں کو ہوگا جو اس کو تبدیل کریں گے اللہ تعالیٰ تو یقیناً سنتے جانتے ہیں ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی بے عنوانی یا کسی جرم کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں واقعی اللہ تعالیٰ تو (خود گناہوں کے) معاف فرمانے والے ہیں اور گنہگاروں پر) رحم کرنے والے ہیں۔

اور سنت سے اس کی بہت تاکید ثابت ہے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ما حق امرئ مسلم لہ شئ یرید ان یوصی فیہ یبیت لیلۃ الا ووصیۃ مکتوبۃ عندہ (جس مسلمان کے پاس کچھ مال ہو اور وہ اس میں وصیت کرنا چاہے تو اس کو یہ حق نہیں کہ وصیت لکھے بغیر ایک رات بھی گزارے۔

(۳) گھروں میں جانے کی اجازت لینے کے متعلق سورہ نور میں ارشاد فرمایا۔

Marfat.com

یا ایھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا و تسلموا علی اھلھا ذلکم خیر لکم لعلکم تذکرون فان لم تجدوا فیھا احدا فلا تدخلوھا حتی یوذن لکم وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا ھو ازکی لکم واللہ بما تعملون علیم لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتا غیر مسکونۃ فیھا متاع لکم واللہ یعلم ماتبدون وما تکتمون۔

اے ایمان والو تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ (ان سے) اجازت حاصل نہ کرلو اور (اجازت لینے کے قبل) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو یہی تمہارے لئے بہتر ہے (یہ بات تم کو اس لئے بتلائی ہے) تاکہ تم خیال رکھو (اور اس پر عمل کرو) پھر اگر تم کو ان گھروں میں کوئی (آدمی) نہ معلوم ہو تو (بھی) ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ تم کو (مختار اذن کی جانب سے) اجازت نہ دیجائے اور اگر تم سے (اجازت لینے کے وقت) یہ کہدیا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ تو تم لوٹ آیا کرو یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ تعالی کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے (اگر خلاف کروگے سزا کے مستحق ہوگے) تم کو ایسے مکانات میں چلے جانے کا گناہ نہ ہوگا جن میں (گھر کے طور پر) کوئی نہ رہتا ہو ان میں تمہاری کچھ برت ہو اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو اور جو پوشیدہ طور پر کرتے ہو اللہ تعالی سب جانتا ہے۔

اور اسی میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔

یا ایھا الذین آمنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلث مرات من قبل صلاۃ الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظھیرۃ ومن بعد صلاۃ العشاء ثلث عورات لکم لیس علیکم ولا علیھم جناح بعدھن طوافون علیکم بعضکم علی بعض

اے ایمان والو تمہارے پاس آنے کے لئے مملوکوں کو اور تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہونچے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیئے (ایک تو) نماز صبح سے پہلے اور (دوسرے) جب (سونے لیٹنے کے لئے) دوپہر کو اپنے (بعض) کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے) نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردوں کے (وقت) ہیں (اور) ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی الزام

Marfat.com

كذلك يبين الله لكم الآيات والله عليم حكيم واذا بلغ الاطفال منكم الحلم فليستأذنوا كما استأذن الذين من قبلهم كذلك يبين الله لكم آياته والله عليم حكيم ۔

ہے اور نہ (بلا اجازت چلے آنے میں) ان پر کچھ الزام ہے (کیونکہ) وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس اسی طرح (جیسا یہ حکم صاف صاف بیان کردیا) اللہ تعالیٰ تم سے (اپنے) احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور جس وقت تم میں کے وہ لڑکے (جن کا حکم اوپر آیا ہے) حد بلوغ کو پہنچیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینا چاہیئے جیسا کہ ان سے اگلے لوگ اجازت لیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے ۔

اور یہ بھی ارشاد فرمایا ۔

فاذا دخلتم بيوتا فسلموا على انفسكم تحية من عند الله مباركة طيبة ۔

جب تم اپنے گھروں میں جانے لگا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کرلیا کرو (جو کہ) دعا کے طور پر (ہے اور) جو خدا کی طرف سے مقرر ہے (اور) برکت والی عمدہ چیز ہے ۔

اور سورۂ احزاب میں نبی (اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے مکانوں کے متعلق خاص طور پر فرمایا ۔

يا ايها الذين آمنوا لا تدخلوا بيوت النبي الا ان يؤذن لكم الى طعام غير ناظرين اناه ولكن اذا دعيتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستأنسين لحديث ان ذلكم كان يؤذي النبي فيستحيي منكم والله لا يستحيي من الحق ۔

اے ایمان والو نبی کے گھروں میں (بے بلائے) مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جاوے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا جاوے (کہ کھانا تیار ہے) تب جایا کرو۔ پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف صاف بات کہنے سے (کسی کا) لحاظ نہیں کرتا ۔

Marfat.com

پردہ کے آداب

پردہ دو قسم کا ہے ایک تو وہ جو عورت کے لباس اور زینت سے مرد کو دیکھنے اور مرد کے اس کی طرف دیکھنے سے متعلق ہے دوسرے جو اس کے گھر سے نکلنے اور زندگی کے کاموں میں مرد و عورت کے اختلاط سے متعلق ہے۔

اول۔ کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے سورہ نور میں ارشاد فرمایا۔

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او آبائھن او آباء بعولتھن او ابنائھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخواتھن او نسائھن او ما ملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن وتوبوا الی اللہ جمیعا ایہ المومنون لعلکم تفلحون۔

مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھیں یہ ان کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے بے شک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں اور اسی طرح مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالباً) کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت (کے مواقع مذکورہ) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے (محارم پر یعنی) باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے (حقیقی علاتی اخیافی) بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی (حقیقی علاتی اور اخیافی) بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا ان

Marfat.com

مردوں پر جو طفیلی (کے طور پر رہتے) ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے ابھی ناواقف ہیں (مراد غیر مراہق ہیں) اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے اور مسلمانو (تم سے جو ان احکام میں کوتاہی ہو گئی ہو تو) تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اور سورہ احزاب میں فرمایا۔

یاایھا النبی قل لا زواجك وبناتك ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذلك ادنی ان یعرفن فلا یؤذین وکان اللہ غفورا رحیما۔	اے پیغمبر اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیبیوں سے بھی کہہ دیجئے کہ (سر سے) نیچے کر لیا کریں اپنے تھوڑی سی اپنی چادریں اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا

کریں گی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور سورۂ نور میں ارشاد فرمایا۔

والقواعد من النساء اللاتی لایرجون نکاحا فلیس علیھن جناح ان یضعن ثیابھن غیر متبرجات بزینة وان یستعففن خیرلھن واللہ سمیع علیم۔	اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کو (کسی کے نکاح (میں آنے) کی کچھ امید نہ رہی ہو ان کو (البتہ) اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے اتار رکھیں بشرطیکہ زینت (کے مواقع) کا اظہار نہ کریں اور (ہر چند کہ بڑھیوں کو منہ

کھولنے کی اجازت ہے لیکن) اگر اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لئے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ (سب کچھ) سنتا ہے (سب کچھ) جانتا ہے۔

اب رہی دوسری قسم تو اس کے متعلق سورۂ احزاب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا۔

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولی۔	اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو۔

اور ان کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔

واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن	اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے

Marfat.com

من وراء حجاب ذلکم اطھر لقلوبکم و قلوبھن وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہٖ ابدا ان ذٰلکم کان عند اللہ عظیما۔

باہر سے مانگا کرو یہ بات (ہمیشہ کے لئے) تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ رسول اللہ کو تکلیف پہونچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ کے بعد آپ کی بیبیوں سے کبھی نکاح کرو یہ خدا کے نزدیک بڑی بھاری (معصیت) کی بات ہے۔

وراثت کا نظام

وراثت عرب میں مشہور بات تھی اور اس کا اصل اصول ولایت تھی یعنے جو شخص مرنے والے شخص کا قریبی عزیز ہوتا وہ اس کا وارث ہوتا اور وہ اس کا بیٹا تھا جو اس کی ہر کام میں مدد کیا کرتا اسی لیئے وراثت مرد لڑکوں میں منحصر تھی کیونکہ وہی تلوار چلانے والے اور شرافت کی حفاظت کرنیوالے تھے اور لڑکوں کے ساتھ کسی اور کو کوئی حصہ نہیں ملتا تھا اور لڑکے کی عدم موجود گی میں متوفی کا جو سب سے زیادہ قریبی ولی ہوتا وہ وارث ہوتا اور وہ باپ تھا پھر بھائی پھر چچا وغیرہ۔

جب اسلام آیا تو اس نے ولایت کے اصول کو تو باقی رکھا لیکن اس کی بنیاد اسلام اور ہجرت قرار دی کیونکہ وہ ایک ایسی اسلامی جماعت کو قائم کرنا چاہتا تھا جس کے اعضاء ایک مضبوط رسی میں بندھے رہیں چنانچہ سورہ انفال میں ارشاد ہے۔

ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ والذین آووا ونصروا اولئک بعضھم اولیاء بعض والذین آمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولا یتھم من شئی حتی یھاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم و بینھم

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور لپنے مال اور جان سے اللہ کے رستہ میں جہاد بھی کیا اور جن لوگوں نے رہنے کو جگہ دی اور مدد کی یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور جو لوگ ایمان تو لائے اور ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد چاہیں

Marfat.com

میثاق واللہ بما تعملون بصیر و الذین کفروا بعضھم اولیاء بعض الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض و فساد کبیر والذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین آووا ونصروا اولٰئک ھم المومنون حقا لھم مغفرۃ ورزق کریم والذین آمنوا من بعد وھاجروا وجاھدوا معکم فاولٰئک منھم۔

تو تمہارے ذمہ مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں باہم صلح کا معاہدہ ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتے ہیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں اگر اس حکم (مذکور) پر عمل نہ کروگے تو دنیا میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا اور جو لوگ (اول) مسلمان ہوئے اور انھوں نے (ہجرت نبویہ کے زمانہ میں) ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے اور جن لوگوں نے (ان مہاجرین کو) اپنے یہاں ٹھیرایا اور ان کی مدد کی یہ لوگ ایمان کا پورا حق ادا کرنے والے ہیں اوروں کے لئے (آخرت میں) بڑی مغفرت اور (جنت میں) بڑی معزز روزی ہے اور جو لوگ (ہجرت نبویہ کے) بعد کے زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا سو یہ لوگ (گو فضیلت میں تمہارے برابر نہیں لیکن تاہم) تمہارے ہی شمار میں ہیں۔

اور اس قانون سے مہاجر مومن اور اس کے غیر میں جو ایمان نہیں لایا یا ایمان تو لایا لیکن ہجرت نہیں کی ولایت کا رشتہ منقطع ہوگیا۔

پھر اس ولایت کو سلسلہ وار قربت قرابت کے لحاظ سے لازم قرار دیا چنانچہ اسی کے بعد ارشاد فرمایا۔

واولوالارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ ان اللہ بکل شیء علیم۔

اور جو لوگ رشتہ دار ہیں کتاب اللہ میں ایک دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حقدار ہیں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

اور سورۂ احزاب میں ارشاد فرمایا۔

واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ من المومنین و المھاجرین الا ان تفعلوا الی

اور کتاب اللہ میں رشتہ دار ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں

Marfat.com

اولیاء کم معروفا کان ذلک فی الکتاب مسطورا۔

سے کچھ سلوک کرنا چاہو تو وہ جائز ہے یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہے۔

اور سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا۔

ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون والذین عقدت ایمانکم فاٰتوھم نصیبھم ان اللہ کان علی کل شیئ شھیدا۔

اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار لوگ چھوڑ دیں ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں ان کو ان کا حصہ دیدو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہیں۔

اس آیت میں ولایت عقد جو ولاء موالات کے نام سے مشہور تھی جائز قرار دی گئی جس کا یہ مطلب تھا کہ مرنے والا جو کچھ چھوڑ جاتا وہ اولاد کے بعد اس کے قریبی اعزہ والدین و اقرباء کے ساتھ ان کو بھی ملے جن سے قسما قسمی عہد و پیمان ہو جاتا تھا اور یہ ولاء عقد زمانہ جاہلیت میں اس طرح قرار دی جاتی تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص کے ساتھ عہد و پیمان کر لیا کرتا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اسلام نے اس عقد کو باطل نہیں کیا۔

پھر اسلام نے جاہلیت کے اس قاعدہ کو توڑ دیا کہ ترکات میں استحقاق صرف مرد کا رہے چنانچہ سورہ نساء میں ارشاد فرمایا۔

للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ اوکثر نصیبا مفروضا۔

مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابتدار چھوڑ جاویں اور عورتوں کیلئے بھی حصہ ہے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر ہو یہ حصہ فرض ہے۔

یہ سب عام قاعدے تھے جس میں اس کی صراحت نہیں کی گئی کہ کس وارث کو کس قدر حصہ ملے گا اور ان سب کی بنیاد شریعت میں تدریجی قواعد کی ترتیب ہے جس کا ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے۔

صاحب مال کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ خود اس کی تصریح کر دے کہ وہ اپنے مال میں سے والدین اور اقرباء کو کیا دینا چاہتا ہے چنانچہ آیت وصیت کو نازل فرمایا جس کا ہم نے اوپر ذکر

Marfat.com

کردیا پھراس کے بعد خود خدا عزوجل نے اس کی صراحت فرمادی کہ لڑکوں وغیرہ میں سے ہر وارث کو کتنا حصہ ملنا چاہیئے اور ان سب میں یہ رعایت ملحوظ رکھی کہ عورت پر مرد کی فضیلت باقی رہے جبکہ میت سے ان کی قرابت کا درجہ برابری کا رہے بجز اخیافی بھائی بہنوں کے کہ قرآن مجید سے تو ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کو برابر حصہ ملے گا اگرچہ اس بارہ میں کوئی صریح حکم نہیں چنانچہ سورۂ نساء میں ارشاد ہے۔

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک وان کانت واحدۃ فلھا النصف۔

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باپ میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو کہ مورث چھوڑ مرا ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو نصف ملے گا۔

اور والدین کی میراث کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

ولابویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس۔

اور ماں باپ کے لئے یعنے دونوں میں سے ہر ایک کے لئے میت کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ہے اگر میت کے کوئی اولاد ہے اور اگر اس میت کے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہن ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔

اور میاں بی بی کی میراث کے بارے میں فرمایا۔

ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد فان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن من بعد وصیۃ یوصین بھا او دین ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم۔

اور تم کو آدھا حصہ ملے گا اس ترکہ کا جو تمہاری بیبیاں چھوڑ جاویں اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو اور اگر ان بیبیوں کے کوئی اولاد ہو تو تم کو ان کے ترکہ سے چوتھائی حصہ ملے گا وہ وصیت پوری کرنے کے بعد جو وہ کر جائیں یا قرض ادا کرنے کے بعد اور ان بیبیوں کو چوتھائی حصہ ملے گا اس ترکہ کا جس کو تم چھوڑ جاؤ اگر تمہارے

Marfat.com

کوئی اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے کوئی اولاد ہو توان کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصّہ ملے گا۔

اور ماں کی اولاد کے بارے میں فرمایا۔

وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ وله اخ او اخت فلکل واحد منهما السدس فان کانوا اکثر من ذلك فهم شرکاء فی الثلث

اور اگر کوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی خواہ وہ میت مرد ہو یا عورت ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع ہوں اور اس کے ایک بھائی یا بہن ہو توان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصّہ ملے گا اور اگر یہ لوگ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی میں شریک ہوں گے۔

اور عصباتی بھائی بہنوں کے متعلق فرمایا۔

یستفتونك قل الله یفتیکم فی الکلالۃ ان امرؤ هلك لیس له ولد وله اخت فلها نصف ماترك وهو یرثها ان لم یکن لها ولد فان کانتا اثنتین فلهما الثلثان مما ترك وان کانوا اخوۃ رجالا و نساءً فللذکر مثل حظ الانثیین۔

لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جاوے جس کے اولاد نہ ہو اور نہ ماں باپ اور اس کے ایک (یعنی یا علاتی) بہن ہو تو اس کو اس کے تمام ترکہ کا نصف حصّہ ملے گا اور وہ شخص اس (اپنی بہن) کا وارث ہوگا اگر وہ بہن مر جاوے اور اس کے اولاد نہ ہو اور والدین بھی نہ ہوں) اور اگر بہنیں دو ہوں (یا زیادہ) توان کو اس کے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملیں گے اور اگر چند وارث بھائی بہن ہوں مرد اور عورت تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصّہ کے برابر حصّہ ملے گا۔

اور مسئلہ میراث کو وصیت اور قرض کے بعد قرار دیا۔

اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا الحقوا الفرایض باھلها فما بقی فلا ولی رجل ذکر یعنے پہلے ان کو دو جن کے حقوق کی ادائی فرض ہے اور جو باقی رہے وہ قریبی مرد رشتہ دار کو دو اور اسی سے ان لوگوں کی میراث بھی معلوم ہو جاتی ہے جن کا ذکر قرآن مجید نے نہیں کیا ہے یعنی چچا اور ان کی اولاد وغیرہ کی۔

Marfat.com

معاملات

معاملات سے مراد وہ تمام معاہدات ہیں جن سے لوگ اپنے منافع کا آپس میں تبادلہ کرتے ہیں اور قرآن مجید نے اجمالاً اور قاعدہ کلیہ کے طور پر ان کا ذکر کیا ہے لیکن ان کی تفصیلات مجتہدین امت کے لئے چھوڑ دیں، انہی قواعد کلیہ میں سے یہ بھی ہے کہ

(۱) تمام معاہدات کو پورا کرنے کا عام حکم دیا چنانچہ سورہ مایدہ کے شروع میں ارشاد فرمایا۔

یاایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود	اے ایمان والو عہدوں کو پورا کرو۔

اور یہ ایک ایسا عام کلمہ ہے جو ان تمام پابندیوں کو شامل ہے جو ایک انسان دوسرے انسان کے لئے لازم قرار دیتا ہے۔

(۲) لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے اور اس کو حکام کے پاس پہونچنے کا ذریعہ بنانے سے منع فرمایا چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔	اور آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق (طور پر) مت کھاؤ اور ان اموال کو حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ بطریق

گناہ (یعنے ظلم) کے کھا جاؤ اور تم کو (اپنے جھوٹ اور ظلم کا) علم بھی ہو۔

اور تجارت کے نفع کو جائز قرار فرمایا چنانچہ سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا۔

یاایھا الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃً عن تراضٍ منکم۔	اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو تو مضایقہ نہیں۔

لیکن چونکہ اس میں ایک گمان یہ بھی ہوتا تھا کہ غیر کا مال کھانا چاہے وہ قرابتدار ہی کیوں نہ ہو منع ہوگا اس لئے سورۂ نور میں اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ جل ذکرہ نے فرما دی۔

لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج ولا علی	نہ تو اندھے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے

Marfat.com

انفسکم ان تاکلوا من بیوتکم او بیوت آبائکم او بیوت امھاتکم او بیوت اخوانکم او بیوت اخوٰتکم او بیوت اعمامکم او بیوت عمٰتکم او بیوت اخوالکم او بیوت خٰلٰتکم او ما ملکتم مفاتحہ او صدیقکم لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعا او اشتاتا۔

اور نہ بیمار کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے اس بات میں (کچھ مضائقہ ہے) کہ تم اپنے گھروں سے (جن میں بی بی اور اولاد گھر بھی آ گئے) کھانا کھالو یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (پھر اس میں بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ (کھاؤ)

(۳) بطور خاص قرآن مجید نے خرید و فروخت کا ذکر کیا جو مبادلات میں اہم ہے لہذا اس کی حلت اور سود کی حرمت بیان فرمائی چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

الذین یاکلون الربٰوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ذلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربٰوا واحل اللہ البیع وحرم الربٰوا۔

اور جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان لپٹ کر خبطی بنادے (یعنی حیران و مدہوش) یہ (سزا) اسی لئے ہوگی کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے۔

پھر ارشاد فرمایا۔

یمحق اللہ الربٰوا ویربی الصدقات واللہ لا یحب کل کفار اثیم۔

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو (اور) کسی گناہ کے کام کرنے والے کو۔

پھر ارشاد فرمایا۔

یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا

Marfat.com

مابقی من الربوا ان کنتم مؤمنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم روؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون ۰ وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون۔

بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف جنگ کا اعلان سُن لو (یعنی تمہارے خلاف وہ جہاد ہوگا) اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جاویں گے نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا اور اگر قرضدار تنگدست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے آسودگی تک اور یہ (بات) کہ معاف ہی کر دو اور زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو (اس کے ثواب کی) خبر ہو۔

اور سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا۔

یاایہا الذین آمنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ۔

اے ایمان والو سود مت کھاؤ (یعنی نہ لو اصل سے) کئی حصہ زائد (کرکے)

اور قرآن نے اس کی وضاحت نہیں کی کہ بیع کیا چیز ہے اور سود کیا چیز ہے کیونکہ سامعین کے نزدیک یہ بات صاف تھی چنانچہ وہ آپس میں خرید و فروخت کرتے تھے، اور ایک مدت معینہ پر قرض کا بھی لین دین کیا کرتے تھے اور جب مدت ختم ہو جاتی تو قرض خواہ مدیون سے کہتا کہ یا تو ادا کر یا سود قبول کر تو اگر وہ ادا نہ کر سکتا تو اس پر قرض کو بڑھا دیتا اس طرح کہ اونٹنی جس عمر کی ہوتی اس سے زیادہ عمر والی کر دیتا اور اگر غلہ کا ایک پیالہ ہوتا تو اس کو دو پیالے کر دیتا، اور قرآن نے اس کی بھی وضاحت فرما دی کہ سود ضرر ہے معافی کے مبدا کی جس پر شریعت اسلامیہ کی بنیاد رکھی گئی ہے چنانچہ سورۂ روم میں ارشاد ہے۔

وما آتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ وما آتیتم من زکاۃ تریدون وجہ اللہ فاولئک ھم المضعفون۔

اور جو چیز تم اس غرض سے دو کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ تم دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے لوگ خدا تعالےٰ کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔

اور عرب کی عادات اور بعض احادیث سے یہ بات صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ سود

Marfat.com

دراصل ادائے قرض کی مدت مقرر کرنے کے مقابلہ میں ہے اس شخص کے لئے جو نقد معاوضہ ادا کرنے سے عاجز ہو۔

قرآن مجید نے جو اہم اصول مرتب فرمائے ہیں ان میں سے اس قرض کی تحریر کا نظام بھی ہے جو مدت مقررہ کے اندر ادا کیا جائے اور اس بارے میں جو آیت نازل ہوئی وہ ایک طویل آیت ہے جو سورہ بقرہ میں ہے اور یہ آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے۔ ارشاد ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ ولیکتب بینکم کاتب بالعدل ولا یاب کاتب ان یکتب کما علمہ اللہ فلیکتب ولیملل الذی علیہ الحق ولیتق اللہ ربہ ولا یبخس منہ شیئا۔ فان کان الذی علیہ الحق سفیہا او ضعیفا او لا یستطیع ان یمل ہو فلیملل ولیہ بالعدل۔ واستشہدوا شہیدین من رجالکم: فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتان ممن ترضون من الشہداء ان تضل احدہما فتذکر احدہما الاخری۔ ولا یاب الشہداء اذا ما دعوا۔ ولا تسأموا ان تکتبوہ صغیرا او کبیرا الی اجلہ ذلکم اقسط عند اللہ واقوم للشہادۃ وادنی الا ترتابوا الا ان تکون تجارۃ حاضرۃ تدیرو نہا بینکم فلیس علیکم جناح

اے ایمان والو جب ایک میعاد معین تک (کے لئے) ادھار کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو اور یہ ضرور ہے کہ تمہارے آپس میں (جو) کوئی لکھنے والا (ہو وہ) انصاف کے ساتھ لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار بھی نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو (لکھنا) سکھلا دیا اس کو چاہیئے کہ لکھ دیا کرے۔ اور وہ شخص لکھوا دے جس کے ذمہ وہ حق واجب ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرتا رہے اور اس میں سے ذرہ برابر (بتلانے میں) کمی نہ کرے پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا وہ اگر ضعیف العقل ہو یا ضعیف البدن ہو یا خود لکھانے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی ٹھیک ٹھیک طور پر لکھوا دے اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ (بھی) کر لیا کرو پھر اگر وہ دو گواہ مرد (میسر) نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنا لی جائیں) ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو تاکہ ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی بھول جائے تو ان میں ایک

Marfat.com

الا تکتبوھا۔ واشھدوا اذا تبا یعتم ولا یضار کاتب ولا شھید و ان تفعلوا فانہ فسوق بکم واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ واللہ بکل شیٔ علیم۔

وان کنتم علی سفر ولم تجدوا کاتبا فرھان مقبوضۃ۔ فان امن بعضکم بعضا فلیؤ والذی اؤتمن امانتہ ولیتق اللہ ربہ۔ ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ واللہ بما تعملون علیم۔

دوسری کو یاد دلا وے اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب (گواہ بننے کے لئے) بلائے جایا کریں اور تم اس (قرض) کے بار بار لکھنے سے اکتایا مت کرو خواہ (وہ) معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک انصاف کا زیادہ قایم رکھنے والا ہے اور شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ سزاوار ہے اس بات کا کہ تم (معاملہ کے متعلق) کسی شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ کوئی سودا دست بدست ہو جس کو باہم لیتے دیتے ہو تو اس کے نہ لکھنے پر تم پر کوئی حرج نہیں ہے اور (اتنا اس میں بھی ضرور کیا کرو کہ) خرید و فروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو اور کسی کاتب کو تکلیف نہ دی جاوے اور نہ کسی گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو اس میں تم کو گناہ ہوگا اور خدا سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ (کا تم پر احسان ہے کہ) تم کو تعلیم فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

اور اگر تم کہیں سفر میں ہو اور (وہاں) کوئی کاتب نہ پاؤ سو رھن رکھنے کی چیزیں (ہیں) جو قبضہ میں دیدی جائیں اور اگر ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو تو جس شخص کا اعتبار کر لیا گیا ہے (یعنی مدیون) اس کو چاہیئے کہ دوسرے کا حق پورا پورا ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے جو کہ اس کا پروردگار ہے ڈرے اور شہادت کا اخفا مت کرو اور جو شخص اس کا اخفا کرے گا اس کا قلب گنہگار ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں۔

اور سنت نے بہت سے معاملات کو قضایائے نبوی میں صاف کر دیا ہے اور یہ سب عام احکام قرآن کے مطابق ہیں یا اس کے مجمل کی تفصیل یا اس کے مطلق کو مقید کرتی ہیں جس کو ہم استنباط احکام کے سلسلہ میں مسلمانوں کے اجتہاد میں بیان کریں گے۔

سزائیں

قرآن مجید کی اکثر سزائیں جن سے مجرمین کو ڈرایا گیا ہے وہ اخروی سزائیں ہیں جن میں سے

Marfat.com

اکثر ان جرائم پر بیان کی گئی ہیں جن کی وضاحت کی گئی ہے۔ رہا دینوی سزائیں تو اپنی کتاب میں وہ پانچ مقرر فرمائی ہیں۔

(۱) قصاص' یہ معلوم ہے کہ عرب میں قصاص کا ایک نظم موجود تھا جو عادات تقالید سے حاصل ہوا تھا اور وہ یہ کہ کل قبیلہ اس کے کسی ایک فرد کی خطا کا ذمہ دار تھا الا انکہ اس نے عام مجمعوں میں اس سے علیحدگی کا اعلان کر دیا ہو اسی لئے بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ جس پر کسی خطا کا ارتکاب کیا گیا ہو اس کا ولی صرف خطا کار سے قصاص کے طلب کرنے کو کافی سمجھتا ہو خصوصاً جبکہ وہ شخص جس پر خطا کا ارتکاب کیا گیا ہو وہ اپنی قوم میں شریف یا سید ہو بلکہ وہ اپنے مطلب کے حاصل کرنے میں زیادہ وسعت اختیار کرتا تھا جو قبیلوں میں جنگ تک پہنچا دیتی تھی اور بسا اوقات مخطی کا قبیلہ اس کی حمایت کرتا جس سے شرور اور لڑائیاں پیدا ہو جاتیں یہاں تک کہ بسا اوقات ان کی مدت بڑھ جاتی چنانچہ قرآن نے قصاص میں مسئولیت کو محدود بیان کیا اس طرح کہ صرف خطا کار پر اس کا انحصار فرما دیا چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی۔	اے ایمان والو تم پر (قانون) قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین (بقتل عمد) کے بارہ میں آزاد آدمی آزاد آدمی کے عوض میں اور غلام غلام کے عوض میں اور عورت عورت کے عوض میں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ جرم کا مواخذہ جس سے کیا جائے وہ صرف مجرم ہی ہونا چاہیے پھر اس دینوی زندگی میں نظام قصاص کی ضرورت کو مختصر اور لطیف نکتہ میں ظاہر فرما دیا کہ

ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون۔	اور اے سمجھ والو (اس قانون) قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے ہم امید کرتے ہیں کہ تم لوگ (ایسے قانون امن کی خلاف ورزی کرنے سے) پرہیز رکھو گے۔

اور یہی مطلب مختصراً اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی سمجھ میں آتا ہے جو سورہ اسراء میں ہے جو مکی ہے۔

ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل	اور جو شخص ناحق قتل کیا جاوے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے سو اس کو

Marfat.com

انه كان منصورا۔ قتل کے بارہ میں حد (شرع) سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے وہ شخص طرفداری کے قابل ہے۔

اور یہ نظام عربی ہے جس کو قرآن نے باقی رکھا ہے یعنے مقتول کے ولی کو قصاص کے طلب کرنے میں ولایت کا حق۔

نیز عرب میں دیت کا نظام بھی موجود تھا جس کو قرآن نے باقی رکھا اور اس کی طرف سورہ بقرہ میں اپنے اس ارشاد سے باقی رکھا۔

فمن عفی له من اخیه شیئ فاتباع بالمعروف واداء الیه باحسان ذلك تخفیف من ربكم ورحمة فمن اعتدی بعد ذلك فله عذاب الیم۔

ہاں جس کو اس کے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہو جاوے (اگر پوری معافی نہ ہو) تو (مدعی کے ذمہ) معقول طور پر (خون بہا کا) مطالبہ کرنا اور (قاتل کے ذمہ) خوبی کے ساتھ اس کے پاس پہونچا دینا یہ (قانون دیت وعفو) تمہارے پروردگار کی طرف سے (سزا میں) تخفیف اور (شاہانہ) ترحم ہے پھر جو شخص اس کے بعد تعدی کا مرتکب ہو تو اس شخص کو بڑا دردناک عذاب ہوگا۔

اور سورہ نساء میں ارشاد فرمایا۔

ومن قتل مؤمنا خطاءً فتحریر رقبة مؤمنة ودیة مسلمة الی اهله الا ان یصدقوا۔ فان كان من قوم عدو لكم وهو مومن فتحریر رقبة مؤمنة۔ وان كان من قوم بینكم وبینهم میثاق فدیة مسلمة الی اهله وتحریر رقبة مؤمنة فمن لم یجد فصیام شهرین متتابعین توبة من الله وكان الله علیما حكیما۔

اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کردے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور خونبہا ہے جو اس کے خاندان والوں کے حوالہ کردی جائے مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کردیں اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو تو خونبہا ہے جو اس کے خاندان والوں کے حوالہ کردی جائے اور ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا پھر جس شخص کو نہ ملے تو متواتر دو ماہ کے روزے ہیں بطریق توبہ کے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم اور حکمت والے ہیں۔

اور سنت نے دیت کے نظام کی وضاحت فرمادی جس میں بعض کو عاقلہ پر رکھا (یعنے اہل

Marfat.com

قبیلہ یا اہل خاندان یا اہل محلہ اور یہی ایک واحد شئے ہے جو مسئولیت کی وسعت کی بنا پر عرب کے لئے باقی رکھدی گئی ہے۔

اور قرآن مجید نے تورات کے نظام کی خبر دی جو اعضا کے قصاص کے بارہ میں تھا چنانچہ سورہ مایدہ میں ارشاد فرمایا۔

وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ۔

اور ہم نے ان پر اس میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے پھر جو شخص اس کو معاف کردے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہوجائے گا۔

(زانی کی سزا)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں زانی کی سزا بغیر کسی تفصیل کے سو کوڑے بیان فرمائی ہے چنانچہ سورۂ نور میں ارشاد ہے۔

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مایۃ جلدۃ ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ولیشھد عذابھما طایفۃ من المؤمنین۔

زنا کرانے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد سو ان میں ہر ایک کے سّو دُرّے مارو اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہیئے اگر اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیئے۔

اور زانیہ لونڈی کے لئے اس سزا کا نصف مقرر فرمایا چنانچہ سورۂ نساء میں ارشاد ہے۔

فاذا اُحصن فان اتین بفاحشۃ فعلیھن نصف ما علی المحصنات من العذاب۔

پھر جب وہ لونڈیاں منکوحہ بنائی جائیں پھر اگر وہ بڑی بے حیائی کا کام کریں تو ان پر اس سزا سے نصف سزا ہوگی جو کہ آزاد عورتوں پر ہوتی ہے۔

اور احادیث میں شادی شدہ زانی کی سنگساری کا حکم آیا ہے چنانچہ صحیح مسلم میں ابو اسحاق شیبانی

Marfat.com

سے روایت ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن ابی اوفی سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو سنگسار فرمایا ہے تو انھوں نے فرمایا ہاں تو پوچھا کہ سورۂ نور کے احکام نازل ہونے کے بعد یا پہلے تو فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔

(۳) پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے والے کی سزا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس شخص کی سزا جو شادی شدہ عورت پر زنا کی تہمت لگائے اسّی کوڑے مقرر فرمائی ہے چنانچہ سورہ نور میں ارشاد ہے۔

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئك هم الفاسقون الا الذین تابوا من بعد ذلك و اصلحوا فان الله غفور رحیم ۔	اور جو لوگ (زنا کی) تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں پر اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے پر) نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اسّی دُرّے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی قبول مت کرو (یہ تو دنیا میں ان کی سزا ہوئی) اور یہ لوگ (آخرت میں بھی مستحق سزا ہیں اس وجہ سے کہ) فاسق ہیں

لیکن جو لوگ اس (تہمت لگانے) کے بعد (خدا کے سامنے) توبہ کرلیں اور اپنی (حالت کی) اصلاح کرلیں سو (اس حالت میں) اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرنے والا رحمت کرنے والا ہے۔

اور اگر شوہر اپنی بیوی پر تہمت لگائے تو اس کا ایک خاص نظام بیان فرمایا چنانچہ اسی سورہ میں ارشاد فرمایا۔

والذین یرمون ازواجهم ولم یکن لهم شهداء الا انفسهم فشهادة احدهم اربع شهادات بالله انه لمن الصادقین والخامسة ان لعنة الله علیه ان كان من الكاذبین ۔	اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے (ہی دعوے کے) اور کوئی گواہ نہ ہوں (جن کا عدد میں چار ہونا چاہیئے) تو ان کی شہادت (جو کہ دافع حبس یا حد قذف ہو) یہی ہے کہ چار بار اللہ

کی قسم کھا کر یہ کہدے کہ بیشک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔

اور جس طرح اللہ کے نام کے ساتھ مرد کی چار گواہیاں چار گواہوں کے قائم مقام ہیں اسی طرح قرآن مجید نے عورت کی برات کا بھی ایک طریقہ مقرر فرمادیا چنانچہ اسی کے بعد یہ ارشاد فرمایا۔

Marfat.com

ویدرؤا عنها العذاب ان تشهد اربع شهادات بالله انه لمن الکاذبین والخامسة ان غضب الله علیها ان کان من الصادقین۔

اور (اس کے بعد) اس عورت سے سزا (حبس یا حد زنا) اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ بیشک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ سچا ہو۔

اور ان دونوں آیتوں میں ادنیٰ فکر سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ان دونوں آیات کا مقصد صرف شوہر کی طرف سے جرم کا ثبوت اور بیوی کی طرف سے اس کی تردید ہے بس اور اس میں نکاح اور اولاد سے متعلق کوئی امر نہیں ہے۔

(۴) چور کی سزا۔

اللہ تعالیٰ نے چور کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر فرمائی ہے چنانچہ سورہ مایدہ میں ارشاد ہے۔

والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما جزاء بما کسبا نکالا من الله والله عزیز حکیم فمن تاب من بعد ظلمه واصلح فان الله یتوب علیه ان الله غفور رحیم۔

اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے سو ان دونوں کے (داہنے) ہاتھ (گٹے پر سے) کاٹ ڈالو ان کے کردار کے عوض میں بطور سزا کے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ بڑے قوت والے ہیں (جو سزا چاہیں مقرر فرمائیں) بڑے حکمت والے ہیں (کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتے ہیں) پس جو شخص توبہ کرے اپنی اس زیادتی کرنے کے بعد اور اعمال کی درستی رکھے تو بے شک اللہ تعالیٰ[عہ] بے شک خدا تعالیٰ بڑے مغفرت والے ہیں (کہ اس کا گناہ معاف فرما دیا) بڑے رحمت والے ہیں (کہ آیندہ بھی مزید عنایت فرمائیں گے)

(۵) رہزنوں کی سزا۔

رہزنوں کی سزا اللہ تعالیٰ نے سورہ مایدہ میں بیان فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

انما جزاء الذین یحاربون الله و رسوله ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف او ینفوا من

اور جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی دیے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب

عہ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے۔

Marfat.com

الارض ذلک لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الاخرة عذاب عظیم الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیهم فاعلموا ان الله غفور رحیم۔ سے کاٹ دئے جائیں یا زمین پر سے نکال دئے جائیں یہ ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے (اس سے بھی) بڑا عذاب ہوگا۔ لیکن جن لوگوں نے تمہارے قابو پانے سے پہلے توبہ کرلی تو جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے اور بڑے رحمت والے ہیں۔

اور قرآن مجید میں مندرجہ بالا سزاؤں کے علاوہ اور کسی سزا کا ذکر نہیں البتہ احادیث میں ایک اور سزا کا ذکر ہے اور یہ چھٹی سزا ہے اور وہ شراب پینے والے کی سزا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے۔

اور حدود میں قرآن مجید نے جن اصول کو بنیاد قرار دیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) امت کی بھلائی چنانچہ قصاص کے ذکر میں ارشاد فرمایا۔

ولکم فی القصاص حیوة یا اولی الالباب لعلکم تتقون۔ اے سمجھ والو (اس قانون) قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ تم لوگ (ایسے قانون امن کی خلاف ورزی کرنے سے) پرہیز رکھو گے۔

(۲) مجرم کی تنبیہ کہ پھر وہ جرم کو دوبارہ کرنے کی جرأت نہ کرسکے چنانچہ چوروں کی سزا کے ذکر میں ارشاد فرمایا۔

جزاء بما کسبا نکالا من الله۔ (یہ) ان کے کردار کے عوض میں بطور سزا کے اللہ کی طرف سے (ہے)

اور رہزنوں کی سزا کے ذکر میں ارشاد فرمایا۔

ذلک لهم خزی فی الدنیا۔ یہ ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی ہے۔

(۳) بدنی سزاؤں کا ہونا تاکہ اثر میں شدت ہو۔

پھر بھی احادیث میں ان سزاؤں کے جاری کرنے میں بہت احتیاط کا حکم دیا گیا ہے تاکہ نفس سزا میں تنبیہ سختی کے ساتھ ہو اور ثبوت میں احتیاط کی وجہ سے تخفیف ہو کیونکہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے جو حدیث ترمذی میں مروی ہے وہ یہ ہے ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان له مخرج فخلوا سبیله فان الامام ان یخطئ فی العفو خیر من ان یخطئ فی العقوبة یعنے مسلمانوں کو جہاں تک ہوسکے تم سزا سے بچاؤ

Marfat.com

اور اگر کوئی صورت نکلے تو ان کو رہا کردو کیونکہ امام کا سزا دینے میں غلطی کرنے سے تو کہیں یہ بہتر ہے کہ وہ عفو میں غلطی کر جائے یہ تمام وہ امور ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحیاً نازل فرمایا اور آپؐ کو حکم دیا کہ اس کو لوگوں تک پہونچادیں اور یہ کہ آپؐ ان پر اسی طرح ظاہر کریں جیسا آپؐ کو حکم دیا گیا۔ اور اپنی سنت عملیہ وقولیہ سے لوگوں کو تمام وہ باتیں بتادیں جو آپؐ پر نازل کی گئی تھیں۔

Marfat.com

دوسرا دور

جلیل القدر صحابہ کے زمانہ میں قانون شریعت

۱۱ھ سے ۴۰ھ تک

سیاسی پس منظر

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور ابوبکر صدیق رضؓ خلیفہ بنائے گئے تو اکثر عرب اسلام سے پھر گئے لیکن ابوبکر صدیق رضؓ کا عزم راسخ اور مہاجرین وانصار کی قوت ایمانیہ ستون اسلام کو قائم رکھنے کا بہترین ذریعہ تھی کہ آپ نے فوجوں کو مرتب کیا اور پیدا شدہ کجی کو سیدھا کر کے وحدت عربیہ کو لوٹایا اور جب ابوبکر صدیق رضؓ کو اس میں کامیابی ہوگئی تو آپ نے عراق وشام کی طرف فوجیں بھیجیں کہ رومی وفارسی سلطنتوں میں اشاعت اسلام کریں لیکن قبل اس کے کہ حالت کی پوری وضاحت ہوتی اور معلوم ہوتا کہ انجام کار کس کو کامیابی ہوتی ہے آپ کی وفات واقع ہوگئی اور حضرت عمر رضؓ کا زمانہ آیا کہ ان کے ہاتھوں پر فتوحات ہوئیں اور مسلمان مشرقی سمت سے اکثر بلاد فارس پر قابض ہوگئے یہاں تک کہ نہر جیحوں یعنے آمو دریا تک پہونچ گئے اور شمالی جانب سے سوریا اور آرمینیہ کے شہروں پر قابض ہوگئے اور مغرب کی طرف سے مصر ان کے زیر نگیں ہوگیا اور ان کے عہد مبارک میں بڑے بڑے اسلامی ملکوں کی بنیاد پڑی جیسے کہ فسطاط اور کوفہ اور بصرہ جہاں مسلمانوں کی بڑی تعداد نے قیام کیا جس میں صحابہ کی کثیر تعداد تھی اور اسی زمانہ میں اسلام میں امت عربیہ کے علاوہ دیگر اقوام کثیر تعداد میں داخل ہوئیں اور حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ میں تو یہ فتوحات مشرق ومغرب میں پھیل گئیں لیکن یہ عمارت مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ ان کو ایک شدید صدمہ سے دوچار ہونا پڑا اور یہ وہی شورش تھی جو امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں اٹھی تھی جو ان کے دشمنوں کی سازش سے شروع ہوئی اور اس کی

Marfat.com

انتہا ان تینوں بڑے ملکوں سے بڑی جماعتوں کے مدینہ آنے پر ہوئی جنھوں نے آپ کی حیات مبارک کا خاتمہ کر دیا اور اسی سبب سے مسلمانوں میں تفریق پیدا ہوگئی ایک جماعت تو حضرت عثمانؓ سے بغض رکھنے والوں کی تھی اور انہی لوگوں نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ایک فریق قاتلین حضرت عثمانؓ سے بغض رکھنے والوں کا تھا اور یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا اتباع کیا جس میں پہلی جماعت کا مستقر عراق کا پایہ تخت کوفہ تھا اور دوسری کا دمشق تھا جو شام کا دار الخلافہ تھا پھر دونوں فریق میں بغض پیدا ہوگیا اور ایک نے دوسرے پر لعنت کی جس کا آخری نتیجہ دونوں فریق کے درمیان میدان صفین میں جنگ عظیم کی شکل میں نمودار ہوا اور فریقین کے جنگی نبرد آزما عالم اسلامی کے منتخب افراد تھے لیکن معرکہ کسی ایک فریق کے لئے فیصلہ کن نہ ہو سکا کیونکہ اہل شام نے "کتاب اللہ" کا فیصلہ طلب کیا اور اکثر اہل عراق نے اس کو قبول کیا اور اس تحکیم میں ایک فریق کے لئے قوت تھی تو دوسرے کے لئے ضعف بھی تھا پہلا فریق حضرت معاویہؓ کا تھا دوسرا حضرت علیؓ کا کیونکہ حضرت علیؓ کے ہی لشکر سے وہ شخص نکلا جس نے تحکیم پر عیب لگایا اور تحکیم سے راضی ہونے والوں پر لعنت کی جس کی وجہ سے علی ابن ابی طالب اپنے مخالف کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس سے ان کے مخالف کی طاقت میں زیادتی ہوگئی اور خود حضرت علیؓ انہی خوارج میں سے ایک کے ہاتھ سے شہید ہو گئے اور ان کی شہادت پر سواد اعظم نے حضرت معاویہ ابن ابی سفیان پر اتفاق کر لیا۔

یہ زمانہ اس حالت میں ختم ہوا کہ مسلمانوں میں تین سیاسی جماعتیں پیدا ہو چکی تھیں۔

(۱) عام مسلمین جو حضرت معاویہ اور ان کی خلافت پر متفق تھے۔

(۲) شیعہ جو حضرت علی اور اہل بیت کی محبت پر قائم رہے۔

(۳) خوارج جو حضرت عثمان حضرت علی حضرت معاویہ سب کے دشمن تھے اور ان تینوں فریق کا شریعت اسلامی میں خاص اثر تھا جو آیندہ دور میں ظاہر ہوا۔

دورِ ثانی میں کتاب و سنت

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کر دیا قرآن مجید بتدریج نازل ہوا اور جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی رسولؐ نے اس کو جمہور تک پہنچا دیا اور وحی کے لکھنے والوں کو اس کے لکھنے کا حکم دیا

Marfat.com

لیکن جمہور مسلمین میں بعض وہ لوگ بھی تھے جو صرف اس کا حفظ کافی سمجھتے تھے اور جو ان کو ملتا تھا اس کو یاد کرلیا کرتے تھے اور بعض لوگ لکھ لیا کرتے تھے اور رسول علیہ السلام ان کو آیات اور سورتوں کی ترتیب بتلادیا کرتے تھے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا لیکن قرآن مجید کسی ایک مصحف میں جمع نہیں ہوا بلکہ حفاظ کے سینوں میں محفوظ تھا یا کاتبان وحی کے صحیفوں میں یا دوسرے صحیفوں میں جو عام کاتبوں کے پاس تھے' اور عہد نبوی میں حفاظ کی تعداد بہت تھی جن میں سے بعض کل قرآن کے حافظ تھے۔

حضرت ابی بکرؓ کے زمانہ ہی میں وہ واقعہ پیش آگیا جس نے آپ کو کل قرآن کو ایک مصحف میں جمع کرنے کی طرف۔ توجہ دلادی اور وہ یہ کہ جنگ یمامہ کی فوج میں حفاظ قرآن کی ایک بڑی جماعت تھی جن کے حق میں شہادت لکھی تھی جس سے حضرت ابوبکرؓ کو قرآن کے ضائع ہونے کا ڈر پیدا ہوگیا چنانچہ بخاریؒ نے حضرت زیدؓ بن ثابت سے روایت کی ہے کہ ابوبکرؓ نے اہل یمامہ کی جنگ کے بعد مجھے بلایا تو میں نے دیکھا کہ عمرؓ بن خطاب ان کے پاس موجود ہیں تو ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میرے پاس عمرؓ آئے اور بیان کیا کہ یمامہ کے دن قرار قرآن پر قتل کی شدت پڑی اور مجھے اس بات کا خوف ہے کہ اور مواقع میں قرار پر قتل کی شدت واقع ہو تو اکثر قرآن ضائع ہوجائے گا لہذا میری رائے ہے کہ آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دیں جس پر میں نے عمرؓ سے کہا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہم کس طرح کریں تو عمرؓ نے کہا خدا کی قسم یہ بہتر ہے پھر عمرؓ مجھ سے اصرار کرتے رہے حتی کہ اللہ تعالی نے میرے دل کو اس کام کیلئے کھول دیا اور میں نے وہی مناسب سمجھا جو عمرؓ کی رائے ہے۔ زیدؓ فرماتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ تم جوان آدمی ہو اور ذی ہوش ہو ہم تم پر کوئی شبہ نہیں کرسکتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وحی کی کتابت کیا کرتے تھے لہذا قرآن کی تلاش کرو اور جمع کرو' خدا کی قسم اگر مجھے کسی پہاڑ کو ہٹانے کی زحمت دیتے تو مجھ پر بار نہ ہوتا بہ نسبت اس کے کہ انھوں نے مجھے جمع قرآن کا حکم دیا' میں نے کہا کہ آپ وہ کام کیسے کرنا چاہتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تو فرمایا کہ واللہ یہ بہتر ہے پھر ابوبکرؓ مجھ سے اصرار کرتے رہے حتی کہ اللہ تعالی نے میرے دل کو اس بات کے لئے کھول دیا جس لئے اللہ تعالی نے ابوبکرؓ و عمرؓ کے دل کھول دئے تھے پھر میں نے قرآن کی تلاش شروع کردی اور کھجور کی شاخوں اور پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کردیا حتی کہ سورہ توبہ کی آخری دو آیتیں لقد جاء کم رسول سے آخر سورۃ توبہ تک ابی خزیمہ

Marfat.com

انصاری کے پاس سے لایا کہ ان کے سوا اور کسی کے پاس یہ آیتیں نہ تھیں پھر یہ صحیفے حضرت ابوبکرؓ کے پاس ان کی وفات تک رہے پھر حضرت عمرؓ کے پاس ان کی حیات تک رہے پھر حفصہؓ بنت عمرؓ کے پاس رہے۔

اور سیوطی نے اتقان میں روایت کی ہے کہ حارث محاسبی نے اپنی کتاب فہم السنن میں کہا ہے کہ قرآن کی کتابت بدعت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کے لکھنے کا حکم دیا تھا البتہ وہ متفرق ٹکڑوں ہڈیوں اور کھجور کی شاخوں میں لکھا ہوا تھا حضرت صدیقؓ نے تو مختلف مقامات سے جمع کرکے ایک جگہ کر دیا اور یہ ان اوراق کی جگہ ہو گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پائے گئے تھے جن میں قرآن منتشر تھا پھر جمع کرنے والے نے ایک جگہ جمع کر کے ایک تاگے سے باندھ دیا ہو کہ اس سے کوئی چیز ضائع نہ ہو۔

اور زیدؓ بن ثابت نے حفاظ قرآن اور کاتبان وحی میں سے ہونے کے باوجود اپنے حفظ اور کتابت پر ہی اعتماد نہ کیا بلکہ حافظوں کے سینوں سے اور کاتبان وحی کے صحیفوں سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانۂ مبارک میں جو لکھا ہوا پایا گیا اس سے مدد لی اور جمع کرنے کے بعد مہاجرین وانصار کی جماعت کے سامنے پڑھا اس طرح ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس ارشاد کی تکمیل ہو گئی کہ

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون۔ (ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔)

جیسا کہ اوپر گزر چکا یہ صحیفے پہلے ابوبکرؓ کے پاس پھر عمرؓ کے پاس پھر حفصہؓ یعنی حضرت عمرؓ کی صاحبزادی کے پاس محفوظ رہے اور خلیفہ ثالث عثمان بن عفانؓ کے زمانہ میں اسلام کے بڑے شہروں میں اس مصحف کی اشاعت کی ضرورت محسوس ہوئی۔

اور اس ضرورت کا احساس اس طرح ہوا کہ حفاظ قرآن ان شہروں میں پھیل گئے تھے اور وہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے اور ان کے آپس میں ان کے لغات کے اختلاف کی بناء پر قرآن مجید کے بعض حروف میں بھی اختلاف تھا جس کی وجہ سے کوئی قاری اپنی قرأت کو دوسرے سے افضل بتانے لگا اور حضرت عثمانؓ کو یہ خبر ملی تو اس سے آپ کو سخت خطرہ لاحق ہوا جس کا علاج آپ نے ضروری سمجھا اور بخاریؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ حذیفہ بن یمان جو آرمینیہ و آذربیجان کی جنگ میں عراقیوں کے ساتھ حصہ لے رہے تھے وہ حضرت عثمانؓ کے پاس

Marfat.com

پہونچے تو وہ ان قرار کے اختلاف سے گھبرائے ہوئے تھے چنانچہ حضرت عثمانؓ سے انھوں نے کہا کہ امت کی خبر لو قبل اس کے کہ اُن میں باہم ایسا اختلاف ہو جائے جیسے یہود و نصاریٰ میں اختلاف ہوا تھا تو حضرت عثمانؓ نے حفصہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ ہمارے پاس قرآن مجید کا نسخہ بھیج دو تو ہم اس کی نقل کرا کر تم کو واپس کر دیں گے تو حفصہؓ نے اس قرآن مجید کو حضرت عثمانؓ کے پاس بھیجا تو آپ نے حضرت زید بن ثابت اور عبد اللہ بن الزبیر و سعید بن العاص اور عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کو حکم دیا تو انھوں نے اس کی نقلیں تیار کر لیں پھر حضرت عثمانؓ نے قریش کے تینوں اشخاص کی جماعت سے فرمایا کہ جب تم میں اور زید بن ثابت میں قرآن کی کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اس کو قریش کی زبان میں لکھو اس لئے کہ وہ ان کی زبان میں نازل ہوا ہے جس پر انھوں نے ایسا ہی کیا اور جب نقلیں اس طرح مکمّل ہو گئیں تو حضرت عثمانؓ نے صحیفے حضرت حفصہؓ کے پاس بھیج دئے اور ان نقل شدہ قرآنوں میں سے ایک ایک قرآن ہر سمت میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ اس کے سوا جو قرآن کسی صحیفے یا مصحف میں ہو وہ جلا دیا جائے یہ ۲۵ھ کا واقعہ ہے اور جو قرآن لکھے گئے تھے اس میں سے ایک ایک نسخہ۔ کوفہ۔ بصرہ۔ دمشق اور مکہ معظمہ کو بھیجا گیا اور ایک مدینہ منورہ میں رکھا گیا اور ایک نسخہ حضرت عثمانؓ نے اپنے لئے رکھ لیا جو مصحف الامام کے نام سے مشہور تھا اور یہ تمام قرآن شہروں کی جامع مسجد میں رکھے گئے جس کو قرار پڑھتے تھے اور حفاظ اسی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے اس طرزِ عمل سے اللہ کی کتاب کو اس بات سے امن حاصل ہو گیا کہ اس میں سے ایک حرف کا بھی اختلاف ہو سکے

لیکن احادیث قولیہ کو جمع کرنے کی جانب کوئی التفات نہیں فرمائی گئی بلکہ بااوقات وہاں اس کے خلاف عمل پایا گیا کہ اس کی روایت بہت کم کی جائے جس کی تصریحات حسب ذیل ہیں۔

(۱) حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ ابن ابی ملیکہ کی اس روایت میں لکھا ہے کہ صدیق اکبرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی احادیث بیان کرتے ہو جس میں تم میں خود باہم اختلاف ہو جاتا ہے اور تمہارے بعد کے لوگوں میں تم سے زیادہ اختلاف رہے گا لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نہ بیان کرو اگر تم سے کوئی سوال کرے تو یوں کہدو کہ ہمارے تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے جس کو وہ حلال کہے اس کو حلال سمجھو اور اس کے حرام کو حرام سمجھو۔

Marfat.com

(۲) حافظ نے کہا ہے کہ شعبہ وغیرہ بیان سے وہ شعبہ سے وہ قرظہ بن قرظہ بن کعب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب عمرؓ نے ہم کو عراق کی طرف روانہ فرمایا تو تھوڑی دور عمرؓ ہمارے ساتھ چلے پھر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں کیوں تمہارے ساتھ آیا تو سبھوں نے کہا ہاں ہمارے عزت و احترام کے لیے تو فرمایا کہ اس کے علاوہ بھی ایک بات تھی اور وہ یہ کہ تم ایسے گاؤں والوں کے پاس پہونچو گے جو شہد کی مکھیوں کی طرح گنگنا کر قرآن پڑھتے ہوں گے تو ان کو احادیث میں مشغول کر کے قرآن مجید سے روک نہ دینا بلکہ ان کو قرآن مجید کی تلاوت کے لئے چھوڑ دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم بیان کرنا اور اس بات میں میں بھی تمہارا شریک ہوں چنانچہ جب قرظہ آئے تو لوگوں نے ان سے احادیث پوچھیں تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم کو عمرؓ نے منع کر دیا ہے۔

(۳) دراوردی نے محمد بن عمرو سے وہ ابی سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابی ہریرہؓ سے پوچھا کہ کیا تم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسی طرح (خوب) حدیثیں بیان کیا کرتے تھے تو فرمایا کہ جیسے میں تم سے بکثرت احادیث بیان کرتا ہوں اگر عمر کے زمانہ میں اس طرح بیان کیا کرتا تو وہ اپنے کوڑے سے مجھے مارتے۔

(۴) معن بن عیسی سے روایت کی گئی ہے کہ ہم سے مالک نے عبد اللہ بن ادریس سے روایت بیان کی انھوں نے شعبہ سے وہ سعید بن ابراہیم سے وہ اپنے باپ سے کہ حضرت عمرؓ نے تین شخصوں یعنے ابن مسعودؓ اور ابوالدرداءؓ اور ابومسعودؓ انصاری کو قید کیا تھا اور وجہ یہ بیان کی تھی کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرنے میں کثرت کر دی۔

(۵) ابن علیہ نے رجاء بن ابی سلمہ سے روایت کی ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ معاویہ کہا کرتے تھے کہ تم حدیثیں بیان کرنے میں وہی روش باقی رکھو جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تھی کیونکہ انھوں نے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کے بیان کرنے کے بارہ میں ڈرا دیا تھا۔

(۶) تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک میں سیوطی نے بیان کیا ہے کہ ہروی نے زہری کے طریق سے کلام کرنے کی مذمت میں بیان کیا ہے کہ مجھ سے عروہ بن زبیر نے بیان کیا کہ عمرؓ بن الخطاب نے احادیث لکھنے کا ارادہ کیا تھا جس میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا تو عوام نے ان کی رائے کو پسند کیا پھر وہ ایک مہینہ تک شک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتے رہے پھر ایک دن جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں عزیمت ڈالدی تو فرمانے لگے کہ میں نے تم سے

Marfat.com

احادیث لکھنے کے ارادہ کا ذکر کیا تھا جو تم کو معلوم ہے پھر مجھے یاد آگیا کہ تم سے پہلے اہل کتاب نے اللہ کی کتاب کے ساتھ اور کتابوں کو لکھا پھر اسی پر جھک پڑے اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا اس لئے خدا کی قسم میں اللہ کی کتاب کے ساتھ کسی چیز کو خلط ملط نہ کروں گا۔ پھر آپ نے احادیث لکھوانے کا خیال چھوڑ دیا۔ اور ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ قبیصہ بن عقبہ نے ہم کو خبر دی کہ سفیان نے ہم کو خبر دی ہے کہ معمر نے زہری سے روایت کی ہے کہ عمرؓ نے احادیث کے لکھنے کا ارادہ کیا تو ایک ماہ تک اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا پھر ایک دن آپ نے اپنے عزم کا اظہار فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کا خیال کیا جنھوں نے خود کتاب لکھی اور پھر اسی پر جھک پڑے اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا (تعلیق محمد علی موطأ امام محمد)

(۷) بخاری نے اعمش سے روایت کی ہے کہ ابراہیم تیمی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہمارے پاس بجز کتاب اللہ کے کوئی ایسی کتاب نہیں جو پڑھی جاتی ہو اور رہا جو کچھ اس صحیفہ میں ہے پھر اس صحیفہ کو کھولا تو اس میں اونٹ کی عمروں کا حال لکھا تھا اور یہ لکھا تھا کہ مدینہ عیر سے فلاں جگہ تک حرم ہے تو اس میں جو شخص کوئی نئی چیز پیدا کرے اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر اس کے لئے نہ کسی کی سفارش قبول کرے گا اور نہ کوئی فدیہ کام دیگا اور اس میں یہ بھی تھا کہ جملہ مسلمانوں کا قول و قرار ایک ہے کہ اس کے لئے ادنیٰ مسلمان بھی کوشش کر سکتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص کسی مسلمان کے قول و قرار کو جو وہ کسی کے ساتھ کرلے توڑ دے تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارہ میں نہ کسی کی سفارش قبول کرے گا اور نہ کوئی صدقہ قبول کیا جائے گا اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ جو آزاد شدہ غلام آزاد کرنے والوں کی اجازت کے بغیر اپنا حق ولاء کسی قوم کو دیدے تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اللہ تعالیٰ اس کے متعلق نہ کسی کی سفارش قبول کرے گا اور نہ فدیہ۔

(۸) عبداللہ بن مسعودؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ حدیث کی روایت بہت کم کیا کرتے تھے۔ اور الفاظ میں احتیاط کیا کرتے تھے۔ (اور شاید یہ حضرت عمرؓ کے برکات تھے) اور ابی عمرو شیبانی سے روایت ہے کہ میں ابن مسعود کے پاس ایک سال بیٹھا لیکن کبھی آپ نے یہ نہیں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ جب وہ یہ فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کانپنے لگتے اور فرماتے کہ اس طرح یا اس کے قریب یا اس جیسا یا یہ فرمایا کرتے

Marfat.com

اور ان روایات پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے جو ان لوگوں سے روایت کی گئی ہیں جو ائمہ فتوی اور مسلمانوں کے قاید ہیں بسا اوقات ذہن میں ایک غیر صحیح اثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ لوگ حادیث پر توجہ نہیں کیا کرتے تھے اور قرآنی قانون کو مکمل نہیں سمجھتے تھے حالانکہ ہم اگر ان کی روایات پر غور کریں کہ وہ احادیث کا کتنا خیال کرتے تھے تو یہ حقیقت ظاہر ہو جائے گی کہ وہ صحابہ سے یہ خواہش کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم روایت کریں۔ جس کے کچھ اشارات حسب ذیل ہیں۔

(۱) حافظ ذہبی نے تذکرہ حفاظ میں لکھا ہے کہ ابن شہاب نے قبیصہ ابن ذویب سے روایت کی ہے کہ ایک دادی ابوبکرؓ کے پاس آئی جس کی خواہش تھی کہ اس کو میراث میں حصہ ملے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ قرآن میں تو تیرا کوئی حصہ مذکور نہیں ہے اور نہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ معلوم ہوا ہے پھر آپ نے لوگوں سے دریافت کیا تو مغیرہ اُٹھے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا چھٹا حصہ سنا ہے تو فرمایا کہ کیا تمہارا کوئی گواہ ہے تو محمد بن مسلمہ نے اسی طرح گواہی دی تو ابوبکرؓ نے اس کو نافذ کر دیا۔

(۲) اور یہ بھی لکھا کہ جریری نے ابی نضرہ سے روایت کی ہے اور وہ سعید سے بیان کرتے ہیں کہ ابوموسی نے حضرت عمرؓ کو دروازہ کے پیچھے سے تین بار سلام کیا اور جب انھوں نے اندر آنے کی اجازت نہ دی تو لوٹ گئے تو حضرت عمرؓ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجا کہ آپ کیوں لوٹ گئے انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی تین بار سلام کرے اور اس کو جواب نہ دیا جائے تو لوٹ جائے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یا تو اس کا ثبوت پیش کرو ورنہ میں تمہاری خبر لونگا تو ابوموسی ہمارے پاس آئے ہم بیٹھے ہوئے تھے ان کا رنگ اڑا ہوا تھا ہم نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے تو ہم کو سارا قصہ بتایا اور فرمایا کیا تم میں سے کسی نے اس کو سنا ہے ہم نے کہا ہاں ہم سب نے اس کو سنا ہے پھر ان کے ساتھ ایک آدمی کو بھیجا جس نے حضرت عمرؓ کے پاس آکر بیان کیا۔

(۳) اور بیان کیا کہ ہشام نے اپنے والد مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے ایسی عورت کے حمل کے متعلق مشورہ کیا جو کسی کے مارنے سے گر جاتے تو حضرت مغیرہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت (لونڈی یا غلام) دلوائی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو ایک گواہ لاؤ جس کو دیت دلوانے کا حال معلوم ہو تو محمد بن مسلمہ نے

Marfat.com

گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا تھا۔

(۴) اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابی رضؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی حدیث بیان کی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اس پر گواہ لاؤ تو وہ گواہ لانے نکلے تو کچھ انصار ان کو مل گئے انھوں نے ان سے اس کا تذکرہ کیا انھوں نے کہا ہم نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے تم پر شبہ نہ تھا بلکہ میں چاہتا تھا کہ ثابت ہو جائے۔

(۵) اور عثمان بن مغیرہ ثقفی نے علی بن ربیعہ سے روایت کی ہے کہ اسماء بن حکم فزاری نے حضرت علیؓ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ نے جو چاہا اس سے میں نے نفع اٹھایا اور اگر کوئی اور آپ کی حدیث مجھ سے بیان کرتا تو میں اس کو قسم دلاتا اگر وہ قسم کھا لیتا تو میں اس کی تصدیق کرتا اور ابوبکرؓ نے بھی مجھ سے ایک حدیث بیان کی اور وہ اپنے بیان میں صادق تھے (یعنے ان کو قسم دلانے کی میں نے ضرورت نہیں سمجھی) فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب کوئی مسلمان بندہ کوئی گناہ کرے پھر وہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا ہے۔ یہ روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کے ائمہ اور ان کے پیشوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی اور غلط حدیث منسوب ہونے کے خوف سے بہت کم روایات بیان کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے اور اسی لئے جو روایات ان کے سامنے بیان ہوا کرتی تھیں اس کا ثبوت طلب کیا کرتے تھے خصوصاً حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تو اس وقت تک ان احادیث کو قبول نہیں کیا کرتے تھے جب تک کہ اس پر دو شخص گواہی نہ دیدیں کہ انھوں نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے حتیٰ کہ ابوبکرؓ نے مغیرہ بن شعبہ سے ان کے روایت کی تقویت کرنے والے کو طلب کیا اور حضرت عمرؓ نے مغیرہ اور ابو موسیٰ اور الی کی روایات کو تقویت دینے والا طلب کیا حالانکہ ان کی رفعت شان اور ان کی عظمت ان کے ثقہ ہونے کے لئے کافی تھی اور حضرت علیؓ تو راوی کو قسم دلایا کرتے تھے اور جب ان کے نزدیک حدیث ثابت ہوجاتی اور وہ مطمئن ہوجاتے تو پھر وہ اس روایت کے مطابق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو پہونچتی عمل کرتے اور ہرگز اس کی مخالفت نہ کرتے۔

اور ان کے اس عمل کا نتیجہ اس زمانہ میں احادیث کی روایت کی کمی کا باعث رہا اور آپ روایت پر وہ اعتماد کرتے تھے جس کی روایت دو گواہوں کی گواہی سے اس وقت ثابت ہوتی جبکہ وہ واقعہ پیش آتا جو حدیث کے ذکر کے لئے داعی ہوتا۔

Marfat.com

اس زمانہ میں اجتہاد

اجتہاد کا مطلب ہے جدوجہد اور کوشش کرنا احکام شریعت کے نکالنے میں ان امور سے جن کو شارع نے دلیل قرار دیا ہے اور وہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) احکام کے ظاہر سے کوئی حکم اخذ کرنا جبکہ محل حکم ان احکام کے مطابق ہو۔

(۲) احکام کے مفہوم سے کوئی حکم اخذ کرنا جبکہ احکام کی علت موجود ہو جو اس کی صراحت کرے یا اس سے مستنبط ہو اور کسی واقعہ میں وہ علت پائی جائے اور حکم اس کو شامل نہ ہو اور اسی کو قیاس کہا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں استنباط مسائل صرف ان فتاوی تک محدود تھا جن کو وہ شخص جس سے کسی بارہ میں پوچھا جاتا تو وہ فتوی دیدیتا اور مسائل میں اور ان کے جوابات کے بیان کرنے میں وسعت اختیار نہیں کرتے تھے بلکہ اس کو ناپسند سمجھتے تھے اور کسی معاملہ میں رائے کا اظہار اس وقت تک نہ کرتے تھے جب تک وہ معاملہ پیدا نہ ہو جاتا اور جب کوئی واقعہ پیش آجاتا تو پھر اس کا حکم بتانے کے لئے اجتہاد کیا کرتے تھے اسی لئے جلیل القدر صحابہؓ سے فتاوی بہت کم منقول ہیں اور یہ لوگ اپنے فتووں میں حسب ذیل امور پر اعتماد کیا کرتے تھے۔

(۱) قرآن مجید پر کیونکہ وہ دین کی بنیاد اور ملت کا ستون ہے اور وہ اس کو بالکل صاف اور واضح طور سے سمجھتے تھے کیونکہ وہ ان کی زبان میں نازل ہوا تھا اور نیز وہ اس کے نزول کے اسباب سے بخوبی واقف تھے اور ان میں اس وقت کوئی غیر عرب داخل نہیں ہوا تھا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر جب کبھی وہ ان کو مل جاتی اور اس کا راوی ان کے نزدیک ثقہ ہوتا تو وہ اس کی اتباع پر متفق ہو جاتے تھے چنانچہ ابو بکرؓ کے سامنے جب کبھی کوئی معاملہ پیش آتا تو پہلے وہ کتاب اللہ میں دیکھتے اگر اس میں انھیں اس کا حکم مل جاتا تو اسی کے مطابق حکم کرتے اور اگر وہ کتاب الہی میں نہ پاتے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں تلاش کرتے اگر وہاں اس کے تصفیہ کے لئے کوئی حل پاتے تو اس کے مطابق تصفیہ کر دیتے اگر اس میں بھی آپ کو کامیابی نہ ہوتی تو پھر لوگوں سے دریافت فرماتے کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ اس

Marfat.com

بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم جاری فرمایا تھا تو اکثر اوقات لوگ کھڑے ہو جاتے اور بتاتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں ایسا ایسا فیصلہ کیا ہے۔

اور حضرت عمرؓ کی یہ عادت تھی کہ اگر ان کو کتاب وسنت سے حکم نکالنے میں کامیابی نہ ہوتی تو پھر دریافت فرماتے کہ کیا ابوبکرؓ نے اس بارے میں کوئی فیصلہ کیا ہے اگر حضرت ابوبکرؓ کا کوئی حکم آپ کو معلوم ہو جاتا اور اس کے خلاف کوئی حکم نہ ملتا تو پھر آپ اسی کے مطابق فیصلہ فرماتے، اور عثمانؓ وعلیؓ سب کے سب اسی طرح عمل کرتے تھے اور ساتھ ہی روایت قبول کرنے میں احتیاط برتتے تھے۔ اور صحابہ کے سامنے بعض ایسے قضیے بھی پیش ہوتے تھے جس میں کتاب یا سنت میں کوئی حکم نہ ملتا تو پھر قیاس کرنے پر مجبور ہوتے اور اس کو رائے سے تعبیر کرتے اور اسی طرح ابوبکرؓ عمل کیا کرتے تھے جبکہ وہ قرآن مجید میں نص نہ پاتے یا لوگوں سے حدیث کا علم نہ ہوتا کیونکہ آپ لوگوں کو جمع کیا کرتے تھے اور ان سے مشورہ کیا کرتے تھے اور جب وہ کسی معاملہ میں کسی رائے پر متفق ہو جاتے تھے تو اسی کے مطابق فیصلہ فرمادیا کرتے تھے اور اسی طرح حضرت عمرؓ بھی کیا کرتے تھے اور جب آپ نے شریحؒ کو کوفہ کی قضاءت عطا فرمائی تو ان سے فرمایا تھا کہ اللہ کی کتاب میں غور کرنا اور اگر اس میں حکم ملے تو پھر کسی سے کچھ دریافت نہ کرنا اور اگر اس میں نہ ملے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں تلاش کرنا اور اگر سنت میں نہ ملے تو پھر اپنی رائے سے عمل کرنا اور ابوموسی اشعری کو آپ نے جو حکمنامہ بھیجا تھا اس میں لکھا تھا کہ قضاء یا تو فریضہ محکمہ ہے یا سنت متبعہ پھر فرمایا کہ اس کے بعد غور وفکر ہے جو تیرے دل میں آجائے جبکہ کتاب وسنت میں کوئی حکم نہ ملے۔ نظائر وامثال کو سمجھو اور اسی پر قیاس کرو

اور عبداللہ بن مسعودؓ سے مفوضہ (جس عورت کو طلاق تفویض کردی جائے) کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میں اس بارے میں اپنی رائے سے حکم دیتا ہوں اگر وہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور خطا ہے تو میری طرف سے ہے اور شیطان کی طرف سے اور اللہ و رسول اس سے بری ہیں۔

اور عبداللہؓ بن عباسؓ نے زیدؓ بن ثابت سے دریافت کیا کہ کیا قرآن میں بقیہ کا ثلث ہے تو فرمایا کہ میں اپنی رائے سے ایک حکم لگاتا ہوں اور آپ اپنی رائے سے ایک حکم دیتے ہیں۔

اور حضرت عمرؓ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے ایک شخص سے ملاقات کی اور پوچھا کہ تو نے کیا کیا اس نے کہا کہ زیدؓ اور علیؓ نے یہ فیصلہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں فیصلہ

Marfat.com

کرتا تو ایسا کرتا اس نے کہا کہ پھر آپ کو کس نے روکا ہے حکم آخر تو آپ کے ہاتھ میں ہے تو فرمایا کہ اگر میں تجھ کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرتا تو ایسا کرتا لیکن میں تجھکو اپنی رائے کی طرف پھیرتا ہوں اور رائے مشترک ہے چنانچہ آپ نے علیؓ وزیدؓ کے فیصلہ کو نہیں توڑا۔

اور وہ باوجود رائے سے کہنے کے اس پر اعتماد کو ناگوار سمجھتے تھے تاکہ لوگ دین کے بارے میں بغیر علم کے کہنے پر جری نہ ہوں اور اس میں اس بات کو داخل کردیں جو اس میں نہ ہو اور اسی لئے ان میں سے اکثر نے رائے کی مذمت کی ہے اور یہ واضح ہے کہ جس رائے کی انھوں نے مذمت کی ہے وہ وہ رائے نہیں ہے جس پر انھوں نے عمل کیا بلکہ اس کو مذموم سمجھا کہ فتوے میں خواہش کی پیروی کی جائے۔ اصول دین کی ایسی سند کے بغیر جس کی طرف رجوع کیا جا سکے اور محمود وہ ہے جس کو عمرؓ نے اپنے قاضی کو اپنے اس حکم میں بتایا کہ پہلے نظائر وامثال کو پہچانو پھر ان پر امور کو قیاس کرو کیونکہ اس طرح رائے پر عمل کرنا نص کے مفہوم پر عمل کرنا ہوا۔ اور بہرحال ان کے وہ فتوے جن میں انھوں نے رائے پر اعتماد کیا بہت ہی کم ہیں

حضرات شیخینؓ جب جماعت سے کسی بارے میں مشورہ کرتے اور لوگ اس میں کوئی رائے دیتے تو لوگ اس کی پیروی کرتے اور کسی کو مخالفت کی مجال نہ تھی۔ اور اس طرح اظہار رائے کو اجماع کہا جاتا تھا اور اس زمانہ میں مجتہد صحابہ کی تعداد معدودے چند تھیں جن سے مشورہ کرنا اور جن کے نتائج افکار پر مطلع ہونا دشوار نہ تھا اس لئے اجماع بہت آسان تھا۔

اس لحاظ سے اس زمانہ میں احکام کے ماخذ چار تھے۔

پہلا ماخذ کتاب اللہ جو دراصل معتمد ہے۔ دوسرا حدیث تیسرا قیاس یا رائے اور وہ ان دونوں کی شاخ ہے اور چوتھا اجماع اور یہ ظاہر ہے کہ حسب ضرورت وہ اجماع میں قرآن مجید یا حدیث یا قیاس سے سند لیتے ہوں گے۔

اور حضرات شیخین کی سیاست کا نتیجہ یہ تھا کہ احکام میں اختلاف کم ہوتا تھا کیونکہ یا تو وہ مشورہ سے صادر ہوتا تھا اور اس میں اختلاف کا نہ ہونا واضح ہے یا پھر قرآن مجید کے مضبوط حکم یا سنت متبعہ معروفہ کے تحت صادر ہوتا تو اختلاف کا کوئی سبب ہی نہ رہتا البتہ جب رائے سے فتویٰ صادر ہوتا تو اس میں اختلاف کا امکان تھا اور یہ بھی ہم کو علم ہو چکا ہے کہ رائے پر ان کا اعتماد کم تھا اور حضرت عمرؓ کی ہیبت ان سب کے سروں پر تھی تو ان کے نزدیک فتویٰ دینا کوئی آسان کام نہ

Marfat.com

تھا بلکہ ہر ایک دوسرے پر ڈالنا چاہتا تھا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ جو رائے ان کو معلوم ہوتی تھی وہ انہی کی طرف منسوب ہوتی تھی نہ کہ شریعت کی طرف اس لئے اس پر عمل کو ضروری نہیں قرار دیتے تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضؓ جب اپنی رائے سے اجتہاد کیا کرتے تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ

"یہ میری رائے ہے اگر درست ہو تو اللہ کی طرف سے اور اگر غلط ہو تو پھر میری طرف سے ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں"

اور حضرت عمرؓ کے کاتب نے ایک مرتبہ یہ فقرہ لکھ دیا کہ

"یہ اللہ کی رائے ہے اور عمرؓ کی رائے ہے"

تو حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ تم نے غلط لکھا بلکہ یوں لکھو کہ "یہ عمرؓ کی رائے ہے اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے اور غلط ہو تو عمر کی طرف سے" پھر فرمایا کہ سنت تو وہ جو اللہ اور اس کے رسول نے مقرر فرما دیا ہے لہٰذا رائے کی خطا کو امت کے لئے سنت نہ قرار دیدو۔

محمد بن حسن نے روایت کی ہے کہ ہم سے ابو حنیفہؒ نے حماد سے روایت بیان کی کہ ابراہیم نخعی نے بیان کیا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا مہر کچھ مقرر نہیں کیا پھر وہ قبل صحبت کے مر گیا تو عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ اس کو اس کے خاندان کی عورتوں کے مطابق مہر ملے گا نہ کم نہ زیادہ فیصلہ کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے اور خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے اور اللہ اور اس کا رسول دونوں اس سے بری ہیں تو آپ کے ہم نشینوں میں سے ایک شخص نے کہا اور غالباً وہ معقل بن سنان اشجعی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے "اس ذات کی قسم جس کی قسم کھائی جاتی ہے آپ نے وہی فیصلہ کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق اشجعیہ کے لئے کیا تھا" راوی کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعود اس بنا پر کہ ان کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق ہوا اس قدر خوش ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی اس قدر خوش نہ ہوئے تھے اور حضرت علیؓ اس فیصلہ میں ان کی مخالفت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس پر عدت لازمی ہے اور اس کو میراث ملے گی اور اس کو مہر کچھ نہ ملے گا اور فرمایا کہ اللہ کی کتاب کے حکم کے مقابلہ میں قبیلہ اشجع کے ایک بدو کا قول نہیں قبول کیا جا سکتا اس لئے کہ اگر اس عورت کو طلاق ملتی تو اس کو کچھ مہر نہ ملتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء   تم پر (مہر کا) کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو

Marfat.com

ما لم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ۔ ایسی حالت میں طلاق دیدو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے۔

تو حضرت علی موت کو طلاق کے مثل سمجھتے ہیں اور حدیث کو قبول نہیں کرتے ہیں باوجودیکہ وہ حدیث کے لینے میں متشدد تھے اور عبداللہ بن مسعود موت کو طلاق کے مثل نہیں سمجھتے ہیں اور ان کی رائے کی تائید معقل کی روایت سے ہوتی ہے۔

اور ہم اس موقع پر مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں چند ان مسائل کا ذکر کردیں جن میں اس زمانہ کے بڑے مفتیوں میں اختلاف ہوا تاکہ اس سے ان کے اختلاف کے اسباب ظاہر ہو جائیں۔

(۱) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک مطلقہ عورت نے اپنے عدت کے زمانہ میں نکاح کر لیا (اور نص قرآن سے اس کا منع ثابت ہے) تو عمرؓ نے اپنے کوڑے سے شوہر کو چند درّے لگائے اور دونوں میں تفریق کرادی اور فرمایا جو عورت اپنی عدت کے زمانہ میں نکاح کرلے تو اگر اس شوہر نے جس کے ساتھ اس نے نکاح کیا ہے اس سے صحبت نہ کی ہو تو دونوں میں تفریق کرادی جائے اور پہلے شوہر کی جو عدت باقی رہ گئی ہے وہ پوری کرے پھر جو چاہے اس کو پیغام دے۔ اور اگر اس نے مقاربت کرلی تو تفریق کرانے کے بعد اور اگر پہلے شوہر کی بقیہ عدت پوری کرے پھر دوسرے شوہر کی عدت کرے پھر اس کے بعد عمر بھر اس عورت کا نکاح نہ کیا جائے اور حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب وہ پہلے شوہر کی عدت پوری کرلے تو اگر چاہے تو دوسرے سے نکاح کرلے تو ان دونوں نے اس بات میں اختلاف کیا کہ عدت والی بیوی کے ساتھ مقاربت کرنے کے بعد زوج ثانی پر حرمت کی ہمیشگی رہے گی یا نہیں اور قرآن مجید کے احکام میں ان دونوں میں سے کسی کی تائید نہیں ملتی ہے اِلّا اینکہ حضرت عمرؓ نے تنبیہ و تادیب کا طریقہ اختیار کیا اور حضرت علیؓ نے عام اصول کو اختیار کیا۔

(۲) عثمانؓ بن عفان اور زیدؓ ثابت نے فتوی دیا کہ آزاد عورت اگر غلام کی بیوی ہو جائے تو دو طلاق سے ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جائے گی اور حضرت علیؓ نے ان کی مخالفت کی اور فرمایا کہ تین طلاق سے کم میں حرام نہ ہوگی لیکن لونڈی اگر آزاد شخص کی بیوی ہو تو دو طلاق سے حرام ہو جائے گی تو یہ فتوی دینے والے غلام کے نصف حقوق پر اتفاق کرنے کے بعد اس بات میں اختلاف رکھتے ہیں کہ طلاق باعتبار شوہر کے ہے یا بیوی کے تو عثمانؓ و زیدؓ کی رائے یہ ہے کہ شوہر کے اعتبار سے ہوگی کیونکہ وہ طلاق کا واقع کرنے والا ہے اور علیؓ کی یہ رائے ہے کہ بیوی کے لحاظ سے ہوگی کیونکہ طلاق اس پر واقع ہونے والی ہے۔

Marfat.com

(۳) عبدالرحمن بن عوف نے بحالت مرض اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور اس کی عدت کے گزرنے کے بعد عثمان رضؓ نے اس کو میراث دلائی۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ شریحؒ نے حضرت عمرؓ ابن الخطاب کو لکھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور وہ مریض ہے تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اس مریض کے مرنے کے بعد اگر وہ عدت میں ہو تو اس کو وارث بنانا اور اگر اس کے مرنے کے پہلے عدت ختم ہو جائے تو اس کو میراث نہیں ملے گی تو گویا بعد اس کے کہ ان دونوں حضرات نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ مریض کی طلاق اس طرح زوجیت کو زائل نہیں کرتی کہ وہ وراثت کو ختم کر دے حضرت عمرؓ نے اس کی ایک حد مقرر کر دی یعنے عدت اور حضرت عثمان غنیؓ نے اس کی حد مقرر نہیں کی اور اس مسئلہ میں کوئی قطعی حکم قرآن و حدیث سے ثابت نہیں جسکی طرف رجوع کیا جا سکے۔

(۴) حضرت عمرؓ بن الخطاب نے فرمایا ہے کہ حاملہ عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ دونوں مدتوں میں سے جو مدت زیادہ طویل ہو اس وقت تک عدت کرے یعنے وضع حمل یا چار ماہ دس دن کی مدت اور اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حاملہ عورت کی عدت طلاق کی صورت میں وضع حمل رکھی ہے اور شوہر کا انتقال ہو جانے کی عدت چار مہینہ دس دن رکھی ہے بغیر کسی تفصیل کے تو حضرت علیؓ نے اپنے فتویٰ میں اس کے شوہر کے انتقال پر دونوں آیتیں ملحوظ رکھی ہیں اور حضرت عمرؓ نے طلاق کی آیت وفات پر حکم یعنے خاص رکھا ہے اور اس بارہ میں ایک حدیث کی بھی روایت کرتے ہیں کہ سبیعہ بنت الحارث اسلمیہ کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور پچیس ۲۵ دن کے بعد وضع حمل ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عدت پورا کرنے کا حکم دیا اس سے ہم کو معلوم ہوا کہ روایات کے بارے میں حضرت علیؓ کی رائے تشدد پر مبنی تھی۔

(۵) مسلم اور احمد نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاق کو ایک گنا جاتا تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگ اپنے اس کام میں جس میں ان کو مہلت سے کام لینے کا حکم دیا گیا تھا جلدی سے کام لے رہے ہیں تو ہم بھی اسی کو نافذ کر دیں چنانچہ اس کو نافذ کر دیا یعنے ایک وقت میں تین طلاق دینے کو تین طلاق قرار دیدیا' لیکن صحابہ نے اس پر اتفاق نہیں کیا بلکہ حضرت علیؓ اور ابوموسیٰؓ سے اس کے خلاف کی روایت پائی جاتی ہے گویا عمرؓ نے اس کو تعزیراً نافذ کیا اور جس نے ان کی مخالفت کی اس نے ظاہری احکام پر عمل کیا۔

Marfat.com

(۶) ابن مسعود وغیرہ نے فتویٰ دیا ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی سے ایلا کرے اور چار مہینے گزر جائیں اور شوہر نے رجعت نہیں کی تو اسے طلاق بائن واقع ہو گی اور اس کا شوہر بھی اور پیغام دینے والوں میں سے ایک سمجھا جائے گا اور ابن مسعود کے سوا اور لوگوں کا فتویٰ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ یا تو رجوع کرے یا طلاق دیدے اور چار مہینہ کا گزرنا طلاق نہیں سمجھا جائے گا اور آیت کا مطلب دونوں طریقوں کا احتمال رکھتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

للذین یؤلون من نسائھم تربص اربعۃ اشھر فان فاؤا فان اللہ غفور رحیم وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم۔

جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیبیوں (کے پاس جانے) سے ان کے لئے چار مہینے تک کی مہلت ہے۔ سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کرلیں تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے رحم فرمانے والے ہیں اور اگر بالکل ہی چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

(۷) حضرت ابن مسعود رضؓ نے فتویٰ دیا ہے اور اس کی موافقت حضرت عمر رضؓ بن الخطاب نے بھی کی ہے کہ مطلقہ اپنی عدت سے اس وقت تک فارغ نہ ہو گی جب تک کہ وہ اپنے تیسرے حیض کا غسل نہ کرلے اور زید بن ثابت نے فتویٰ دیا ہے کہ وہ تیسرے حیض میں داخل ہوتے ہی عدت سے فارغ ہو گئی اور اس اختلاف کا سبب "قرء" کے معنے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ طہر ہے جیسا کہ زید ابن ثابت وغیرہ نے سمجھا ہے یا وہ حیض ہے جیسا کہ ابن مسعود نے سمجھا ہے۔

(۸) عمر رضؓ بن الخطاب نے فتوی دیا ہے کہ حیض والی عورت کا حیض اگر طلاق کے بعد بند ہو جائے تو وہ نو مہینے انتظار کرے اگر اس عرصہ میں حمل ظاہر ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ نو مہینے گزرنے کے بعد تین مہینے عدت گزارے اور دوسرے حضرات نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ وہ "آئسہ" (حیض سے ناامید) ہونے تک انتظار کرے اس کے بعد مہینوں سے عدت کرلے ان لوگوں کا نظریہ عدت کے بارے میں ظاہری احکام کو ملحوظ رکھنا ہے کیونکہ یہ عدت والی عورت حیض والی عورتوں میں شمار ہو گی اور اس کی عدت ظاہری احکام سے ثابت قرء ہے اور وہ آئسہ نہیں کہ مہینوں سے عدت کرے اور حضرت عمر رضؓ کا نظریہ عدت کے معنیٰ کی طرف خیال رکھتا ہے یعنے حمل نہ رہنے کا یقین حاصل کرنا اور غالب مدت گزرنے کے بعد کوئی شک نہیں رہتا لہذا

Marfat.com

اس کے بعد مہینوں سے عدت گزارے۔

(۹) حضرت عمرؓ ابن الخطاب کا فتویٰ ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں ہو چکیں اس کو خرچ اور رہنے کے لئے گھر ملے گا۔ اور جب آپ کو فاطمہ بنت قیس سے روایت ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاق کے بعد نہ خرچ دلایا نہ مکان تو فرمایا کہ ہم اپنے رب کی کتاب اور نبی کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے نہ چھوڑیں گے معلوم نہیں کہ اس کو یاد بھی رہا یا بھول گئی اور اللہ کی کتاب میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول موجود ہے۔

لا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ۔ ان عورتوں کو ان کے (رہنے کے) گھروں سے مت نکالو (کیونکہ مطلقہ کے لئے منکوحہ کی طرح مکان واجب ہے) اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں۔

اور دوسروں نے فتویٰ دیا ہے کہ ایسی عورت کو نہ خرچ ملے گا نہ مکان فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو حجت قرار دیا ہے اور اس لئے کہ آیۃ عدت کے ختم پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ بعد اس (طلاق دینے کے) کوئی نئی بات (تیرے دل میں) پیدا کر دے (مثلاً طلاق پر ندامت ہو تو رجعی میں اس کا تدارک ہو سکتا ہے)

تو مطلقہ ثلاثہ کے لئے اللہ تعالیٰ کیا صورت پیدا فرمائے گا جبکہ وہ اپنے طلاق دینے والے پر حرام ہو چکی ہے۔ اور بعض لوگوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اس کو خرچ تو نہ ملے گا لیکن مکان ملے گا، نفقہ کے وجوب کو اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مفہوم سے نفی کی ہے۔

وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن۔ اور اگر وہ (مطلقہ) عورتیں حمل والیاں ہوں تو وضع حمل تک ان کو (کھانے پینے) کا خرچ دو

اس بنا پر ان لوگوں نے کہ جو حاملہ نہ ہو اس کو نفقہ نہیں ملے گا۔

(۱۰) حضرت ابوبکرؓ بھائیوں کو دادا کے ساتھ وارث نہیں قرار دیتے تھے لیکن عمرؓ نے ان کو دادا کے ساتھ حصہ دلوایا، ابوبکرؓ نے دادا کو باپ قرار دیا اور بھائی باپ کے ساتھ از روئے نص کے وارث نہیں ہوتے اور عمرؓ نے دادا کو باپ قرار نہیں دیا اور زید بن ثابت کی بھی یہی رائے تھی۔

Marfat.com

(۱۱) امام مالک نے موطا میں روایت کی ہے کہ ایک جدہ (نانی) حضرت ابو بکرؓ کے پاس اپنی میراث کا حصہ دریافت کرنے آئی تو فرمایا کہ کتاب اللہ میں نہ تیرا کوئی حصہ ہے اور نہ ہم نے تیرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں کوئی حصہ پایا لہذا تو لوٹ جا حتی کہ میں لوگوں سے اس بارے میں دریافت کرلوں پھر آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا تو مغیرہ بن شعبہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا آپ نے نانی کو چھٹا حصہ دلوایا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے ساتھ اور کوئی سننے والا ہے تو محمد بن مسلمہ اٹھے اور اسی طرح فرمایا تو حضرت ابو بکرؓ نے یہ فیصلہ نافذ کردیا پھر دوسری دادی (حقیقی دادی) عمرؓ بن الخطاب کے پاس آئی اور اپنی میراث کا مسئلہ دریافت کرنے گئی آپ نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں تو تیرا کوئی حصہ نہیں اور جو فیصلہ کیا گیا وہ تیرے لیے نہ تھا (یعنی دادی کے لئے نہ تھا بلکہ نانی کے لئے تھا) اور میں فرائض میں کوئی چیز بڑھانے والا نہیں لیکن وہی چھٹا اگر تم دونوں اس میں شریک ہو جاؤ تو آپس میں تقسیم کرلو ورنہ جو اکیلی ہو وہی لے لے۔

(۱۲) امام مالک نے موطا میں روایت کی ہے کہ ضحاک بن خلیفہ نے عریض (مدینہ کی وادی) سے ایک چھوٹی نہر نکالی اور محمد بن مسلمہ کی زمین میں سے اپنی زمین تک لے جانا چاہا تو محمد بن مسلمہ نے اس کو روک دیا تو ضحاک نے کہا مجھے کیوں منع کرتے ہو اس سے تو تم کو بھی فائدہ پہونچے گا کہ پہلے تمہاری زمین سیراب ہوگی اور تم کو اس سے کوئی نقصان بھی نہ ہوگا تو پھر بھی انکار کیا تو اس بارہ میں انھوں نے عمرؓ بن الخطاب سے گفتگو کی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تو اپنے بھائی کو اس چیز سے کیوں روکتا ہے جو اس کو نفع دیتی ہے اور اول و آخر تیری زمین بھی اس سے سیراب ہوگی۔ اور تجھے کچھ نقصان بھی نہ ہوگا۔ تو محمد نے کہا ہرگز نہیں خدا کی قسم میں منظور نہیں کرتا تو عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم ضرور یہ نہر جاری ہوگی اگرچہ تیرے پیٹ پر سے ہی کیوں نہ گزرے پھر عمرؓ نے اس کے جاری کرنے کا حکم دیدیا۔

(۱۳) امام مالکؒ نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کھوئے ہوئے اونٹ کھلے پھرتے تھے ان کے بچے ہوتے تھے اور ان کو کوئی ہاتھ نہ لگاتا تھا حتی کہ جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو آپ نے حکم دیا کہ ان کے مالک کی تلاش کرو اور نہ ملنے پر فروخت کردو اور جب اس کا مالک آتا تو اس کی قیمت اس کو دیدی جاتی۔

(۱۴) ان اہم مسائل میں سے جو عراق و شام کی فتح کے بعد پیش آئے یہ مسئلہ تھا کہ ان زمینوں

Marfat.com

کا کیا کیا جائے جو قوت سے فتح کی گئی ہیں اگر ظاہری احکام سے دیکھتے ہیں تو یہ مثل اور غنیمتوں کے ایک غنیمت ہوتی ہے اور اس کے پانچ حصّوں میں سے چار غازیوں کے اور ایک حصہ ان مصالح عامہ کے لئے روکا جانا چاہیئے جو کتاب اللہ میں مذکور ہیں لیکن جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ وہ بھی یہی مطالبہ کر رہے ہیں تو فرمایا کہ جو بعد کے مسلمان آئیں گے اور دیکھیں گے کہ زمین مع ذمی رعایا کے تقسیم ہو چکی اور باپ دادا سے میراث میں مل چکی تو ان کا کیا حال ہوگا۔ لہذا یہ رائے مناسب نہیں تو عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ پھر کیا رائے ہے زمین اور ذمی رعایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بطور غنیمت عطا فرمائی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تو ایسا ہی جیسا کہ تم کہتے ہو لیکن میں اس کو مناسب نہیں سمجھتا خدا کی قسم میرے بعد جو شہر فتح ہوں گے اس میں کوئی بڑا فائدہ نہ ہوگا بلکہ ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے وبال ہو جائے پس جب زمین عراق مع رعایا کے تقسیم کر دی جائے اور اسی طرح زمین شام مع رعایا کے تو سرحدوں کی حفاظت کیسے ہوگی اور اس شہر کے چھوٹے بچوں اور بیواؤں کی کفالت کیسے ہوگی اور اہل شام و عراق کے سوا اور مقامات کے ان مصارف کے لئے کیا ہوگا تو لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کثرت سے گفتگو کی اور کہا جو چیز اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کے ذریعہ ہم کو عطا فرمائی ہے اس کو آپ ان لوگوں پر اور ان کے بیٹوں اور پوتوں پر وقف کر رہے ہیں جو جنگ میں حاضر نہیں ہوا ہے۔ تو حضرت عمرؓ اس سے زیادہ نہ کہتے تھے کہ یہ تو میری رائے ہے تو پھر لوگوں نے کہا کہ آپ اس بارہ میں مشورہ کیجئے۔ تو آپ نے مہاجرین اولین سے مشورہ کیا تو ان کے درمیان اس میں اختلاف ہوا عبدالرحمن بن عوف کی رائے تھی کہ ان کے حقوق پورے تقسیم کر دئے جائیں اور حضرات عثمان و علی و طلحہ وابن عمر کی رائے حضرت عمرؓ کے مطابق تھی پھر آپ نے دس انصار کو طلب کیا پانچ اوس کے پانچ خزراج کے جوان کے بوڑھے اور بزرگ تھے جب وہ آگئے تو فرمایا کہ میں نے آپ کو صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ آپ میری اس امانت میں شریک ہوں جو میں نے آپ کے معاملات کی ذمہ داری اپنے سر لے کر قبول کی ہے کیونکہ میں بھی آپ ہی میں سے ایک فرد ہوں اور آپ آج حق بات کہیں آپ میں سے جو چاہے میری مخالفت کرے اور جو چاہے میری موافقت کرے اور میں نہیں چاہتا کہ آپ میری خواہش کی پیروی کریں آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے جو حق بات کہتی ہے خدا کی قسم اپنے کلام سے میرا مقصد بجز حق کے اور کچھ نہیں ہے تو لوگوں نے جواب دیا امیر المومنین کہئے ہم سن رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ آپ حضرات نے ان لوگوں کی بات سن لی جن کا خیال ہے کہ میں ان کے

Marfat.com

حقوق پر ظلم کر رہا ہوں اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ ظلم کا ارتکاب کروں۔ اگر میں نے ان پر ظلم کیا ہو کہ ان کی چیز جس پر ان کا حق ہو ان سے لے کر ان کے غیر کو دیدی ہو تو بے شک میں شقی ہوں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ زمین کسریٰ فتح کرنے کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہتی جو آئندہ فتوحات میں کام دے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ہم کو ان کا مال ان کی زمین ان کی رعایا بطور غنیمت عطا فرمادی ہے تو میں نے مال غنیمت تو ان لوگوں میں تقسیم کردیا اور خمس نکال کر میں نے اپنی ذمہ داری سے اس کے امور میں خرچ کر دیا اور میری رائے یہ ہے کہ زمین کو مع اس کی رعایا کے روک دوں اور اس زمین میں ان پر خراج مقرر کر دوں اور رعایا پر جزیہ لگا دوں تاکہ وہ اس کو ادا کرتے رہیں تو یہ اسلامی فوج اور ذریت اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے وقف رہے کیا تم اس کو نہیں سمجھتے کہ ان سرحدوں کے لئے ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو اس کی حفاظت کریں کیا تم نے ان بڑے شہروں شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ، مصر کو نہیں دیکھا ہے کہ وہاں فوجی چھاؤنیوں کی ضرورت ہے اور وہاں وظائف دئے جائیں گے تو اگر زمین اور رعایا تقسیم کردی جائے تو یہ مصارف کہاں سے پورے ہوں گے۔ اس پر سب نے کہا کہ آپ کی رائے صائب ہے اور آپ کا ارشاد بجا ہے۔ اگر ان سرحدوں اور شہروں کی حفاظت آدمیوں کے ذریعہ نہ کی جائے اور جوان کی تقویت کا باعث ہے یعنی وظائف ان کو نہ دئے جائیں تو اہل کفر اپنے شہروں کو لوٹ جائیں گے۔ جس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب میرے لئے معاملہ بالکل صاف ہے اور یہ حکم نافذ کردیا کہ زمین وہاں کے رہنے والوں کے قبضہ میں رہنے دی جائے اور ان پر خراج مقرر کردیا اور آپ کی رائے (اللہ ان سے راضی ہو) بالکل صحیح تھی اور اکثریت کی رائے دیکھ کر مخالف خاموش ہو گئے۔

(۱۵) حضرت ابوبکرؓ لوگوں میں مال برابر برابر تقسیم فرمادیا کرتے تھے کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یا خلیفہ رسول اللہ آپ یہ مال سب میں برابر برابر تقسیم فرماتے ہیں حالانکہ ان میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کو سبقت، فضیلت اور قدامت حاصل ہے لہٰذا اگر آپ ایسے لوگوں کو ترجیح دیں تو بہتر ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے جو کارناموں اور قدامت اور فضیلت کا ذکر کیا ہے تو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا اور یہ باتیں تو ایسی ہیں جن کا ثواب اللہ کے پاس ملے گا اور یہ جو دیا جا رہا ہے یہ تو آذوقہ ہے اس میں ترجیح کے مقابلہ میں مساوات ہی بہتر ہے لیکن جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا اور خوب فتوحات آنے لگیں تو آپ نے فضیلتوں

Marfat.com

کا لحاظ رکھا اور فرمایا کہ میں اس شخص کو جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی ہے اس کے برابر نہیں کروں گا جس نے حضورؐ کے ساتھ ہو کر جہاد کیا ہے اور اسی پر فوجی دفتر کی بنیاد رکھی۔

اس سے ہماری غرض اس زمانہ کے مفتیوں کے فتاوی کی تعداد بتانی نہیں ہے اور نہ وہ جملہ امور ذکر کرنا چاہتے ہیں جن میں انھوں نے اختلاف کیا ہے بلکہ ہم نے چند مثالیں بیان کر دیں جس سے ان کے اجتہاد کا طریقہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قریب ہونے کے باوجود ان کے اختلاف کے اسباب معلوم ہو جائیں اور مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اسباب تین ہیں۔

(۱) فتوی کا اختلاف قرآن مجید کا مطلب سمجھنے میں اختلاف کی بنار پر ہوتا تھا اور اس کی کئی وجوہ تھیں۔

(۱) کسی ایسے لفظ کا وارد ہونا جس میں دو معنی کا احتمال ہو جیسے اللہ تعالی کے حسب ذیل ارشاد میں "قرء" کے معنی سمجھنے میں ان کا اختلاف۔

والمطلقات تیربصن بانفسهن ثلثة قروء۔	اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین قروء تک۔

حضرت عمرؓ اور ابن مسعود نے اس سے حیض سمجھا اور زیدؓ بن ثابت نے اس سے طہر سمجھا اور ہر ایک کے لئے اس کی تائید موجود ہے اور جیسا کہ آیت ایلاء میں کیونکہ اللہ تعالی نے ایلاء کرنے والے کے لئے ایک مدت مقرر کر دی کہ اس کا انتظار اس کے لئے ضروری ہے اور وہ چار مہینے ہے پھر اس کے بعد اپنے اس کلام میں ارشاد فرمایا

فان فاؤا فان الله غفور رحيم وان عزموا الطلاق فان الله سميع عليم۔	سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کریں تب تو اللہ تعالی معاف کر دیں گے رحمت فرما دیں گے اور اگر بالکل ہی چھوڑ دینے

کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالی سنتے ہیں جانتے ہیں۔

اس نص میں احتمال ہے کہ رجوع کرنے یا مدت مقررہ گزرنے کے بعد طلاق دینے کا مطالبہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ مدت محددہ کے اندر ہی تکمیل ہو اور اگر مدت گزر گئی تو اب رجوع ممکن نہیں اور اس کے گزرنے پر طلاق واقع ہو گئی۔

Marfat.com

(ب) دو موضوع کے لئے مختلف دو حکموں کے صادر ہونے سے یہ گمان ہوتا کہ ایک حکم دوسرے مسئلہ کے کسی حصہ کو بھی شامل ہے تو اس جز میں دونوں حکم ایک دوسرے کے معارض ہو جاتے ہیں اور اس کی مثال وہ عدت والی عورت ہے جس کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہو کیونکہ نص سے اسکی عدت چار مہینے دس دن ہے اور یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ حکم حاملہ عورت کو بھی شامل ہے اور طلاق سے عدت کرنے والی عورت کے لئے جو آیت ہے اس میں حاملہ کی عدت وضع حمل ہے تو حاملہ عورت کے شوہر کی وفات ہونے پر اس کی عدت دو حکموں کے درمیان پڑگئی یا تو وہ پہلی آیت کے حکم میں شامل ہے جس کی بناء پر اس کو چار مہینے دس دن تک عدت گزارنا ہے اگرچہ اس سے پہلے وضع حمل ہو جائے اور یا یہ کہ اس کی عدت وضع حمل ہے اگرچہ کہ طلاق کی عدت والی آیت پر عمل کرتے ہوئے وہ اس مدت کا انتظار نہ کرے اور بعض جلیل القدر صحابہؓ نے ان دونوں رایوں میں سے ایک ایک رائے دی ہے۔

(دوسرے) احادیث کی بناء پر فتوے کا اختلاف ہم نے پہلے بیان کردیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وہ ہے جو ظاہر اور کھلی ہو آپ نے اس کو کیا ہو یا صحابہ کے جم غفیر کے سامنے فرمایا ہو جیسے نماز اور اس کی کیفیت اور اس کے رکعات کی تعداد اور جیسے حج اور اس کے ادائیگی کے طریقے اور ان میں سے بعض ایسی بھی تھیں جو ایک یا دو شخصوں کی موجودگی میں آپ نے بیان فرمائیں یا اس پر عمل فرمایا تو اس کی روایت انہی حضرات تک محدود ہوتی تھی جو اس وقت حاضر تھے اور اکثر قولی حدیث اسی طرح کی ہے اور اختلاف کی بنیاد یہیں سے ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا بیان کرنا اس زمانہ میں شایع نہ تھا اور احادیث کسی کتاب میں جمع نہ تھیں جس کی طرف رجوع کیا جاتا تو مفتیوں کے سامنے جب کوئی واقعہ پیش ہوتا اور کتاب اللہ میں اس کا حکم نہ ملتا تو اپنے ساتھیوں سے دریافت فرماتے کہ کیا تمہارے پاس اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ موجود ہے بسا اوقات ان کے پاس وہ شخص حاضر ہو جاتا جو ان سے حدیث بیان کرتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے بشرطیکہ اس کی روایت تسلیم کرلی جاتی چنانچہ حضرت عمرؓ راوی سے حدیث کی سماعت میں اس کے شریک کو طلب فرماتے اور حضرت علیؓ ابن ابی طالب راوی کو قسم دلاتے اور اکثر ایسا بھی ہوتا کہ ان کے سامنے حدیث بیان ہوتی اور وہ اس پر عمل نہ فرماتے جبکہ ان کو اس روایت کی صداقت کا یقین نہ ہوتا جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے

Marfat.com

ہم نہیں جانتے کہ وہ ٹھیک کہتی ہے یا خطا پر ہے اس کو یاد بھی ہے کہ بھول گئی تو روایت کا شائع نہ ہونا اور احادیث کے قبول کرنے میں دقت نظری سے کام لینا بعض اوقات ان کو عموم نص قرآنی کے مطابق فتویٰ دینے پر مجبور کرتا تھا اور بعض اوقات انکو کوئی ایسی سنت بھی ملجاتی تھی جو اس عموم کو خاص کردیتی تھی اور اگر ان کو کوئی نص نہ ملتی تو بھی رائے اور اجتہاد سے بھی فتویٰ دیدیا کرتے تھے۔

(تیسرا) رائے کی بنار پر فتوے میں اختلاف۔

ہم نے پہلے بیان کردیا ہے کہ اگر ان کو کسی واقعہ کے لئے نص قرآنی یا احادیث سے کوئی حکم نہ ملتا تو فتویٰ دینے کے لئے رائے کو اختیار کرتے تھے اور ان کے نزدیک رائے کا مطلب یہ تھا کہ جس بات کو وہ مصلحت سمجھتے اور شریعت اسلامی کی روح سے قریب ہوتا اس بات کو دیکھے بغیر کہ وہاں اس واقعہ کے لئے کوئی اصل معین ہے یا نہیں دیکھو حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ پر یہ حکم قطعی نافذ کردیا کہ ان کے پڑوسی کی نہر ان کی زمین میں ہوکر جائے کیونکہ وہ طرفین کے لئے مفید تھی اور محمد کو اس میں کسی قسم کی مضرت نہ تھی اسی طرح تین طلاقوں کو ایک ہی مرتبہ میں نافذ ہونے کا فتویٰ دیدیا کیونکہ لوگ اس کام میں جلدی کرتے تھے جس میں ان کو صبر و تحمل سے کام لینے کی ضرورت تھی اور جو شخص کسی عورت کی عدت میں اس سے نکاح کرے تو اس کے ساتھ دوبارہ (یعنے عدت پوری ہونے کے بعد) اس کو نکاح کرنا حرام قرار دیا ان دونوں کے درمیان تفریق کرانے کے بعد اور یہ حکم اس کی تنبیہ کے لئے نافذ فرمایا' اور مصلحتوں پر غور کرنا ناظرین کے اختلاف کی بنار پر مختلف ہوتا ہے' اسی لئے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہم بعض مفتیوں کو ان کی رائے سے اختلاف کرتا ہوا پاتے ہیں اور وہاں پر کئی مسائل ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اختلاف کیا ہے اور ان کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ کیا ہے جیسا کہ ہم نے بھائیوں کے ساتھ نانی کی میراث کے مسئلہ میں بیان کیا ہے اور وظائف میں ترجیح دینے کے بارہ میں بیان کیا ہے اور اسی طرح وہاں پر اور مسائل ہیں جن میں حضرت علیؓ نے ایسے فتوے دئے ہیں جو ان کے دوسرے بھائیوں (باقی خلفار راشدین) کے فتووں کے خلاف تھے چنانچہ وہ ان یتامی کے مال سے زکوٰۃ نکالتے تھے جو ان کے زیر پرورش تھے حالانکہ ان کے سوا اور لوگ یتیم کے مال میں زکوٰۃ کا حکم نہیں دیتے تھے۔

اور ہم نے یہ بھی بیان کردیا ہے کہ اس زمانہ میں اختلاف کچھ زیادہ نہیں تھا اس لئے کہ ان کے فیصلے واقعات کے مطابق ہوتے تھے اور یہ فیصلے ان کے زمانہ میں مدون نہیں کئے جاتے تھے'

Marfat.com

چنانچہ یہ دور ختم ہوگیا اور فقہ صرف احکام قرآن مجید اور احادیث ظاہرہ متبعہ اور جلیل القدر صحابہ رضہ کی پسند کا نام تھا جو ان کے سامنے دوسرے صحابہ نے روایت کی تھی یا جس کو انھوں نے خود سنا تھا اور بہت کم فتوے ایسے تھے جو اجتہاد اور بحث کے بعد ان کی رائے سے صادر ہوئے تھے۔

اور اس زمانہ میں مشہور فتوے صادر کرنے والے خلفاء اربعہ اور حضرات عبداللہ ابن مسعود اور ابو موسی اشعری اور معاذ بن جبل اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت تھے جن میں کثرت سے فتوے دینے والے حضرات عمرؓ ابن الخطاب اور علیؓ بن ابی طالب اور عبداللہؓ بن مسعود اور زیدؓ بن ثابت تھے اور یہ فتوے خاص طور سے فرائض کے متعلق تھے۔

اور حضرت ابا بن عمرؓ اور علیؓ کے حالات اتنے زیادہ واضح ہیں کہ یہاں ان کے ذکر کی ضرورت نہیں یہاں ہم ان کے علاوہ اور لوگوں کے حالات بیان کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود

وہ عبداللہؓ بن مسعود ہذلی ہیں جو بنی زہرہ کے حلیف تھے قدیم الاسلام ہیں فرماتے ہیں کہ میں چھٹا مسلمان تھا کہ روئے زمین پر ہم چھ کے سوا کوئی مسلمان نہ تھا اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے قرآن مجید کو مکہ معظمہ میں زور سے پڑھا اور جب وہ اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس لے لیا چنانچہ وہ آپ کی خدمت کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمادیا تھا کہ تمہارے لئے اجازت ہے کہ تم میری آواز سن لو اور پردہ اٹھا ہوا ہو چنانچہ وہ آپ کے مکان میں جایا کرتے تھے اور آپ کو جوتے پہنایا کرتے تھے اور آپ کے ساتھ بلکہ کبھی آپ کے آگے چلا کرتے تھے اور جب آپؐ غسل فرماتے تو آپؐ کے لئے پردہ باندھا کرتے اور جب آپؐ سویا کرتے تو آپؐ کو اٹھایا کرتے اور حبشہ اور مدینہ دونوں طرف ہجرت کی اور دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور بدر اور احد اور خندق اور بیعت رضوان میں موجود تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام لڑائیوں میں شریک رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد میدان یرموک میں شریک رہے۔ اکثر صحابہ اور تابعین نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں، حضرت حذیفہ رضہ سے کہا گیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طور وطریقہ میں زیادہ قریب ہو اسے بتائیے کہ اس سے ہم احادیث لیں یا ان سے سنیں تو فرمایا کہ سب لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب طور وطریق ندوش میں ابن مسعود ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کے جلیل القدر صحابہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ابن ام عبد ان سب میں اللہ کے نزدیک بہت زیادہ مقربین میں سے ہیں اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے حاکم بناتا تو ابن ام عبد کو حاکم بناتا۔

حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے ان کو کوفہ کی طرف روانہ کیا اور وہاں کے رہنے والوں کو لکھا کہ میں نے عمار بن یاسر کو امیر بنا کر بھیجا ہے اور عبداللہ بن مسعود کو معلم اور وزیر، اور وہ دونوں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بزرگ ترین ہیں وہ اصحاب بدر میں سے ہیں ان کی اقتدا کرو اور ان کی اطاعت کرو اور ان کے اقوال کو سنو اور میں نے عبداللہ کو تمہارے لئے اپنے اوپر ترجیح دی ہے چنانچہ وہ کوفہ میں رہے وہاں کے رہنے والے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنا کرتے تھے اور وہ ان کے معلم بھی تھے اور قاضی بھی۔ اور وہ جیسا کہ حضرت علیؓ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے ایسے ہی تھے کہ قرآن مجید پڑھا اس کے حلال کو حلال قرار دیا اس کے حرام کو حرام۔ دین میں فقیہ تھے حدیث کے عالم تھے، ان کے اور حضرت عثمانؓ کے درمیان ان کی زندگی کے آخری ایام میں اختلاف ہوگیا تھا چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کو مدینہ منورہ بلوا لیا اور وہ وہاں آگئے اور وفات تک وہیں مقیم رہے اور ابن سعد نے طبقات میں روایت کی ہے کہ حضرت عثمانؓ ہی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ہر ایک نے ایک دوسرے کے لئے اللہ تعالیٰ سے حضرت عبداللہؓ کی موت سے پیشتر مغفرت طلب کی اور یہ ۳۲ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت زید بن ثابتؓ

وہ زید بن ثابت بن ضحاک بخاری انصاری ہیں، جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں ان کی عمر (۱۱) سال کی تھی اور ان کا سب سے پہلا جہاد غزوہ خندق ہے اور جنگ تبوک میں بنی مالک بن نجار کا جھنڈا عمارہ بن حزم کے پاس تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جھنڈا لے کر زید بن ثابت کو دیدیا تو عمارہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ کو میرے متعلق کسی قسم کی خبر ملی ہے تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ قرآن مقدم ہے اور زید نے تم سے زیادہ قرآن سیکھ لیا ہے، اور زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی وغیرہ لکھا کرتے تھے اور آپؐ کے پاس سریانی زبان میں خطوط آیا کرتے تھے تو آپ نے زیدؓ کو حکم دیا تو انھوں نے اس زبان کو سیکھ لیا پھر وہ حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کے پاس کتابت

Marfat.com

کرتے رہے اور حضرت عمرؓ نے ان کو مدینہ پر تین مرتبہ اپنا نائب بنایا۔ اور حضرت عثمانؓ بھی جب حج کو جایا کرتے ان کو نائب بنایا کرتے۔ اور علم فرائض میں سب صحابہ سے زیادہ علم رکھتے تھے اسی لئے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ تم سب میں علم و فرائض کے زیادہ جاننے والے زید ہیں۔ اور صحابہ میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے اور راسخ فی العلم تھے اور جب وہ اپنے اہل و عیال کے پاس ہوتے تو بہت پر مذاق ہوتے اور جب لوگوں میں ہوتے تو بہت زیادہ پروقار رہتے اور حضرت زیدؓ عثمانی تھے اور حضرت علیؓ کے ساتھ کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے لیکن حضرت علیؓ کی فضیلت اور ان کی تعظیم کا اظہار کیا کرتے تھے آپ سے اکثر صحابہ اور تابعین نے روایت کی ہے اور حضرت ابو بکرؓ نے انہی کو جمع قرآن کا ذمہ دار بنایا تھا۔ اور حضرت عثمانؓ نے اور لوگوں کے ساتھ ان کو اس کام کے لئے مقرر کیا تھا ۴۵ھ میں وفات ہوئی۔

Marfat.com

تیسرا دور

چھوٹے صحابہ اور ان سے استفادہ کرنیوالے تابعین کے زمانہ میں فقہ

اور یہ دور حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کی حکومت کے زمانہ یعنے سنہ ہجری سے اس وقت تک کا ہے جب کہ دولت عربیہ میں قرن ثانی کی ابتدا میں ضعف کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔

سیاسی پس منظر

جمہور اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دور حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ سے شروع ہوتا ہے اور اسی لئے سنہ کو "عام الجماعۃ" کہا جاتا ہے مگر سیاسی اختلاف کے جراثیم جڑ سے ختم نہیں ہوئے تھے بلکہ بعض ایسے رہ گئے تھے جن کے دلوں میں حضرت معاویہ اور ان کے اہل خاندان کی مخالفت پوشیدہ تھی اور جو ان کے ساتھ مکر و فریب سے پیش آتے تھے اور یہ دو فرقے تھے۔

(پہلا فرقہ) فرقۂ خوارج ہے جن کی سیاست استبدادی حکومت اور اس کے بادشاہوں کی دشمنی پر مبنی تھی اور اسلامی خلافت کو کسی مقرر خاندان یا کسی مخصوص شخصیت میں منحصر نہیں سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ جمہور کے ارادہ پر موقوف ہونا چاہیئے اور وہ اسی کو منتخب کرتے تھے جس کو اپنی سیاسی مصلحتوں اور حکومت چلانے کے لئے موزوں سمجھتے تھے اور حضرات عثمان وعلی و معاویہ رضی اللہ عنہم سے اپنی براءت ظاہر کرتے تھے اول اس لئے کہ انھوں نے شیخین کی سیاست کے خلاف کام کیا تھا اور اپنے اہل بیت کی رعایت اور ان کے درجے بلند کرنے کا ارادہ کیا اور ان کو پوری قوم کے حقوق پر ترجیح دینا اختیار کیا تھا۔ اور دوسرے سے اس لئے کہ انھوں نے اپنے اور مخالفوں کے درمیان تحکیم پر رضامندی کا اظہار کیا اور تیسرے سے اس لئے کہ وہ حکومت پر قوت سے غالب آئے۔

(دوسرا فرقہ) فرقہ شیعہ ہے جو حکومت کو حضرت علیؓ اور ان کے خاندان کا حق سمجھتا ہے اور جو شخص ان سے اس حق کو چھین لے ان کے نزدیک وہ ظالم اور جور کرنے والا ہے جس کی حکومت جائز نہیں۔

Marfat.com

حضرت معاویہؓ کی سیاست دوسرے فرقہ (شیعہ) کی شورش کو پرسکون کرنے والی اور فرقہ اولی (خوارج) کی شدت کو کم کرنے والی تھی اسی لئے ان کی زندگی کے ختم ہوتے ہی وہ شورشیں شروع ہوگئیں جو وحدت کلمۂ اسلام سے جنگ کرنے والی تھیں چنانچہ اہل مدینہ نے یزید کی علیحدگی کا مطالبہ کیا اور حضرت حسینؓ بن علیؓ عراق کے قصبہ سے نکلے اس خیال سے کہ وہ وہاں اپنے باپ کے مددگار پائیں گے جوان کو ان کا چھنا ہوا حق دلانے میں ان کی مدد کریں گے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ معظمہ کی حفاظت میں آتے ہوئے مخالفت کی۔ ان لوگوں کی شورش سے اہل مدینہ بہت پریشان ہوئے اور انھوں نے سخت تکلیفیں اٹھائیں جیسے حضرت حسینؓ اپنے خروج میں پریشان ہوئے کہ حدود عراق میں پہونچنے سے پہلے وہ مع اپنی کثیر اہل بیت کے خود عراقیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے اور اگر یزید کی موت واقع نہ ہوتی تو ابن زبیرؓ بھی اسی وقت ان کے پاس پہونچ گئے ہوتے۔

یزید کی موت کے بعد فتنہ کی آگ زیادہ بھڑک اٹھی اور یہ اس وقت تک بھڑکتی رہی جب تک کہ صاحب عزم صادق و ہمت عالی عبدالملک بن مروان تخت حکومت پر نہ بیٹھ گیا کہ اس نے حضرت ابن زبیرؓ کا مکہ معظمہ میں خاتمہ کرکے اور ان تمام شہروں کو جو شورش کے مراکز تھے واپس لے کر اس شورش کا خاتمہ کیا اور ملت اسلامیہ متفق ہوگئی اور فرقہ شیعہ کی دعوت خفیہ ہونے لگی اور خوارج کی شدت ماند پڑگئی لیکن اس اتفاق میں اور اس اتفاق میں جو حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں ہوا تھا بڑا فرق تھا۔ کیونکہ حضرت معاویہؓ نے اس پر نرمی اور حسن اخلاق سے قابو پایا تھا اور عبدالملک نے قوت سے کام لیا کیونکہ اس نے مرکز فتنہ میں حجاج بن یوسف کو مقرر کیا جو ظلم و جبر سے کام لینے والوں کا امام تھا جو جبراً و قہراً لوگوں کو کسی بات کے ماننے کے لئے مجبور کیا کرتے ہیں اور اس چیز کا اثر بہت کم باقی رہتا ہے اسی بنا پر اس کی مخالفت میں عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کندی کی قیادت میں بڑا فتنہ اٹھا اور اگر شام کے اندر دین متواتر نہ پہونچتا رہتا جنھوں نے بڑی شدت کے بعد ابن اشعث کے فتنہ کا خاتمہ کیا تو بنی امیہ کی حکومت ختم ہوگئی ہوتی۔ اسی طرح حجاج کو خوارج سے سخت دن دیکھنے پڑے اور اگر مہلب بن ابی صفرہ کی ہمت نہ ہوتی اور خوارج آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہوجانے کی مصیبت میں نہ پھنس جاتے تو معاملہ بہت سخت ہوگیا ہوتا۔ بہرحال ان سختیوں کا خاتمہ ہوگیا اور ولید بن عبدالملک کا زمانہ آگیا جو بنی امیہ کے زمانوں میں شیریں اور پُربہار زمانہ تھا جس میں تمام فتنے دب گئے۔ اور مشرق و مغرب میں بڑی فتوحات ہوئیں، لیکن یہ سکون عارضی تھا

Marfat.com

جیسے وہ سکون جس کے بعد سخت ہوائیں چلیں، ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان تخت پر بیٹھا جس نے حکومت کے بڑے بڑے جنرلوں کو جن کا مشرق و مغرب میں سلطنت کو وسعت دینے میں بڑا ہاتھ تھا جیسے قتیبہ بن مسلم محمد بن قاسم بن محمد اور موسی بن نصیر کو بدل کر دیا کیونکہ پہلے دونوں کا حجاج بن یوسف سے ربط تھا جس سے ولید ناراض تھا اور رذلیل خواہشات کی بنا پر موسی بن نصیر سے بھی وہ خوش نہ تھا اور یہ مخفی نہیں کہ اس طرز عمل سے ان کے قبیلہ کے لوگ اور ان سے تعلق رکھنے والوں کے دل میں کس قدر فساد پیدا ہوا ہوگا اس کے بعد خلافت مو صالح حضرت عمر بن عبد العزیز کو ملی جنھوں نے لوگوں میں عدل و مساوات کو پھیلانا چاہا اور اپنے اسلاف پر طعن کیا اور جو ان کے قبضہ میں تھا اس کو "ظلم" قرار دیکر ان سے واپس لیا اور بیت المال میں داخل کرایا اور خلافت کے بارے میں ان کی رائے خوارج کے مطابق تھی کہ اس کو بنی امیہ سے نکالنا چاہتے تھے اور یہ کہ اس کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کریں جو علم اور دین کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہو لیکن ان کا یہ ارادہ پورا نہ ہوسکا کیونکہ موت نے جلدی سے انھیں آدبوچا اور ان کی نرمی اور لوگوں سے چشم پوشی کا نتیجہ ہی تھا کہ ان کے زمانہ میں دوسری صدی کے شروع میں بنی عباس کی حکومت قائم کرنے کی دعوت خفیہ طریقہ پر قائم ہوگئی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے بعد یزید بن عبد الملک پھر ان کے بھائی ہشام کی حکومت قائم ہوئی اور ان کے زمانہ میں فتنہ علویہ شروع ہوا جس کی قیادت زید بن علی بن الحسین نے کی اور خلافت کا مطالبہ کیا لیکن اس کو کوئی اہمیت نہ پیدا ہوسکی اور وہ بے نیل مرام شہید کر دئے گئے پھر ان کے بعد ان کے لڑکے یحیی بن زید کی شہادت واقع ہوئی اور ہشام کے زمانہ میں ہی دعوت عباسیہ پروان چڑھی جس کا نتیجہ دولت امویہ کے خاتمہ کی صورت میں نمودار ہوا یہ تھی اس زمانہ میں عالم اسلامی کی مختصر صورت حال۔ ۲

اس دور کی خصوصیات: جیسا کہ ہم نے سیاسی پس منظر میں بیان کیا اس زمانہ میں مسلمان ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے اور ہر ایک فریق جن کا ہم نے ذکر کیا یعنے شیعہ و خوارج کا ایک ایک خاص میلان طبع تھا شیعان علیؓ کا میلان حضرت علیؓ، ان کے اہل بیت اور ان کی جماعت والوں کی طرف تھا اور وہ ان کے دشمنوں پر اور ان سے جنگ کرنے والوں پر لعنت بھیجتے تھے بلکہ لبسا اوقات ایک دوسرے کو کافر بتلاتے اور ایک دوسرے سے بیزاری ظاہر کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی نظر میں ان کے اقوال و آرار کی کوئی قیمت نہ تھی اور خوارج کا میلان حضرات ابی بکرؓ و عمرؓ اور ان کے متبعین کی طرف تھا اور حضرات عثمانؓ و علیؓ و معاویہؓ سے اور ان کے محبوں

Marfat.com

سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے اور اسی لئے ان میں سے کسی کی رائے کو جن سے وہ بیزاری کا اظہار کرتے تھے قابل حجت نہیں مانتے تھے۔ اور حضرت معاویہ رضؓ کے طرفدار یا جمہور اسلام ان دونوں فرقوں سے نفرت کرتے تھے اور ان کے نزدیک ان کا کوئی وزن نہ تھا اسی لئے مسائل کے اجتہاد میں اس اختلاف کو بڑا دخل تھا۔

(۲) علماء اسلام اسلامی شہروں میں پھیل گئے کیونکہ صحابہ کرام رضؓ مدینہ منورہ سے دوسرے شہروں میں سکونت کے لئے منتقل ہو گئے جن میں سے بعض معلم تھے بعض قاری حتیٰ کہ یہ نئے شہر ان کا وطن بن گئے اور ان سے بڑے بڑے تابعین کی جماعت پیدا ہوئی جو فتویٰ میں ان کے ساتھ شریک ہوئی اور اس منصب میں ان کی شرکت کے فوائد کا صحابہ کرام نے اعتراف کیا اور ان کے مرتبوں کو جس کو انھوں نے علمی اشغال اور اجتہاد سے حاصل کیا بہت بڑھایا اور اگر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا وجود نہ ہوتا اور تمام مسلمانوں میں اس کی حرمت مسلم نہ ہوتی اور مکہ مکرمہ مقدس مقام نہ ہوتا جہاں دنیا کے مختلف العقیدہ و مختلف الخیال مسلمان جمع ہوتے تھے تو ان شہروں کے علماء کے درمیان اتصال علمی قائم نہ رہتا۔

(۳) روایت حدیث کی اشاعت میں جو امر مانع تھا وہ زائل ہو چکا تھا اور خلفاء راشدین کے بعد جو صحابہ باقی رہ گئے تھے ان کے پاس عالم اسلام سے لوگ سفر کر کے فتوے اور علم حاصل کرنے کے لئے آیا کرتے تھے اور وسعت تمدن کی وجہ سے لوگوں کی نئی نئی ضرورتیں پیدا ہونے لگی تھیں جس کی بناء پر احکام میں بحث کرنے پر مجبور ہو گئے اور صحابہ اور جلیل القدر تابعین کے علاوہ جو فتاوی میں صحابہ کے شریک تھے کوئی ٹھکانہ نہ رہا تھا۔ لہذا وہ ان احادیث سے فتویٰ دیا کرتے تھے جو ان کو حفظ تھیں جن میں سے بعض تو خود انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں اور بعض بزرگ صحابہ سے سنی تھیں اور اس زمانہ میں اصحاب فتویٰ کے پاس احادیث کی ایک بڑی تعداد تھی جو ان سے روایت کی جاتی تھی اور یہ تعداد بعض کے پاس ہزاروں سے زیادہ تھی مثلاً مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے مروی احادیث (۳۱۳) صفحات میں ہیں اور حضرت عبد اللہ رضؓ بن عمر رضؓ سے مروی احادیث (۱۵۶) صفحات میں درج ہیں اور تقریباً اتنی ہی ان چھوٹے صحابہ سے مروی احادیث ہیں جو اس زمانہ میں موجود تھے حالانکہ حضرت ابی بکر رضؓ سے مروی احادیث (۱۴) صفحات میں لکھی ہوئی ہیں اور حضرت عمر رضؓ سے مروی احادیث باوجودیکہ وہ دور اول کے مفتیوں کے امام ہیں۔ (۱۴) صفحات میں ہیں اور حضرت علی رضؓ سے مروی احادیث حالانکہ وہ بھی فتوی میں

Marfat.com

انہی کے برابر ہیں (۸۵) صفحات میں لکھی ہوئی ہیں۔ اور یہ جملہ احادیث نہ تو کسی ایک شہر میں موجود تھیں اور نہ کسی ایک کتاب میں کیونکہ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے فتویٰ دینے والے حضرات شہروں میں متفرق تھے۔ تو ہر شہر والے نے ان ہی سے روایت کی جوان کے پاس اترے تھے اس لئے جس شہر میں جو روایتیں تھیں وہ دوسرے شہر میں نہ تھیں مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت عائشہ صدیقہ و حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ مکہ معظمہ میں تھے اور فسطاط میں حضرت عبداللہ رضؓ بن عمرو بن العاص مقیم تھے اور بصرہ میں حضرت انس رضؓ بن مالک کا قیام تھا اور کوفہ میں حضرت ابوموسیٰ رضؓ اشعری اور حضرت علی رضؓ بن ابی طالب کے شاگرد اور ابن مسعود رضؓ تھے یہ تمام انہی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ دیتے تھے جوان کے پاس تھیں اور یہاں بیت اللہ شریف کے تعلقات زیادہ واضح طور پر ظاہر ہوتے ہیں اس ظہور کے مقابلہ میں جو گزشتہ سنت میں بیان کئے گئے تھے اور ان تینوں خصوصیات۔ یعنی سیاسی تفریق، ملکی تفریق اور کثرت روایت حدیث ہر شہر کے محدثین کی خصوصیت کے ساتھ فتویٰ میں اختلافات کثیر پیدا کر دئے ان میں سے ہر ایک خصوصیت اختلاف پیدا کرنے میں عامل قوی ہے شیعہ کے پاس الگ فتاویٰ ہیں خوارج کے پاس الگ اور جمہور امت کے الگ، اور یہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں جھوٹ کا داخل ہونا۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے حضرات ابوبکر و عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کو خوف تھا۔

امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں اپنی سند سے حضرت طاؤس رحؒ روایت کی ہے کہ یہ "یعنی بشیر بن کعب" حضرت ابن عباس رضؓ کے پاس آئے اور ان سے حدیث بیان کرنے لگے تو حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا کہ فلاں حدیث دوبارہ سناؤ تو انھوں نے وہ حدیث ان کو دوبارہ سنائی، پھر اور احادیث ان کو سنائیں تو فرمایا کہ فلاں فلاں احادیث دوبارہ پڑھو انھوں نے وہ احادیث ان کو دوبارہ سنائیں، اس کے بعد بشیر نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ مجھے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ آپ نے سب احادیث کو بجز ان احادیث کے قبول فرمایا یا سب احادیث کو قبول نہ کر کے صرف ان احادیث کو قبول فرمایا (جن کو آپ نے دوبارہ سنا) تو حضرت ابن عباس رضؓ نے ان سے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کیا کرتے تھے جب تک کہ آپ پر جھوٹ نہیں بولا جاتا تھا لیکن جب لوگ سرکش و مطیع اونٹ پر چڑھنے لگے یعنے جھوٹی سچی حدیثوں میں فرق

Marfat.com

نہ کرنے لگے) تو ہم نے آپ سے حدیث کی روایت کرنا چھوڑ دیا۔

اور مجاہد سے روایت کی ہے کہ بشیر عدوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور حدیث بیان کرنے لگے اور کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نہ ان کی احادیث کو سنتے تھے نہ ان کی طرف دیکھتے تھے تو انھوں نے کہا ابن عباس یہ کیا بات ہے کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ میری بیان کردہ احادیث کو نہیں سن رہے ہیں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کر رہا ہوں اور آپ سنتے نہیں ہیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مدت گزری جبکہ ہم کسی شخص کے متعلق سنتے تھے کہ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو ہماری آنکھیں اس کی طرف اٹھ جاتی تھیں اور اس کی بات سننے کے لئے ہم اپنے کان لگا دیا کرتے تھے لیکن جب لوگ ہر سرکش و مطیع سواری پر چڑھنے لگے تو ہم لوگوں سے بجز ان احادیث کے جن کو ہم پہچانتے ہیں اور احادیث نہ لینے لگے۔

اور حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت کی گئی ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس کو خط لکھا جس میں ان سے درخواست کی کہ میرے لئے ایک کتاب لکھیں اور جو امور مناسب نہ ہوں اس کو نہ لکھیں تو آپ نے فرمایا کہ لڑکا خیر خواہ ہے میں چند امور چن کر اس کو لکھدوں گا اور جو باتیں مناسب نہ ہوں گی ان کو چھپالوں گا پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے منگوائے اور اس میں سے کچھ فیصلے لکھنے لگے اور کسی فیصلہ کو پڑھ کر یہ فرماتے کہ خدا کی قسم علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ ہرگز نہ کیا ہوگا مگر یہ کہ وہ گمراہ ہو گئے ہوں۔

اور طاؤس سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک کتاب لائی گئی جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلہ تھے تو آپ نے سب کو مٹا دیا مگر اس کے برابر باقی رکھا (سفیان بن عیینہ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا)

اور حضرت ابو اسحاق سے روایت کی گئی ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد لوگوں نے ان چیزوں کو پیدا کر دیا تو اصحاب علی رضی اللہ عنہ میں سے ایک شخص نے کہا اللہ ان کو قتل کرے انھوں نے کیسے علم کو خراب کر دیا۔

اور حضرت ابو بکر بن عیاش سے روایت ہے کہ میں نے مغیرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی احادیث بجز اصحاب عبد اللہ بن مسعود کے اور کسی سے قبول نہ کی جاتی تھیں۔

اور حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ پہلے احادیث کی اسناد کے متعلق کوئی سوال

Marfat.com

نہ کرتا تھا لیکن جب فتنہ پیدا ہو گیا تو لوگوں نے پوچھنا شروع کر دیا کہ اپنے راویوں کی سند بتاؤ تو دیکھا جاتا تھا کہ اگر وہ اہل سنت ہیں تو ان سے احادیث قبول کی جاتی تھیں اور اگر وہ اہل بدعت ہیں تو ان سے حدیث قبول نہیں کی جاتی تھی۔

ابوالزناد اور عبداللہ بن ذکوان سے روایت ہے کہ میں نے مدینہ منورہ میں سو آدمی ایسے پائے جو بھلے معلوم ہوتے تھے لیکن ان کی احادیث قبول نہ کی جاتی تھیں کہا جاتا تھا کہ یہ اس کے اہل نہیں ہیں۔

اور شعبی سے روایت ہے کہ وہ فرماتے تھے مجھ سے حارث اعور نے حدیث بیان کی اور وہ جھوٹا تھا۔

اور حضرت جریر سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں جابر بن یزید جعفی سے ملا لیکن میرے دل میں اس کی وقعت نہ تھی کیونکہ وہ رجعت کا قائل تھا اور زہیر سے روایت ہے کہ میں نے جابر سے سنا کہ وہ کہتا تھا کہ میرے پاس پچاس ہزار حدیثیں ہیں جن میں سے میں نے کوئی بیان نہیں کی پھر ایک دن ایک حدیث بیان کی اور کہا یہ اس پچاس ہزار میں سے ہے۔ اور حضرت سفیان سے روایت ہے کہ میں نے جابر سے تقریباً تیس ہزار حدیثیں سنی ہیں جن میں سے ایک بھی بیان نہیں کرنا چاہتا خواہ مجھے کتنا ہی انعام ملے۔ اور حضرت ہمام سے روایت ہے کہ ہمارے پاس ابوداؤد اعمی (اندھا) آیا اور کہنے لگا کہ ہم کو براء نے یہ حدیث سنائی اور زید بن ارقم نے یہ تو ہم نے اس کا ذکر حضرت قتادہ سے کیا تو فرمایا جھوٹا ہے اس نے ان سے کچھ نہیں سنا طاعون کی عام تباہی کے زمانہ میں تو یہ لوگوں سے بھیک مانگا کرتا تھا۔

اور ابوجعفر مدنی ہاشمی کے متعلق روایت ہے کہ وہ حکماء کے کلام کو احادیث کہا کرتے تھے حالانکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نہیں ہوتی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کرتے تھے اسی طرح بہت سی مثالیں ہیں اور اسی سے وہ اسباب ظاہر ہو گئے جو ان جھوٹے لوگوں کو اس بات کی طرف مائل کرتے تھے جن کی بناء پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی باتیں روایت کریں جو آپ نے نہیں فرمائیں، امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

"جھوٹے دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں جھوٹ ہے اور وہ بھی کئی قسم ہیں (۱) ایک تو وہ جو ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جن کو اصلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا اور یہ لوگ زندیق اور ان کے مثل لوگ ہیں جن کے نزدیک دین کا

Marfat.com

کوئی وقار نہیں اور وہ اپنی بڑائی اور دین کے تحقیر کی غرض سے یہ حرکتیں کیا کرتے تھے۔

(۲) اور یا جاہل عبادت گزار جنھوں نے اپنے خیال سے دین اور ثواب کا خیال کر کے فضیلتوں اور رغبتوں کی احادیث وضع کیں۔

(۳) یا فاسق محدثین جنھوں نے ریا کاری اور نادر باتوں کے بیان کرنے کے خیال سے احادیث وضع کیں۔

(۴) بدعتیوں کے مبلغین اور مذاہب کے متعصبین نے تعصب اور اپنے مذہب کی دلیلوں کو قائم کرنے کے لئے احادیث وضع کیں۔

(۵) دنیاداروں کی ان خواہشات کی تکمیل کے لئے جو وہ چاہیں یا جو غلط کام وہ کر رہے ہیں اس میں ان کی معافی کا پہلو نکالنے کے لئے بعض لوگوں نے احادیث وضع کیں۔

اور ان طبقات میں سے ہر طبقہ کی ایک جماعت اہل فن اور روایات حدیث کا علم رکھنے والوں کے پاس متعین ہے۔

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو نفس حدیث کو تو وضع نہیں کرتے تھے لیکن اکثر ضعیف متن والی حدیث کو مشہور اور صحیح سندوں سے بیان کرتے تھے۔

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو سندوں کو الٹ پلٹ کر دیتے ہیں یا اس میں زیادتی کرتے ہیں اور یہ ارادہ یا تو ندرت پیدا کرنے کی غرض سے ہوتا ہے یا اپنے کو جہالت کے الزام سے بچانے کی غرض سے۔

اور ان میں سے بعض اس طرح جھوٹ بولتے ہیں کہ وہ ایسے شخص سے سننے کا دعویٰ کرتے ہیں جس سے انھوں نے نہیں سنا اور ایسے شخص سے ملنے کا دعویٰ کرتے ہیں جس سے وہ نہیں ملے اور صحیح احادیث کی ان سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان میں سے بعض لوگ تو صحابہ کرام وغیرہ اور اہل عرب کی حکمت کی باتوں اور حکماء کے کلام کو بیان کرتے ہیں اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اس قسم کے بہت سے لوگ اس دور میں پائے گئے اور کیا گمان ہوگا جابر جعفی جیسے شخص کے متعلق جس کا دعویٰ تھا کہ اس کے پاس پچاس ہزار حدیثیں اور بعض روایات میں ستر ہزار حدیثیں تھیں جن کو وہ محمد باقر بن حسین بن علی سے روایت کرتا تھا۔ ابن عباس کو اس کی خبر اس حال میں پہونچی جبکہ اسلام ابھی تازہ تھا تو آپ نے جو کچھ فرمایا اس کا ذکر ہم نے اوپر کر دیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ سیاسی اختلاف اور مذاہب کے تعصب نے اکثر ان لوگوں کے لئے جو اپنے

Marfat.com

مذہب کے بارہ میں غلو کیا کرتے تھے اس بات کو جائز کر دیا تھا کہ اپنے جذبات کی تائید کے لئے ایسی جھوٹی احادیث بنا دیں جس کی روایت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کریں اور وہاں شیعہ اور خوارج اور جمہور مسلمان تھے اور ان میں سے ہر فرقہ میں خبیث لوگ موجود تھے البتہ ان فرقوں میں سے خوارج میں جھوٹے کم تھے کیونکہ ان کے اصول میں یہ تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا تمام کبیرہ گناہوں میں بڑا تھا تو یہ بہت مشکل تھا کہ ان میں سے کوئی اس کی جراَت کر سکے۔

اور اس مشکل نے آنے والے زمانہ میں اہل حدیث کی مہم کو بہت مشکل بنا دیا تھا اور تم کو معلوم ہو جائے گا کہ انھوں نے سنت کو ملاوٹ سے پاک وصاف کرنے کے لئے کیا کیا کیا اور اس بارہ میں ان کو کس قدر کامیابی ہوئی۔

(۵) غیر عرب تعلیم یافتہ مسلمان کا بڑی تعداد میں ظاہر ہونا کیونکہ اہل فارس وروم ومصر کی کثیر تعداد اسلام میں داخل ہو چکی تھی اور وہ موالی کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ کیونکہ جو شخص کسی آدمی کے ہاتھ پر اسلام لاتا تھا اس کو اس کا مولی کہا جاتا تھا جن میں سے بعض تو غلام رہ چکے تھے اور بعض غلامی کے اطلاق سے پہلے مسلمان ہو جاتے تھے۔ اور مسلمانوں نے بہت سے لڑکوں کو بھی حاصل کر لیا تھا جن کو تربیت دی اور اپنے زیر اثر رکھکر قرآن مجید وحدیث کی تعلیم دی چنانچہ انھوں نے حفظ کیا اور سمجھا اور لکھنے پڑھنے اور اس عقل وفہم سے انھوں نے مدد لی جو ان کو حاصل تھی اور جمہور اسلام عرب نے جنسیت شدیدہ کی عصبیت کے باوجود اس وقت ان کا احترام کیا اور ان کے فتاوٰی اور ان سے احادیث کی روایت کو تسلیم کیا اور یہ لوگ تمام اسلامی شہروں میں پائے جاتے تھے اور علم وتعلیم میں صحابہ اور جلیل القدر تابعین کے ساتھ شریک تھے چنانچہ بہت کم حضرت عبداللہ رضؓ بن عباس رضؓ کی روایت ان کے مولی عکرمہ کے بغیر بیان کی جاتی تھی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کی روایت بہت کم بغیر ان کے مولی نافع کے بیان ہوتی تھی اور عموماً حضرت انس رضؓ بن مالک کے ساتھ ان کے مولی محمد بن سیرین کا ذکر کیا جاتا تھا۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضؓ کے ساتھ عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج کا ذکر اکثر کیا جاتا تھا جو ان کے راوی تھے۔ اور یہی چار حضرات جملہ صحابہ میں حدیث وفتوٰی کے بیان کرنے میں پیش پیش تھے اور ان کے چاروں موالی کا اس میں بڑا حصّہ ہے۔ اور یہ سمجھنا غلطی ہے کہ فقہ وروایت حدیث میں عرب سب سے کم درجہ کے تھے اور یہ کہ وہ صرف ان کے شریک تھے حالانکہ کوئی شہر ایسا نہ تھا کہ جس میں دونوں فریق کی کافی تعداد نہ ہو البتہ بعض شہروں میں موالی

Marfat.com

کو خصوصی امتیاز حاصل تھا جیسے کہ بصرہ میں کہ ان کے رئیس حسن بن ابی الحسن بصری تھے لیکن بعض میں فقہاء عرب کو بھی امتیاز حاصل تھا جیسے کہ کوفہ۔

(۶) رائے اور حدیث کے درمیان نزاع کا پیدا ہونا اور دونوں کے اصول کے حامیوں کا پیدا ہونا۔ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ عصر اول میں جلیل القدر صحابہ اپنے فتوؤں میں اول کتاب اللہ پھر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند لیا کرتے تھے اور اگر وہ اس میں عاجز ہو جاتے تو پھر رائے سے فتویٰ دیتے تھے اور یہی دراصل قیاس ہے اس کی وسیع معانی کے لحاظ سے اور وہ رائے کے اختیار کرنے میں بہت زیادہ توسع اختیار نہ کرتے تھے اسی لئے ان سے رائے کی مذمت منقول ہے اور ہم نے گزشتہ اوراق میں بیان کر دیا ہے کہ جس رائے پر عمل کیا جائے وہ کیا ہے اور جس کی مذمت آئی ہے وہ کیا ہے اور جب یہ پچھلے لوگ آئے تو انھوں نے ان اگلے لوگوں کو دیکھا کہ بعض تو حدیث ہی پر فتویٰ دیتے ہیں اور اس سے بڑھنا نہیں چاہتے کہ ہر مسئلہ میں وہ ان احادیث سے تجاوز کریں جو ان کے پاس ہیں اور وہاں ایسے تعلقات نہ تھے کہ بعض مسائل کو بعض سے مربوط کر دیں اور دوسرے فریق کو انھوں نے دیکھا کہ اس کی رائے ہے کہ شریعت عقلی معنے کے لحاظ سے ہے جس کے کچھ اصول ہیں جن کی طرف مراجعت کی جا سکتی ہے تو وہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے میں جہاں تک ممکن ہوتا ان پہلوں کی مخالفت نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ شریعت کے معقول ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کی بناء ان مضبوط قواعد پر ہے جو کتاب و سنت سے سمجھے گئے ہیں۔ اسی لئے وہ اپنی رائے سے فتویٰ دینے میں جبکہ ان کو کوئی نص نہ ملتی تو فریق اول کے مثل ڈرتے نہ تھے اس کے علاوہ یہ لوگ ان علتوں اور غایات کے پہچاننے کی تلاش میں رہتے تھے جس کے لئے احکام مقرر کئے گئے ہیں اور بعض اوقات انھوں نے اصول شریعت کے مخالفت کی بناء پر بعض احادیث کو بھی رد کر دیا خصوصاً جبکہ دوسری احادیث بھی اس کے خلاف مل گئیں اور اس مبداء کا اکثر ظہور اہل عراق میں ہوا۔ چنانچہ ربیعہ بن فروخ نے حضرت سعید بن المسیب سے جو تابعین میں اہل مدینہ کے فقہاء کے شیخ تھے عورت کے انگلیوں کی دیت دریافت کی کہ ایک انگلی کی دیت کیا ہے تو کہا دس اونٹ کہا دو انگلی کی تو کہا بیس کہا تین انگلی کی تو کہا تیس پھر پوچھا کہ چار کی تو فرمایا بیس تو کہا کہ جب اس کا زخم زیادہ ہو گیا تو دیت کم ہو گئی تو ان سے حضرت سعیدؒ نے دریافت کیا کہ کیا تم عراقی تو نہیں ہو۔ سنت یہی ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت سعیدؒ فرماتے تھے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہوتی ہے تو ظاہر کے مطابق

Marfat.com

حکم جاری کیا گیا اگرچہ اس کا نتیجہ عقل کے خلاف نکلے کیونکہ شریعت میں عقل کا کوئی دخل نہیں تو عورت کی تین انگلیوں کی دیت ایک تہائی دیت سے کم ہوگی اسی لئے اس کی تین انگلیوں کی دیت تیس اونٹ ہوئی لیکن چار انگلیوں کی دیت ایک تہائی سے زیادہ ہے لہٰذا اس کی دیت مرد کی دیت کے نصف کے برابر ہوگی یعنے بیس اونٹ اور اس نتیجہ کی وجہ ربیعہ کی سمجھ میں نہیں آئی اس لئے انھوں نے حضرت سعیدؒ سے دریافت کیا اور حضرت سعیدؒ کو یہ سوال پسند نہ آیا اور ان کے سوال سے یہ نتیجہ نکالا کہ ربیعہ ان لوگوں میں سے ہے جو نص کے ہوتے ہوتے رائے کو شریعت میں داخل کرتے ہیں جیسا کہ اہل عراق کے متعلق مشہور ہے اسی لئے انھوں نے دریافت کیا کہ کیا تم عراقی ہو اور عراق اس مسئلہ میں اس طرح کہتے ہیں کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے نصف کے برابر ہے ہاتھ پاؤں میں جیساکہ جان میں اور اس نتیجہ کو چھوڑ دیتے ہیں جس کو عقل محال سمجھتی ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت سعیدؒ کے قول میں سنت سے مراد حضرت زیدؓ ابن ثابت کی سنت ہے کیونکہ وہی یہ فتوے دیا کرتے تھے

اس سے اہل حدیث واہل رائے کا فرق معلوم ہوگیا کہ اول یعنے اہل حدیث احکام کے طور پر ہر اسکی علتوں میں بحث کئے بغیر عمل کرتے تھے اور بہت کم رائے سے فتوی دیا کرتے تھے اور دوسرے (اہل رائے) احکام کی علتوں اور بعض مسائل کے بعض مسائل سے ربط سے بحث کیا کرتے تھے۔ اور اگر ان کے پاس کوئی سند نہ ملتی تو رائے سے حکم دینے سے گریز نہیں کرتے تھے اور اکثر حجازی اہل حدیث تھے اور اکثر اہل عراق اہل الرائے تھے اسی لئے حضرت سعیدؒ بن المسیب نے ربیعہ سے جب کہ انھوں نے اعتراض کیا تو فرمایا کہ کیا تم عراقی ہو۔

اور فقہاء عراق میں جو قیاس اور رائے میں مشہور ہوئے وہ ابراہیم بن یزید نخعی کوفی فقیہ عراق تھے اور وہ حماد بن ابی سلیمان کے شیخ تھے جو امام ابو حنیفہؒ کے شیخ تھے جو اہل عراق کے فقیہوں میں مقدم ہیں اور حضرت ابراہیمؒ نے فقہ اپنے ماموں علقمہ بن قیس نخعی کوفی سے سیکھی جو طبقہ اولیٰ کے تابعین میں فقہاء کے مقدم ہیں اور حضرت ابن مسعود کے منتخب اصحاب میں سے تھے اور حضرت ابراہیمؒ عامر بن شراحیل شعبی کے معاصر تھے جو کوفہ کے محدث اور وہاں کے عالم تھے اور ان دونوں میں بعد المشرقین تھا کیونکہ حضرت شعبیؒ صاحب حدیث واثر تھے اگر ان کے پاس کوئی فتویٰ پیش ہوتا اور وہ اس میں کوئی نص نہ پاتے تو فتویٰ دینے سے رک جاتے اور اپنی رائے پیش کرنے یا کسی دوسرے کی رائے لینے کو برا سمجھتے تھے۔

چنانچہ حضرت شعبیؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر احنف (عرب کے ایک مشہور عقلمند و حکیم سردار کا نام ہے)

Marfat.com

قتل کردے جائیں اور اس کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ بھی قتل ہو جائے تو کیا دونوں کی دیت یکساں ہو گی یا احنف کی دیت اس کی عقل و حلم کی بنا پر زیادہ ہو گی تو لوگوں نے کہا کہ برابر ہو گی تو فرمایا کہ پھر قیاس کچھ نہیں کیونکہ دونوں آدمیوں میں از روئے عقل و قیاس ضرور فرق ہونا چاہیئے گویا حضرت شعبیؒ اور اصحاب حدیث و اثر میں جو ان کے مسلک پر ہیں نص کے پاس ٹھیر جاتے ہیں اور اس سے تجاوز نہیں کرتے اور جس معاملہ میں موجود ہو اور جس میں نہ ہو اس میں اپنی رائے سے کچھ کہنا نہیں چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ عقل کو اس میں حکم کا کوئی اختیار نہیں اور نہ وہاں مصلحتیں منضبط ہیں جن کو شارع نے اپنی تشریع میں معتبر قرار دیا ہو اور جن کی طرف فتویٰ کے وقت رجوع کریں گویا احکام شرعیہ میں کوئی شیرازہ بندی آپس میں نہیں ہے اسی لئے حضرت سعید بن المسیب شیخ فقہاء اہلحدیث کو ربیعہ کے سوال سے بہت رنج ہوا جبکہ ربیعہ نے انگلیوں کی دیت کے بارے میں عقلی سوال کر دیا۔ اور چونکہ ربیعہ شریعت کی علتوں میں زیادہ بحث کیا کرتے تھے اس لئے اہل مدینہ نے ان کو "ربیعۃ الرائے" کا لقب دیدیا تھا۔ حتیٰ کہ جب عبداللہ بن سوار قاضی نے یہ کہا کہ میں نے ربیعۃ الرائے" سے زیادہ کسی کو عالم نہیں پایا تو ان سے پوچھا گیا کہ نہ حسن نہ ابن سیرین تو فرمایا کہ نہ حسن نہ ابن سیرین۔ لیکن ابراہیم نخعی اور جو فقہاء عراق ان کے طریقہ پر تھے بلکہ بعض فقہاء اہل مدینہ بھی اگرچہ اپنے فتووں میں کتاب اور سنت کی سند لیتے تھے لیکن انھوں نے یہ سمجھا کہ اس شریعت کے لئے کچھ مصلحتوں کا ہونا ضروری ہے جن کا حاصل کرنا مقصود ہے جس کے لیئے شریعت بنائی گئی ہے اور ان کے لیئے ان مصلحتوں کا اعتبار کرنا درست بھی رہا۔ تو انھوں نے ان مصلحتوں کو ان امور میں جن میں کتاب و سنت نہ ملے اجتہاد کی بنیاد قرار دیا اور ان کے پاس ان کی اس دلیل میں سلف صالح کا عمل موجود تھا کیونکہ صحابہ کرام نے بہت سے مسائل میں جو ان کو پیش آئے قیاس کیا تھا جبکہ ان کو کتاب و سنت میں ان مسائل کی دلیل نہیں ملی اور ان کی رائیں انہی مصلحتوں کے اعتبار کا نتیجہ تھا۔

اہل حدیث، اہل الرائے پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ اپنے قیاسات کی بنا پر بعض احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ یہ خطا ہے اور ہم ان میں کسی کو بھی ایسا نہیں پاتے ہیں جس نے قیاس کو اس سنت پر مقدم کیا ہو جو ان کے پاس ثابت ہو چکی ہو ہاں اگر کسی خاص واقعہ میں ان کو کوئی روایت نہیں ملی یا روایت تو ملی لیکن اس کی سند پر اطمینان نہ ہوا تو پھر اس نے رائے سے فتویٰ دیدیا جس میں بعض اوقات فتویٰ سنت کے خلاف ہو گیا جو یا تو معلوم نہ تھی یا معلوم تو تھی لیکن اس کی روایت پر

Marfat.com

اس نے بھروسہ نہیں کیا یا اس کی نظر میں اس سے قوی حدیث اس کے معارض تھی جیسے کہ حضرت سفیان ابن عیینہ نے روایت کی ہے "کہ حضرات ابوحنیفہؒ اور اوزاعیؒ مکہ معظمہ میں دار الحناطین میں جمع ہوئے تو اوزاعیؒ نے ابوحنیفہؒ سے کہا کہ تم کو کیا ہوا ہے کہ رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے تو ابوحنیفہؒ نے کہا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تو کہا یہ کیسے مجھ سے تو زہریؒ نے سالمؒ سے روایت کی ہے کہ ان کے والد نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھایا کرتے تھے جبکہ نماز شروع کرتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت تو حضرت ابوحنیفہؒ نے کہا ہم سے حمادؒ نے حضرت ابراہیمؒ سے بیان کیا اور وہ حضرات علقمہؒ واسودؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ہاتھ نہیں اٹھاتے مگر نماز شروع کرتے وقت اور پھر کبھی اس کا اعادہ نہیں کرتے تھے تو اوزاعیؒ نے فرمایا کہ میں آپ سے زہری کی روایت بیان کرتا ہوں جو سالم سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد سے اور آپ اس کے مقابلہ میں یہ فرماتے ہیں کہ حمادؒ نے حضرت ابراہیمؒ سے روایت کی ہے۔ تو ابوحنیفہؒ نے جواب دیا کہ حضرت حمادؒ زہریؒ سے زیادہ فقیہ تھے اور حضرت ابراہیمؒ سالمؒ سے فقہ میں بڑھکر تھے اور حضرت علقمہؒ حضرت ابن عمرؓ سے کم نہ تھے اگرچہ حضرت ابن عمرؓ صحابی تھے یا ان کو صحبت کی فضیلت حاصل تھی اور حضرت اسودؒ کی بڑی فضیلت ہے اور عبداللہؓ ابن مسعود تو عبداللہؓ بن مسعود ہی ہیں جس پر اوزاعی خاموش ہوگئے۔

اور یہ مکالمہ ان کے الفاظ پر بحث کئے بغیر اس بات کی دلیل ہے کہ ہر فریق کے پاس کیا دلائل تھے اور نیز اس بات کی دلیل ہے کہ سب حد سنت پر قائم رہتے تھے جبکہ اس کی روایت پر ان کو اعتماد ہوتا تھا۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ مصراۃ کے ڈنڈ کا ہے اہل رائے کا فتویٰ تھا کہ خریدنے والا اس کو بھی واپس کرے اور اس کا جو دودھ دوہا ہے اس کی قیمت بھی واپس کرے اور اہل حدیث کا فتویٰ تھا کہ اس بکری کو واپس کردے اور ایک صاع کھجور دیدے اس حدیث کی بناء پر جو حضرت ابوہریرہؓ نے اس بارے میں روایت کی ہے اور مصراۃ اس بکری کو کہتے ہیں جس کے تھنوں کو باندھ کر ان میں دودھ اس غرض سے جمع رہنے دیا جائے کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ وہ بہت دودھ دینے والی بکری ہے۔ اس مسئلہ میں اہل الرائے کہتے ہیں کہ شریعت میں تلف شدہ چیزوں کے تاوان کا قانون یہ ہے کہ اگر اس کے مثل اور مل سکتے ہوں تو اس کا مثل

Marfat.com

اور اگر مثل والی چیزوں سے نہ ہو تو اس کی قیمت واپس کی جائے اور یہ حدیث اس چیز میں جس کا نہ مثل ہو نہ اس کی کوئی قیمت ہو تلف شدہ چیز کا تاوان بتاتی ہے اور یہ حدیث اگر ان کو پہونچی ہو تو شک پیدا کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ حدیث ان کو نہیں پہونچی اس لئے کہ ہم نے ان کو اکثر ایسا دیکھا ہے کہ ان کو اکثر ایسی احادیث میں جو قوانین عامہ کے مخالف تھیں تو انھوں نے اس پر عمل کیا اور اس کا نام استحسان رکھا۔

بہرحال یہ زمانہ جمہور اسلام میں اہل حدیث و اہل الرائے کے مفتیوں کی تقسیم کا تھا مگر وہاں قواعد منضبط نہ تھے جو مجتہدین کے لئے واضح ہوتے کیونکہ فقہ نے اس وقت تک تدوین و ترتیب کے لائق درجہ نہیں پایا تھا۔

اس زمانہ میں اجتہاد

کتاب وسنت

جہاں تک کتاب کا تعلق ہے تو اللہ سبحانہ و تعالی نے خلفاء راشدین کے طریقہ عمل سے اس کی حفاظت فرمادی جس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں لہذا جس طرح وہ مصاحف حضرت عثمان رض میں لکھا گیا اسی طرح پڑھا جاتا تھا اور ان مصاحف سے بہت سے مصحفوں میں اس کو نقل کیا گیا اور اور بکثرت صحابہ کرام و تابعین عظام اس کے حفظ اور اس کے پڑھانے میں مشہور ہو گئے جن کی کثرت تمام شہروں میں لاتعداد ہو گئی حتی کہ ان میں سے جو بعض قاری اس دور کے آخر میں مشہور ہوئے وہ حفاظ قرآن اور اس کے معلمین کی نہر میں ایک قطرہ کے مانند ہیں۔

لیکن جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو اس زمانہ میں اس کے راویوں کی کثرت اور علماء تابعین کی ایک جماعت کا روایت حدیث کے لئے مخصوص ہونے کے باوجود اس کی تدوین کا کوئی کام نہ ہوا لیکن یہ بات خلاف عقل تھی کہ یہ امر زمانہ طویل تک جاری رہے جبکہ جمہور کے نزدیک سنت کا اعتبار مسلم تھا کہ وہ کتاب کی تفصیل بیان کرنے کی حیثیت سے قانون شریعت کو مکمل کرنے والی ہے اور جمہور میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اس رائے کی مخالفت کرتا اور سب سے پہلے اس نقص کا جس نے احساس کیا وہ دوسری صدی ہجری کی ابتدا میں امام عادل حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز تھے جنھوں نے مدینہ منورہ میں اپنے عامل ابوبکر بن محمد بن عمرو ابن حزم کو لکھا کہ تم احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش کرو اور ان کو جمع کرو کیونکہ مجھے علم

Marfat.com

کے فنا ہونے اور علماء کے ختم ہونے کا ڈر پیدا ہو گیا ہے اس کو امام مالکؒ نے حضرت محمدؒ بن الحسن کی روایت سے موطا میں روایت کیا ہے اور ابونعیمؒ نے تاریخ اصبہان میں حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز سے روایت کی ہے کہ انھوں نے ہر چہار طرف لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو تلاش کر کے جمع کرو۔

اور اس دور کے لوگوں میں حضرت محمد بن مسلم بن شہاب زہریؒ نے احادیث کے لکھنے اور لکھوانے میں امتیاز حاصل کیا جو حفاظ حدیث کے اکابر میں سے تھے اور حضرت ابن عباسؓ کی گزشتہ حدیث سے ظاہر ہو چکا ہے کہ شیعان علیؓ کے پاس ایک کتاب موجود تھی جس میں ان کے فیصلے تھے جس کی حضرت ابن عباسؓ نے توثیق نہیں فرمائی اور فرمایا کہ خدا کی قسم علیؓ نے یہ فیصلہ نہیں کیا ہوگا مگر یہ کہ وہ گمراہ ہوئے ہوں" اور آپ نے اس میں سے اکثر حصہ مٹا دیا اور بجز قلیل کے کچھ باقی نہ رکھا۔

اس زمانہ کے مشہور مفتی

مدینہ کے مفتی

(۱) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت عائشہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے دو سال پہلے نکاح کیا اور جیسا کہ روایت ہے کہ ان کی عمر اس وقت سات سال کی تھی اور مدینہ منورہ میں ان کی رخصتی کر دی جبکہ ان کی عمر (۹) سال کی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب بیویوں میں سے تھی، حضرت عطاءؒ ابن ابی رباح نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ تمام لوگوں سے زیادہ فقیہ تھیں اور عام مسائل میں ان کی رائے سب سے بہتر تھی حضرت عروہؒ نے کہا ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے بڑھکر عالم فقہ اور شعر میں کسی کو نہ پایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے بکثرت روایت کی ہے مسند امام احمدؒ بن حنبل میں آپ کی بیان کردہ احادیث صفحہ ۲۹ سے صفحہ (۲۸۲) تک یعنی (۲۵۳) صفحات میں ہیں اور آپ کی روایات میں زیادہ تر اعتماد ان باتوں پر کیا جاتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ مبارک میں انجام دیا کرتے تھے اس کے باوجود فقہ کے ہر پہلو پر آپ کی احادیث موجود ہیں اور فقہاء صحابہ آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے آپ سے اکثر صحابہ و تابعین نے احادیث کی روایت کی ہے۔ اور آپ سے زیادہ روایت کرنے والے آپ کے اہل بیت سے حضرت عروہؒ بن زبیر تھے جو آپ کے بھانجے تھے اور حضرت قاسمؒ ابن محمد تھے جو آپ کے بھتیجے تھے ۵۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

Marfat.com

(۲) حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ | حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بن خطاب عدوی قرشی نے اپنے باپ کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا جبکہ آپ چھوٹے تھے اور سن بلوغت کو بھی نہ پہونچے تھے اور غزوہ بدر میں چھوٹے تھے اس لئے جنگ میں شریک نہ ہو سکے سب سے پہلی جنگ جس میں آپ نے شرکت کی تھی وہ غزوۂ خندق تھا اور غزوۂ موتہ میں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ساتھ شرکت کی تھی اور جنگ یرموک اور فتح مصر و افریقہ میں شامل تھے اور حضور اکرم کی سنت کی بیحد اتباع کرنے والے تھے حتیٰ کہ آپؐ جہاں اترے تھے وہاں اترتے اور جہاں آپ نے نماز پڑھی تھی وہاں نماز پڑھتے تھے اور حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے اترے تھے تو حضرت ابن عمرؓ اس کو پانی دیا کرتے تھے تاکہ وہ خشک نہ ہو جائے اور حضرت ابن عمرؓ مسلمانوں کے امام اور مشہور مفتیوں سے تھے اور بیحد محتاط تھے اور فتاویٰ میں اپنے نفس کی خواہشات کے مقابلہ میں اپنے دین کی زیادہ حفاظت کرنے والے تھے باوجودیکہ اہل شام ان کی طرف مائل تھے اور ان سے اہل شام کو محبت بھی تھی انھوں نے خلافت کے لئے جنگ چھوڑ دی اور فتنوں کے زمانہ میں کسی معاملہ میں جنگ نہیں کی اور حضرت علیؓ کی مشکلات کے زمانہ میں بھی حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ میں شرکت نہیں کی اگرچہ اس کے بعد وہ حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہونے پر ندامت کا اظہار کیا کرتے تھے اور حضرت جابرؓ بن عبداللہ کہا کرتے تھے کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کی طرف دنیا مائل نہ ہوئی ہو اور وہ دنیا کی طرف مائل نہ ہوا ہو بجز حضرت عمرؓ اور ان کے صاحبزادہ کے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی بکثرت روایت کی اور جلیل القدر صحابہؓ سے بھی روایت کی اور ان سے اکثر تابعینؒ نے روایت کی ہے جن میں سب سے زیادہ ان سے روایت کرنے والے ان کے صاحبزادے سالم اور ان کے مولیٰ نافع تھے حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ حدیث میں بھی جید تھے اور فقہ میں بھی جید تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد (۶۰) سال زندہ رہے موسم حج وغیرہ میں لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تھے ۷۳ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ | حضرت ابو ہریرہؓ کا نام عبدالرحمٰن تھا جو صخر کے صاحبزادے اور قوم دوس سے تھے غزوہ خیبر کے بعد ۷ھ میں ہجرت کر کے آئے تھے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ کے ساتھ رہے آپ سے بکثرت حدیث کی روایت کی ہے اور جلیل القدر صحابہؓ سے بھی روایت کی ہے اور ان سے اکثر تابعین نے روایت کی ہے جن میں زیادہ روایت کرنے والے ان کے داماد سعیدؓ بن المسیب اور ان کے مولیٰ اعرج اور ان کے علاوہ بکثرت حضرات تھے، علم کا مخزن تھے اور بزرگترین

Marfat.com

ائمہ فتوی میں سے تھے اور جلیل القدر عبادت گزار اور متواضع تھے اور صحابہ کرام میں سب سے زیادہ حافظ الحدیث تھے اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا اے ابو ہریرہ تم ہم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ہم سب سے زیادہ جانتے ہو ۵۸ھ میں انتقال فرمایا۔

یہ تینوں بزرگوار تمام صحابہ میں مدینہ منورہ میں اس زمانہ میں حدیث و فتویٰ کے لحاظ سے زیادہ تھے اور انہی پر اہل مدینہ کے علم کا دار و مدار ہے اور انہی سے مدینہ کے بڑے بڑے تابعین نے علم حاصل کیا ہے۔ جن میں سے چند مشہور حضرات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۴) حضرت سعیدؒ بن مسیب مخزومی | حضرت عمرؓ کی خلافت کے دو سال بعد آپ کی پیدائش ہوئی اور جلیل القدر صحابہؓ سے حدیث کو سنا نہایت وسیع العلم محترم دیانتدار حق بات کہنے والے اور اپنے نفس کے فقیہ تھے، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سعید بن مسیب مفتیوں میں سے ہیں اور حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ میں نے سعید بن مسیب سے زیادہ عالم کسی کو نہ پایا اور علی بن مدینی نے فرمایا کہ میں نے تابعین میں حضرت سعیدؒ سے زیادہ وسیع العلم کسی کو نہ پایا وہ تابعین میں میرے نزدیک جلیل القدر لوگوں میں سے ہیں اور وہ سلطان کے انعامات کو قبول نہیں فرماتے تھے اور ان کی اکثر مستند روایتیں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہیں اور حضرت حسن بصریؒ کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو وہ حضرت سعید بن مسیبؒ سے خط کے ذریعہ سوال کرتے۔ ایک قول کے مطابق ۹۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۵) عروہ بن زبیر بن عوام اسدی | آپ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ اور اکثر صحابہؓ سے حدیث کی روایت کی اور اپنی خالہ عائشہ صدیقہؓ سے فقہ کا علم حاصل کیا، سیرت کے عالم، حافظ الحدیث اور قابل اعتماد تھے ان سے ان کے صاحبزادہ ہشامؒ نے اور ان کے دوسرے لڑکوں نے روایت کی اور ان سے حضرت زہریؒ، ابو الزناد اور دیگر علماء مدینہ نے بھی روایت کی ہے امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو ایسا دریا پایا جو کبھی خشک نہیں ہوتا ۹۴ھ میں وفات پائی۔

(۶) حضرت ابو بکرؒ بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام مخزومی | آپ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور اپنے باپ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے روایت کی اور ان سے حضرت زہریؒ اور دوسرے چھوٹے تابعین نے روایت کی ہے نہایت ثقہ، صاحب حجت، فقیہ، امام، بہت زیادہ روایت بیان کرنے والے، سخی اور صالح تھے عابد اور خدا رسیدہ تھے ان کو راہب قریش کہا جاتا تھا ۹۴ھ میں وفات پائی۔

(۷) حضرت علیؒ بن حسین بن ابی طالب ہاشمی | آپ شیعہ امامیہ کے چوتھے امام ہیں زید العابدینؒ کے نام سے

Marfat.com

مشہور تھے اپنے والد اور اپنے چچا حضرت حسنؓ اور عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، زہری نے فرمایا ہے کہ میں نے علی بن حسینؓ سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں پایا لیکن وہ احادیث کم بیان کیا کرتے تھے ان کے صاحبزادہ کا بیان ہے کہ میں نے کسی ہاشمی کو ان سے افضل نہ پایا اور حضرت ابن مسیبؒ کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ پرہیز گار کسی کو نہ پایا ۹۴ھ میں وفات پائی۔

(۸) حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعودؒ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہم سے حدیثیں لیں اور فقہ و حدیث میں امام ہونے کے علاوہ اچھے شاعر بھی تھے حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کے اتالیق تھے امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت عبید اللہ علم کا ایک دریا تھے ۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۹) حضرت سالمؒ بن عبد اللہ بن عمرؓ اپنے والد اور حضرت عائشہ صدیقہؓ و حضرت ابو ہریرہؓ و حضرت سعید بن المسیبؒ وغیرہم سے احادیث سنیں ان کے والد کو ان سے بہت محبت تھی اور فرمایا کرتے تھے

یلوموننی فی سالم والومهم وجلدة بین العین والانف سالم

مجھے سالم کے بارے میں لوگ ملامت کرتے ہیں اور میں ان کو ملامت کرتا ہوں۔ کیونکہ سالم میری آنکھ اور ناک کے درمیان کا چمڑہ ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ زہد و فضل میں گزشتہ صالحین کے مشابہ ان سے زیادہ کوئی نہ تھا اپنے والد کے طریقہ پر چلتے تھے اور بہت سادہ رہتے تھے ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) حضرت ام المومنین میمونہؓ کے مولی سلیمانؒ بن یسار آپ نے ام المومنین میمونہؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ حضرات سے روایت کی حضرت حسنؒ ابن محمدؒ بن الحنفیہ فرماتے ہیں کہ وہ میرے نزدیک سعید بن المسیب سے زیادہ سمجھدار تھے اور کہا جاتا ہے کہ سعید بن مسیب کے پاس کوئی شخص فتویٰ طلب کرنے آتا تو وہ کہتے کہ سلیمان بن یسار کے پاس جاؤ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ لوگوں کے عالم تھے ۱۰۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) حضرت قاسمؒ بن محمد بن ابی بکرؓ آپ نے اپنی پھوپھی حضرت عائشہ صدیقہ و حضرت ابن عباس و ابن عمر وغیرہ رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں، آپ کی پھوپھی نے آپ کی تربیت کی، حضرت یحییٰؒ بن سعید کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ منورہ میں ایسا کوئی شخص نہ پایا جس کو قاسمؒ پر فضیلت دیں' اور ابو الزنادؒ نے فرمایا کہ میں نے قاسمؒ سے بڑھکر کوئی فقیہ اور احادیث کا عالم نہ پایا اور حضرت ابن عیینہؒ نے فرمایا کہ قاسم اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور حضرت ابن سعدؒ نے فرمایا کہ وہ امام فقیہ ثقہ رفیع المرتبت زاہد اور

Marfat.com

زیادہ احادیث بیان کرنے والے تھے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے کچھ بھی اختیار ہوتا تو میں بنی تیم کے اعمش یعنی قاسم کو خلیفہ بناتا سنہ ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) حضرت عبداللہ بن عمر کے مولیٰ نافع، اپنے مولد حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابی ہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے ان کو مصر روانہ فرمایا تاکہ وہاں کے باشندوں کو سنت کی تعلیم دیں، حضرت سالم کی زندگی میں وہ فتویٰ نہیں دیا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عمر کی تیس سال تک خدمت کی دیلمی الاصل تھے سنہ ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) حضرت محمد بن مسلم المعروف بہ ابن شہاب زہریؒ سنہ ۵۸ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور حضرات عبداللہ بن عمر و انس بن مالک و سعید بن المسیبؒ رضی اللہ عنہم سے روایت کی حضرت لیثؒ ابن سعد فرماتے ہیں کہ میں نے کسی عالم کو حضرت زہریؒ سے زیادہ جامع علوم نہیں پایا۔ اگر ترغیب کی حدیثیں بیان کرتے تو تم کہتے کہ ان سے بہتر کوئی بیان نہیں کر سکتا اور اگر عرب اور انساب کے متعلق بیان کرتے تو تم کہتے کہ ان کے علاوہ کوئی شخص یہ اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا اور اگر قرآن وسنت کے بارے میں کہنے لگتے تو بھی تم اسی طرح کہتے۔ اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ کوئی شخص زہریؒ سے زیادہ گزشتہ حدیثوں کا عالم باقی نہیں رہا۔ اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ ابن شہاب باقی رہ گئے ہیں جن کی نظیر دنیا میں کوئی نہیں اور حضرت لیثؒ فرماتے ہیں کہ وہ تمام لوگوں میں سخی تھے اور ہشام بن عبدالملک کے لڑکے کے اتالیق تھے اور اس کے مصاحب تھے، ایک مرتبہ ہشام نے ان سے درخواست کی کہ ان کے کسی لڑکے کو کچھ لکھوا دیں تو ان کو چار سو حدیثیں لکھوا دیں پھر تقریباً ایک ماہ کے بعد اس لڑکے نے ان سے ملاقات کی اور کہا کہ وہ کتاب ضائع ہو گئی تو کاغذ منگوا کر اس کو دوبارہ لکھوا دیں وہ پہلی کتاب مل گئی اور اس سے مقابلہ کرایا تو ایک حرف اس میں کم نہ تھا۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ابن شہابؒ مدینہ منورہ آئے اور حضرت ربیعہؒ کا ہاتھ پکڑ کر دونوں دفتر میں گئے پھر جب عصر کے وقت دونوں نکلے تو ابن شہابؒ یہ کہتے ہوئے نکلے کہ میں گمان نہیں کرتا کہ مدینہ میں ربیعہ کا مثل کوئی ہوگا اور ربیعہ یہ کہتے ہوئے نکلے کہ میں خیال نہیں کرتا کہ کوئی شخص علم کی اس حد کو پہنچا ہوگا جس حد تک ابن شہاب پہونچے ہوئے ہیں۔ اور ابن شہاب نے کہا کہ حضرت قاسمؒ بن محمد نے مجھ سے فرمایا کہ میں تم کو علم کا متلاشی پاتا ہوں کیا میں تم کو علم کا خزانہ نہ بتا دوں۔ تو میں نے کہا ضرور تو فرمایا کہ عبدالرحمٰن کی

Marfat.com

صاحبزادی سے ملو کیونکہ وہ حضرت عائشہ کی آغوش تربیت میں تھیں لہٰذا میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان کو بحر ذخار پایا سنہ ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) حضرت ابوجعفر بن محمد بن علی بن حسین، جو باقر کے نام سے مشہور تھے اور وہ شیعہ امامیہ کے پانچویں امام تھے آپ نے اپنے والد سے اور حضرت جابرؓ و حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے روایت کی اپنے زمانہ میں بنی ہاشم کے سردار تھے سنہ ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان، آپ فقیہ مدینہ تھے اور آپ نے حضرت انسؓ بن مالک اور اکثر تابعین سے حدیث کو سنا حضرت لیثؒ ابن سعد کہتے ہیں کہ میں نے ان کے پیچھے تین سو طالب فقہ، وطالب شعر اور مختلف قسم کے فنون کے طالب دیکھے تھے مگر کچھ زمانہ نہیں گزرا کہ وہ اکیلے رہ گئے اور سب حضرت ربیعۃ الرائے کے پاس پہونچ گئے، اور حضرت ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے ربیعہؒ اور ابوالزنادؒ کو دیکھا ہے اور ابوالزناد دونوں میں زیادہ فقیہ تھے اور حضرت سفیانؒ ابوالزناد کو امیر المومنین فی الحدیث کہا کرتے تھے۔ سنہ ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) حضرت یحیی بن سعید انصاری آپ نے حضرت انسؓ بن مالک اور اکثر تابعینؒ سے روایت کی ہے، حضرت یحیی قطانؒ کہتے ہیں کہ وہ زہریؒ سے افضل ہیں کیونکہ انھوں نے زہریؒ سے اختلاف کیا ہے لیکن زہریؒ نے ان سے اختلاف نہیں کیا ہے، اور حضرت احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یحیی بن سعید تمام لوگوں میں زیادہ محتاط ہیں اور حضرت وہیبؒ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ آیا تو بجز یحیی بن سعید اور امام مالک کے کسی کو ایسا نہ پایا جس کے متعلق کوئی کھلی بری بات نہ کہتا ہو۔ سنہ ۱۴۳ھ میں وفات پائی

(۱۷) حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن فروخ آپ حضرت انسؓ بن مالک اور اکثر تابعین سے روایت کرتے ہیں، امام حافظ فقیہ مجتہد اور رائے کے ماہر تھے اور اسی لئے ان کو ربیعۃ الرائے کہا جاتا تھا اور حضرت یحییؒ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے ربیعہ سے زیادہ ذہین کسی کو نہ پایا اور حضرت سوار ابن عبداللہ قاضیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ربیعہ سے زیادہ کسی کو رائے کا عالم نہیں پایا تو میں نے پوچھا کہ حسن کو اور نہ ابن سیرینؒ کو تو فرمایا کہ نہ حسن کو نہ ابن سیرینؒ کو اور فرماتے تھے کہ وہ بہت سخی تھے اور یہ وہی ہیں جن سے امام مالک بن انس نے علم فقہ حاصل کیا۔ سنہ ۱۳۶ھ میں وفات پائی۔

مکہ کے مفتی

(۱) حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ بن عبدالمطلب آپ ہجرت سے دو سال پہلے پیدا ہوئے

Marfat.com

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا کی کہ اللہ تعالی ان کو دین کی سمجھ دے اور تاویل کا علم عطا فرمائے' اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ بہترین مفسر قرآن ہیں اگر ان کو ہماری عمر ملتی تو کوئی ان کا ہمسر نہ ہوتا' اور حضرت معمرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کا علم عموماً ان تین حضرات سے تھا حضرات عمر و علی و ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہم اور ان سے روایت ہے کہ "جب میں یہ سنتا تھا کہ کسی شخص کے پاس حدیث ہے تو میں اس کے پاس آتا اور بیٹھا رہتا حتی کہ وہ خود نکلتا حالانکہ اگر میں چاہتا کہ وہ نکلے تو ایسا کرسکتا تھا"۔ تفسیر و فقہ میں اہل مکہ کے علم کا دارو مدار حضرت عباسؓ پر ہے ۶۸ھ میں وفات پائی۔

(۲) بنی مخزوم کے مولی مجاہدؒ بن جبر | آپ نے حضرات سعد و عائشہ صدیقہ و ابو ہریرہ و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے احادیث کی سماعت اور حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک مدت رہے اور ان سے قرآن پڑھا علم کا ایک خزانہ تھے' فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید حضرت ابن عباسؓ سے تین بار پڑھا ہر آیت کے پاس ان کو ٹھیراتا تھا اور دریافت کرتا تھا کہ کس بارے میں نازل ہوئی اور کیسے نازل ہوئی' حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ باقی لوگوں میں تفسیر کے سب سے زیادہ عالم مجاہدؒ ہیں' مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اکثر مرتبہ حضرت ابن عمرؓ نے میری رکاب روک کر دریافت فرمایا ہے ۱۰۳ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ کے مولی عکرمہ | آپ نے حضرات ابن عباس اور عائشہ صدیقہ و ابو ہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور حضرت ابن عباسؓ سے فقہ حاصل کیا' حضرت سعیدؒ بن جبیرؒ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ سے بڑھکر عالم کون ہے تو فرمایا کہ ہاں عکرمہؒ ہیں اور حضرت شعبیؒ سے مروی ہے کہ کتاب اللہ کو عکرمہ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ اور ان پر اعتراض ہے کہ ان کی رائے خوارج کی رائے کے مطابق تھی اسی وجہ سے امام مالکؒ اور امام مسلم بن حجاج نے ان سے کوئی حدیث نہیں لی ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔

(۴) حضرت عطاء بن ابی رباح مولی قریش | آپ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور حضرت عائشہ صدیقہ و ابو ہریرہ و ابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی سیاہ رنگ کے گھونگر والے بال والے فصیح اور زیادہ علم رکھنے والے تھے آپ فوج میں پیدا ہوئے تھے حضرت ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عطاء سے افضل میں نے کسی کو نہیں پایا حضرت اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ عطاء اپنی موت کے دن لوگوں میں تمام اہل زمین سے زیادہ مقبول تھے حضرت اسماعیلؒ ابن امیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عطاء زیادہ سکوت فرمایا کرتے تھے اور جب بات کرتے تھے تو ہم کو

Marfat.com

یہ خیال ہوتا تھا کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے ان کی تائید ہو رہی ہے حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ اے اہل مکہ تم میرے پاس آتے ہو حالانکہ تمہارے اندر عطا موجود ہیں ۱۱۴ھ میں وفات پائی

(۵) حضرت حکیمؓ بن حزام کے مولی ابو الزبیر محمد بن مسلم بن تدرس | آپ نے حضرات ابن عباسؓ و ابن عمرو سعید بن جبیر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حدیث بیان کی حضرت یعلیؒ بن عطاء فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو الزبیر نے حدیث بیان کی جو تمام لوگوں میں بلحاظ عقل کامل ترین اور حافظ ترین تھے حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت جابرؓ کے پاس جاتے تھے وہ ہم سے حدیث بیان کرتے تھے جب ہم وہاں سے نکلتے تو آپس میں مکالمہ کیا کرتے تو حضرت ابو الزبیرؒ ہم لوگوں میں سب سے زیادہ حدیث کے حافظ نکلتے ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔

مفتیان کوفہ

(۱) فقیہ عراق حضرت علقمہؒ بن قیس نخعی | آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے اور حضرات عمر و عثمان و ابن مسعود و علی رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی اور حضرت ابن مسعودؓ سے علم فقہ حاصل کیا اور ان کے راشد تلامذہ میں سے تھے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ مجھے جو معلوم ہے یا جو میں پڑھتا ہوں تو علقمہ بھی وہ پڑھتے ہیں اور ان کو بھی معلوم ہے۔ حضرت قابوسؒ بن ابی ظبیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ آپ صحابہؓ کو چھوڑ کر حضرت علقمہؒ کے پاس کیوں آتے ہیں تو فرمایا کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض کو علقمہؒ سے سوال کرتے اور ان سے فتویٰ طلب کرتے پایا ہے حضرت ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ امام و فقیہ فایق تھے اور قرآن مجید کو بہت عمدہ آواز سے پڑھتے تھے اور روایت کے نقل کرنے میں محتاط تھے صاحب خیر اور زاہد تھے حضرت ابن مسعودؓ سے چال ڈھال اور طور طریقہ میں مشابہت رکھتے تھے۔ ۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۲) حضرت مسروق بن اجدع ہمدانی | آپ علامہ فقیہ تھے اور حضرت عمرو بن معدیکرب کے بھانجے تھے حضرات عمر و علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ ان سے زیادہ طلب علم کرنے والا میں نے نہیں پایا اور وہ حضرت شریحؒ سے زیادہ فتویٰ کے ماہر تھے اور حضرت شریحؒ ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور حضرت مسروقؒ حضرت شریحؒ کے محتاج نہ تھے ۶۳ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

(۳) حضرت عبیدہ بن عمرو سلمانی مرادی | آپ یمن کی فتح کے زمانہ میں مسلمان ہوئے اور حضرات علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ فیصلہ میں شریحؒ کے مقابلہ کے تھے، اور حضرت عجلیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبیدہ حضرت ابن مسعودؓ کے ان اصحاب میں سے تھے جو لوگوں کو پڑھاتے تھے اور فتویٰ دیا کرتے تھے ۹۲ھ میں وفات پائی۔

(۴) حضرت اسود بن یزید نخعی | کوفہ کے عالم اور حضرت علقمہؒ بن قیس کے بھتیجے تھے۔ حضرات معاذ و ابن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا ۹۵ھ میں وفات پائی۔

(۵) حضرت شریح بن حارث کندیؒ | حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا ان کے بعد حضرت علیؓ نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا جو حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ تک رہے اور اپنی موت سے ایک سال پہلے مستعفی ہو گئے اور ہم کو معلوم نہیں کہ انکے سوا کوئی اور قاضی (۶۰) سال سال تک لوگوں میں عہدہ قضیہ پر رہا حضرات عمر و علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کی ۷۸ھ میں وفات پائی۔

(۶) حضرت ابراہیمؒ بن یزید نخعی | آپ فقیہ عراق تھے اور آپ نے حضرات علقمہ و مسروق و اسود وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور حضرت حماد بن ابی سلمہ فقیہ کے استاد ہیں مخلص علماء میں سے تھے شہرت سے اپنے کو دور رکھتے تھے اسی لئے ستون کے پاس نہیں بیٹھتے تھے حضرت عبدالملکؒ بن ابی سلیمان نے فرمایا کہ میں نے حضرت سعیدؒ بن جبیر کو یہ کہتے سنا ہے کہ تم لوگ ابراہیم نخعی کے ہوتے ہوئے مجھ سے فتویٰ مانگتے ہو اور علم کے بارے میں جب تک ان سے سوال نہ کیا جاتا بات نہ کرتے تھے ۹۵ھ میں وفات پائی۔

(۷) حضرت والبہؒ کے مولیٰ حضرت سعیدؒ بن جبیر | آپ نے حضرات ابن عباس و ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی اور حضرت ابن عباسؓ سے جب اہل کوفہ حج کے زمانہ میں مسائل پوچھتے تو فرماتے کہ کیا تم میں سعیدؒ بن جبیر نہیں ہیں۔ وہ کسی کو اپنے سامنے غیبت نہیں کرنے دیتے تھے، حضرت میمونؒ بن مہران فرماتے ہیں کہ سعیدؒ بن جبیر کا ایسے زمانہ میں انتقال ہوا جب کہ دنیا کا ہر شخص ان کے علم کا محتاج تھا۔ حجاج نے ابن اشعث کے فتنہ کے زمانہ میں ان کو ۹۸ھ میں قتل کیا۔

(۸) حضرت عامر بن شراحیل شعبیؒ | آپ تابعین میں علامہ تھے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں ۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔ امام حافظ فقیہ اور ہر فن مولیٰ تھے حضرات علی و ابی ہریرہ و عباس

Marfat.com

وعائشہ صدیقہ وابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور وہ حضرت ابو حنیفہ کے جلیل القدر اساتذہ میں سے تھے قاضی کوفہ رہے حضرت مکحول فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شعبیؒ سے بڑا عالم نہیں دیکھا اور ابو حصین فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو شعبی سے زیادہ فقیہ نہیں پایا اور حضرت ابن سیرینؒ نے حضرت ابو بکر ہذلی سے فرمایا کہ شعبی کو لازم پکڑے رہ کہ صحابہ کی کثرت کے زمانہ میں میں نے ان کو فتویٰ دیتے پایا ہے اور حضرت ابن ابی لیلیٰ نے فرمایا کہ شعبیؒ متبع حدیث تھے اور ابراہیمؒ صاحب قیاس ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ شعبیؒ کے پاس سے گزرے اور وہ غزوات کا بیان کر رہے تھے تو فرمایا کہ تم قوم کے پاس موجود تھے اس لئے اس کو سب سے زیادہ یاد رکھتے ہو اور مجھ سے زیادہ اس کے عالم ہو اور انہی سے روایت ہے کہ گذشتہ صالحین نے زیادہ حدیثیں بیان کرنا مکروہ سمجھا ہے اور اگر مجھے جو بات بعد میں معلوم ہوئی پہلے ہی معلوم ہو جاتی تو بجز ان احادیث کے جن پر علماء کا اتفاق ہو چکا ہے اور کچھ بیان نہ کرتا حضرت ابن عونؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شعبیؒ کے پاس کوئی مسئلہ آتا تو جہاں تک ممکن ہوتا وہ اس سے بچنے کی کوشش کرتے اور حضرت ابراہیمؒ اس کے بیان کی کوشش کرتے یہ بھی انھوں نے فرمایا ہے کہ حضرت شعبیؒ خوش مزاج تھے اور حضرت ابراہیمؒ روکھے تھے لیکن جب کوئی فتویٰ دینے کا موقع آتا تو شعبیؒ کو انقباض ہوتا اور حضرت ابراہیمؒ کو بسط ہوتا اور حضرت شعبیؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا ہم فقہا نہیں ہیں بلکہ ہم نے حدیث کو سنا تو اس کی روایت کر دی فقیہ تو وہ ہے کہ جب اس کو کسی بات کا علم حاصل ہو گیا تو اس پر عمل بھی کرے اور حضرت شعبیؒ قیاس کو ناگوار سمجھتے تھے سنہ ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔

مفتیان بصرہ

(۱) حضرت انسؓ بن مالک انصاری | آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور زمانہ دراز تک صحبت رسولؐ میں رہے اور بہت سی حدیثیں ان کو یاد تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ہجرت سے وفات نبوی تک رہے پھر حضرات ابو بکر و عمر و عثمان وغیرہ رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا۔ عمر طویل پائی حضرت امام بخاری نے ان سے اسی حدیثیں اور امام مسلمؒ نے ان سے ستر حدیثیں اور دونوں نے ان سے (۱۲۸) متفقہ حدیثیں روایت کی ہیں سنہ ۹۳ھ میں وفات پائی۔

(۲) حضرت ابو العالیہ رفیعؒ بن مہران ریاحی | جو قبیلہ تمیم کی شاخ ریاح کی ایک عورت کے مولیٰ

Marfat.com

آپ نے حضرات عمر وابن مسعود وعائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں، ان سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضؓ مجھے بلند جگہ بٹھلاتے تھے اور قریش اس سے نیچی جگہ پر بیٹھا کرتے تھے اور فرماتے کہ علم اس طرح شریف کے شرف کو بڑھاتا ہے اور بادشاہوں کو تخت پر بٹھاتا ہے ۹۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت زید رضؓ بن ثابت کے مولی حسن بن ابوالحسن سیار | آپ نے مدینہ منورہ میں نشوونما پائی اور حضرت عثمان رضؓ کی خلافت کے زمانہ میں قرآن حفظ کیا پھر بڑے ہوئے پھر جہاد اور علم وعمل میں مشغول رہے۔ اور ممتاز بہادروں میں سے تھے اکثر صحابہ رضؓ سے حدیث روایت کی ہے حضرت ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ عالم رفیع المرتبت اور قابل اعتماد صاحب حجت تھے، عبادت گزار بڑے علم والے فصیح وخوبصورت اور ان لوگوں میں سے تھے جو حق کے لئے ٹکر لیتے ہیں اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے ہیں ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔

(۴) حضرت ابوالشعثاء جابرؒ بن زید صاحب حضرت ابن عباس رضؓ | حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تمام بصرہ والے حضرت جابرؒ بن زید کے قول کو مان لیتے تو اللہ کی کتاب کا علم ان کے پاس وسیع پاتے اور ان سے یہ بھی مروی ہے کہ تم اپنے درمیان میں جابرؒ بن زید کے موجود ہوتے ہوئے مجھ سے دریافت کرتے ہو، حضرت عمروؒ بن دینار فرماتے ہیں کہ جابرؒ بن زید سے بڑھ کر علم فتویٰ کا عالم میں نے کسی کو نہیں پایا اور روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضؓ نے ان سے طواف میں ملاقات کی اور فرمایا اے جابر تم فقہاء بصرہ میں سے ہو تمہارے پاس فتوے کے لئے سوالات آتے ہیں لہٰذا تم بجز قرآن ناطق یا سنت ماضیہ کے فتویٰ نہ دینا اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم ہلاک ہو جاؤ گے اور لوگوں کو بھی ہلاک کرو گے ۹۳ھ میں وفات پائی۔

(۵) حضرت محمدؒ بن سیرینؒ حضرت انس رضؓ بن مالک کے مولی | آپ حضرت عثمان رضؓ کی خلافت کے دو سال باقی رہتے کے وقت پیدا ہوئے تھے اپنے مولد حضرت انس رضؓ اور حضرت ابوہریرہ وابن عباس وابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے فقیہ امام وسیع العلم مستند قابل وثوق اور تعبیر خواب میں علامہ تھے زہد میں سربرآوردہ تھے، مورق عجلی فرماتے ہیں کہ میں نے پرہیزگاری میں ان سے زیادہ فقیہ کسی کو نہ پایا اور نہ فقہ میں ان سے زیادہ کوئی پرہیزگار پایا ۱۱۰ھ میں حضرت حسن بصریؒ کی وفات کے پورے ایک سو دن کے بعد وفات پائی۔

(۶) حضرت قتادہ بن دعامہ دوسیؒ | آپ نے حضرات انس رضؓ وسعیدؒ بن مسیب وغیرہما سے روایت

Marfat.com

کی ہے نابینا تھے۔ حافظہ قوی تھا ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ قتادہ لوگوں میں سب سے زیادہ حافظ تھے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی نہیں کہ میں نے اس کے بارے میں کچھ نہ سنا ہو حضرت امام احمدؒ بن حنبل فرماتے ہیں کہ قتادہؒ سے زیادہ تفسیر کا عالم میں نے کسی کو نہیں پایا اور اختلاف علماؒ کے وہ ماہر تھے اور انھوں نے حفظ اور فقہ میں ان کی تعریف کی ہے اور ان کا ذکر بہت تفصیل سے کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مرتبے میں ان سے آگے بڑھنے والے بہت کم پاؤ گے اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بیس سال کا عرصہ ہوا کہ اپنی رائے سے فتویٰ نہیں دیا اور حفظ کے علاوہ وہ عربیت اور لغت اور ایام عرب والنساب کے ماہر تھے ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔

مفتیان شام

(۱) حضرت عبدالرحمٰن بن غنم اشعری | آپ نے حضرات عمرؓ و معاذ وغیرہما رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے ان کو شام کی طرف روانہ کیا تھا تاکہ وہاں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں اور شام کے تابعین نے انہی سے علم فقہ حاصل کیا عظیم القدر تھے اور فاضل تھے ۷۸ھ میں وفات پائی۔

(۲) حضرت ابوادریس خولانی عائذ اللہ بن عبداللہ | آپ علم و عمل کے جامع لوگوں میں سے تھے حضرت معاذؓ بن جبل اور بہت سے صحابہؓ سے علم حاصل کیا اہل دمشق کے قاضی اور ان کے واعظ اور قصہ خواں تھے حضرت زہریؒ فرماتے ہیں کہ وہ شام کے فقہاء میں سے تھے ۸۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت قبیصہؒ بن ذویب | آپ خلیفہ عبدالملک کی مہر کے محافظ تھے حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ وغیرہما رضی اللہ عنہم سے روایت کی حضرت زہریؒ فرماتے ہیں کہ قبیصہ اس امت کے علماء میں سے تھے اور حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھکر عالم نہیں پایا اور حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ قبیصہؒ حضرت زیدؓ بن ثابت کی قضا کو سب سے زیادہ جانتے ہیں ۸۶ھ میں وفات پائی۔

(۴) حضرت مکحولؒ بن ابی مسلم | یہ ہذیل کی ایک عورت کے مولیٰ تھے اور ان کی اصل کابل سے تھی چھوٹے صحابہؓ سے روایت کرتے اور بڑے صحابہؓ پر تدلیس کرتے تھے یعنی ان کے درمیان کے واسطوں کو چھوڑ کر بڑے صحابہؓ سے روایت بنایا کرتے تھے۔ طلب علم میں بہت سفر کئے حتیٰ کہ اس کا حصہ وافر حاصل کیا حضرت زہریؒ نے فرمایا کہ علماء تین ہیں پھر انہی میں مکحولؒ کا ذکر بھی فرمایا اور حضرت ابوحاتمؒ فرماتے ہیں کہ اہل شام میں مکحول سے بڑا فقیہ میں نے کسی کو نہیں پایا۔ ۱۱۳ھ میں وفات پائی۔

(۵) حضرت رجاء بن حیاۃ کندیؒ | آپ اہل شام کے شیخ تھے اور حکومت کے رکن تھے حضرات معاذؓ

Marfat.com

وعبداللہ بن عمرو جابر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی حضرت مطرؒ وراق فرماتے ہیں کہ میں نے شامیوں میں ان سے زیادہ فقیہ کسی کو نہ پایا اور حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ رجاء اہل شام کے سردار تھے اور ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ فاضل اور قابل اعتماد وکثیر العلم تھے ۱۱۲ھ میں وفات پائی۔

(۶) حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز بن مروان | وہ بنی امیہ کے آٹھویں خلیفہ تھے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، مصر میں نشو ونما پائی۔ اور حضرت انسؓ بن مالک اور اکثر تابعینؒ سے علم حاصل کیا۔ امام، فقیہ، مجتہد، سنت کے جاننے والے، بڑی شان کے بزرگ، صاحب وثوق، صاحب دلیل، حافظ اللہ تعالیٰ کے مطیع، خشوع کرنے والے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے عدل میں حضرت عمرؓ بن الخطاب کے مشابہ تھے اور زہد میں حضرت حسنؒ بصری کے اور علم میں حضرت زہریؒ کے برابر تھے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ہم ان کو سکھانے آئے تھے اور اس وقت تک ان کے پاس رہے کہ ہم خود ان سے سیکھنے لگے ۱۰۱ھ میں وفات پائی۔

مفتیان مصر

(۱) حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے روزہ دار عبادت گزار تھے اللہ کی کتاب پڑھنے والے اور علم طلب کرنے والے تھے۔ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی علم کی باتیں لکھیں حضرت ابوہریرہؓ ان کے کثرت علم کا اعتراف کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا، پرہیزگار تھے اور اپنی حالت پر غور کیا کرتے تھے اور اپنے والد کو فتنہ میں شریک ہونے پر ملامت کیا کرتے تھے اور اس میں عدم شرکت کو نافرمانی کے خوف سے گناہ سمجھتے تھے اسی لئے صفین میں شریک ہوئے اگرچہ تلوار نہیں چلائی اور اہل کتاب کی بہت سی کتابیں حاصل کی تھیں اور اس میں غور وتامل کیا تھا اور اس میں عجیب معلومات حاصل کی تھیں، مصریوں نے آپ سے بہت علم حاصل کیا مصر میں ۶۵ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابوالخیر مرشد بن عبداللہ یزنی مفتی مصر | آپ نے حضرات ابوایوب انصاری اور ابوبصرہ غفاری اور عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور آخر الذکر اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے علم فقہ حاصل کیا ابن یونس کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں اہل مصر کے مفتی تھے سنہ ۹۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) یزید بن ابی حبیب مولی ازد | اگرچہ آپ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کی ہے لیکن ان کی اکثر روایت تابعین رضی اللہ عنہم سے ہے ابوسعید بن یونس کہتے ہیں کہ وہ اہل مصر کے

Marfat.com

مفتی تھے اور حلیم اور عاقل تھے اور انھیں نے سب سے پہلے مصر میں علم کا چرچا پھیلایا اور مسائل اور حلال وحرام کو ظاہر کیا حالانکہ اس سے پہلے ترغیب اور جنگوں اور فتنوں کی احادیث بیان کی جاتی تھیں لیث بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ یزید ہمارے عالم اور ہمارے سردار تھے اور کہا جاتا ہے کہ یزید ان تینوں میں سے ایک تھے جن کو حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے مصر میں فتوے کی اجازت دی تھی اور وہ بربری الاصل تھے ان کے والد ونقلہ کے رہنے والے تھے اور مصر میں نشوونما پائی اور جب کبھی کسی خلیفہ کی بیعت کی جاتی تو سب سے پہلے عبداللہ ابن ابی جعفر اور یزید بن ابی حبیب بیعت کیا کرتے تھے ابن لہیعہ فرماتے ہیں کہ یزید بیمار ہوئے تو حوثرہ بن سہیل حاکم مصر نے ان کی عیادت کی اور فرمایا اے ابورجاء تمہارا کیا فتویٰ ہے اس کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے جس میں مچھروں کا خون ہو تو انھوں نے اپنا چہرہ پھیر لیا اور کچھ جواب نہ دیا تو وہ کھڑے ہوگئے تو یزیدؒ نے ان کی طرف دیکھکر کہا کہ تو روزانہ ایک خلق کو قتل کرتا ہے اور مجھ سے مچھروں کے خون کے بارے میں دریافت کرتا ہے اور حضرت سعیدؓ بن عفیر فرماتے ہیں کہ زبان بن عبدالعزیز نے حضرت یزیدؒ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرے پاس آئیں تاکہ میں آپ سے علم کے بارے میں کچھ دریافت کروں تو انھوں نے جواب کہلا بھیجا کہ بلکہ تم میرے پاس آؤ کیونکہ میرے پاس تمہارا آنا تمہارے لئے زینت کا باعث ہوگا اور تمہارے پاس میرا آنا میرے لئے عیب کا باعث ہوگا۔ ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔

مفتیان یمن

(۱) حضرت طاؤس بن کیسان جندی | ان لڑکوں میں سے تھے جو جنگ میں گرفتار ہوئے ہیں آپنے حضرات زید بن ثابت وعائشہ صدیقہ وابوہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں اور علم وعمل میں چوٹی کے لوگوں میں سے تھے حضرت عمرو بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں نے طاؤس کے مثل کسی کو نہیں دیکھا اور قیسؒ بن سعید فرماتے ہیں کہ طاؤسؒ ہم میں ایسے تھے جیسے اہل بصرہ میں ابن سیرین اور ذہبیؒ نے فرمایا کہ طاؤسؒ اہل یمن کے شیخ تھے اور ان کے فقیہ اور ان کے لئے باعث برکت تھے جلیل القدر تھے اور حج بہت زیادہ کئے تھے اسی لئے ان کی موت بھی مکہ مکرمہ میں سنہ ۱۰۶ھ میں واقع ہوئی تھی۔

(۲) حضرت وہب بن منبہ صنعانی | عالم اہل یمن تھے آپ نے حضرات ابن عمر وابن عباس وجابر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور ان کے پاس اہل کتاب کے علم کا کافی ذخیرہ تھا کیونکہ اس طرف

Marfat.com

انھوں نے توجہ کی تھی اور بالغ نظری سے کام لیا تھا عجلیؒ فرماتے ہیں کہ وہ مستند تابعی اور قاضی تھے۔ ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت یحییٰ بن ابی کثیر مولیٰ طی آپ نے حضرت انسؓ بن مالک اور اکثر تابعینؒ سے روایت کی حضرت شعبہؒ فرماتے ہیں کہ وہ حدیث میں زہری سے زیادہ اچھے تھے اور حضرت احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر کبھی امام زہریؒ ان کی مخالفت کریں تو حضرت یحییٰؒ کا قول معتبر ہوگا ۱۲۹ھ میں وفات پائی۔

یہ لوگ جن کے ہم نے نام لکھے ہیں اس دور میں وہ جلیل القدر حضرات تھے جو لوگوں کو فتوے دیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی روایت کرتے تھے اور لوگوں میں یہ طریقہ نہ تھا کہ کسی معین فقیہ کی طرف منسوب ہوں کہ اس نے جو روایت یا راوی بیان کی ہو اس پر عمل کیا جائے بلکہ مختلف شہروں میں یہ مفتی فقہ اور روایت حدیث سے مشہور تھے تو فتویٰ مانگنے والا ان میں سے جس کے پاس چاہتا جاتا اور جو واقعہ اس کو پیش آیا اس کے متعلق دریافت کرتا تو وہ اس کو فتویٰ دیدیتا اور ایسا بھی ہوتا کہ وہ دوبارہ کسی اور مفتی کے پاس جاتا اور شہروں کے قاضی لوگوں کا فیصلہ انھی امور کے لحاظ سے کرتے تھے جو کتاب اللہ یا اس کے رسول کی سنت سے معلوم ہوتا یا اس رائے سے جو ان پر ظاہر ہوتی اور بسا اوقات وہ اپنے شہر کے مشہور مفتیوں سے فتویٰ طلب کرتے اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ استفتا خلیفۂ وقت کے پاس بھیجتے اور جو واقعہ پیش آیا اس کے متعلق دریافت کرتے چنانچہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے زمانہ میں اکثر ایسا ہوا۔

اس زمانہ میں ایک فرقہ پیدا ہوا جس کو مورخین نے خوارج کے نام سے موسوم کیا ہے اور ان کی اصل وہ جماعت ہے جس نے حضرت عثمانؓ بن عفان پر خروج کیا تھا کیونکہ انھوں نے ان امور کی بنا پر جو حضرت عثمانؓ سے سرزد ہوئی تھیں ان کی مخالفت کی اور اسی بنا پر انھوں نے ان پر خروج کو جائز قرار دیا تھا پھر انھوں نے ان کو شہید کیا اور جب انھوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کی تو حضرت علیؓ وحضرت معاویہؓ کے درمیان معاملہ کی شدت کا سبب اکثر یہی لوگ تھے حتیٰ کہ انجام کار دونوں جماعتوں کے درمیان جو عالم اسلامی کے منتخب اور برگزیدہ لوگ تھے میدان صفین میں جنگ عظیم کا باعث بنے اور جب حضرت معاویہؓ اور ان کے اصحاب نے تحکیم کی دعوت دی تو پہلے تو اس پر راضی ہو گئے پھر اس کے بعد ان پر عیب لگایا اور کہا کہ یہ تو کفر ہے اس لئے کہ (لا حکم الا للہ یعنی اللہ کے سوا کسی کو حکم کا اختیار نہیں) اور اس کلمہ کو انھوں نے اپنا شعار یعنی علامت قرار دے لیا حتیٰ کہ جس کی رائے خوارج کی رائے سے مشابہت رکھتی تو اس کو کہا جاتا کہ یہ تو "حکم" ہیں یعنے لاحکم الا للہ کہنے والے

Marfat.com

ہیں) اور ان کے اور حضرت علی کے درمیان بہت سخت تقریریں ہوئیں پھر انھوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کی اور حضرت علیؓ نے بھی ان سے جنگ کی جس سے حضرت علیؓ کا مرکز اپنے اس خصم کے مقابلہ میں کمزور ہوگیا جو ایک انتہائی فرمانبردار لشکر تھا اور انجام کار انہی خارجیوں میں سے ایک کے ہاتھ سے آپ کی شہادت واقع ہوگئی جس کا نام عبدالرحمن بن ملجم تھا اور اسی وقت سے ایک خاص فرقہ ممتاز شخصیت والا پیدا ہوگیا جو "شراۃ" کے نام سے مشہور تھا اور یہ نام اللہ تعالیٰ کے اس قول سے لیا۔

ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ۔ — اور بعض آدمی ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتے ہیں اور ان کا

عام اصول حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی محبت اور حضرات عثمان و علی و معاویہ رضی اللہ عنہم سے برارت پر مبنی تھا اس لئے کہ حضرت عثمانؓ نے ان کی مخالفت کی تھی اور حضرت علیؓ تحکیم پر راضی ہوئے تھے اور حضرت معاویہؓ ان کی رضامندی کے بغیر ان پر حاکم بن گئے تھے۔

اور اسی سے خلافت کے متعلق ان کا یہ اصول معلوم ہوا کہ امر خلافت امت کے حوالہ ہے وہ جس کو چاہے اور جس خاندان سے چاہے منتخب کرے اور خلافت کے لئے قریش کی خصوصیت کے منکر تھے اور اس امر کے قائل تھے کہ خلیفہ کی اطاعت سوا اس دائرہ حدود کے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کتاب میں یا اس کے رسول کی سنت متبعہ میں معین ہے واجب نہیں اور اگر اس نے اس دائرہ کی مخالفت کی تو پھر وہ اس سے بری ہیں اور اس کی مخالفت واجب ہوگئی اور وہ لوگ کافر اور فاسق کے درمیان کچھ فرق نہیں سمجھتے تھے بلکہ ہر وہ شخص جو حدود الٰہی سے تجاوز کرے وہ ان کے نزدیک فاسق ہے اور فاسق ہی کافر ہے اور ظاہر قرآن سے ان کی تائید ملتی ہے اور اسی لئے وہ لوگ ہر اس شخص کو جس نے حضرت معاویہ کی حمایت کی اور حضرات علی و عثمان رضی اللہ عنہم سے بیزاری ظاہر نہیں کی اس کو ملت سے خارج سمجھتے تھے حالانکہ جمہور امت یہی لوگ تھے (یعنی حضرت معاویہ کی حمایت کرنے والے اور حضرات علیؓ و عثمانؓ سے بیزاری نہ کرنے والے) تو ان خارجیوں نے اسی جمہور امت سے جنگ کی اور جنگ کو جائز قرار دیا اور ان میں بڑے بڑے زعماء تھے جنھوں نے ان کو خلفاء جمہور سے جنگ کے لئے ابھارا اور یہ سب محض اس وجہ سے ہوا کہ دین کے معاملہ میں ان کی رائیں شدید تھیں اور وہ لوگ ظاہر قرآن کو لیتے تھے اور سنت سے صرف انہی کی احادیث کو قبول کرتے تھے جن کو وہ دوست سمجھتے تھے اور اس بارہ میں ان کی مستند احادیث وہ تھیں جو شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے زمانہ کی احادیث مشہور تھیں اور ان میں بڑے بڑے علماء اور مفتی تھے جن کی طرف وہ رجوع ہوتے

Marfat.com

تھے مگر جمہور پر ان کی شدت، اور ان کے بارہ میں ان کا عقیدہ جمہور امت کو ان سے متنفر کرانے کا باعث بنا اسی لئے ہر وہ شخص جس پر اس کا شبہ ہوتا تھا کہ اس کی رائے خوارج کی رائے کے مطابق ہے تو اس سے روایت نہ کرتے تھے اگرچہ وہ محدث ہوا اور نہ ان سے فتویٰ لیتے تھے اگرچہ وہ مفتی ہو باوجودیکہ یہ خوارج تمام فرقوں میں جھوٹ سے زیادہ بچنے والے تھے کیونکہ وہ جھوٹ کو کفر سمجھتے تھے اور ان سے نفرت کی وجہ سے بعض ائمہ حدیث نے حضرت عکرمہؒ کی حضرت ابن عباسؓ سے روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیدیا چنانچہ حضرات مالکؒ بن انس اور مسلمؒ بن الحجاج نے ان کی کوئی روایت نہیں بیان کی کیونکہ ان پر خوارج کی رائے رکھنے کا شبہ تھا اور بعض ائمہ نے خوارج کے فقیہ اور شاعر عمران بن خطان کی روایت کو اسی بناء پر ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن خود خوارج میں زیادہ عرصہ تک اتحاد باقی نہ رہا بلکہ جمہور کے بارے میں ان کے راویوں میں اختلاف کی بناء پر تفریق پیدا ہونے لگی اور ان کی شدت وحدت بنی امیہ کے زمانہ میں اور دولت عباسیہ کے شروع زمانہ تک رہی۔

اور فرقہ شیعہ بھی اسی زمانہ میں پیدا ہوا جو حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ان کے اہل بیت کی محبت پر قائم رہا اور ان کی وہ اصل جو ان کے تمام فرقوں میں مسلّم ہے یہ ہے کہ خلافت حضرت علیؓ کا حق ہے جس کے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی وجہ سے مستحق ہوتے اور اسی لئے وہ ان کو وصی کہا کرتے تھے اور یہ کہ ان کے بعد خلافت اس کا حق ہے جو ان کی اولاد سے ہو ان سے خلافت کو بجز ظالم و غاصب کے کوئی نہیں نکال سکتا اور اسی وجہ سے ان میں سے بعض کو حضرات شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) پر نکتہ چینی کا موقع ملا کیونکہ ان کی رائے میں انھوں نے حضرت علیؓ کا حق غصب کیا تھا اور ان لوگوں نے امامت کو ان کے بعد ان کے لڑکے حضرت حسنؓ پھر ان کے دوسرے صاحبزادہ حسینؓ کے لئے مخصوص قرار دیا اور اس میں ان کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہیں البتہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد وہ دو فرقوں میں بٹ گئے ایک نے تو محمد بن حنفیہ کو مستحق امامت قرار دیا کیونکہ وہ حضرت حسینؓ کے بعد ان کے سب سے بڑے لڑکے تھے اور ان لوگوں کا لقب کیسانیہ ہوا، اور انہی محمد کا نام اس ہنگامہ میں لیا جاتا ہے جس کو مختار بن ابی عبید ثقفی نے بنی امیہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف اٹھایا تھا اور انہی کو "مہدی" بھی کہا جاتا تھا اور اس ہنگامہ کی روح کو دین سے کوئی تعلق نہ تھا جیسے خوارج کی دوڑ کو دین سے کوئی سروکار نہ تھا بلکہ دنیوی تعلق تھا اور اسی لئے انھوں نے اپنی اغراض حاصل کرنے کے لئے جھوٹ کو حلال کر لیا تھا، اور بعض شیعہ نے خلافت کو صرف اولاد فاطمہؓ میں منحصر

Marfat.com

کر دکھا ہے چنانچہ ان کے خیال کے مطابق حضرت حسین رضؓ کے بعد ان کے صاحبزادے علی زین العابدینؒ امامت کے مستحق ہوئے جو اس زمانہ کے فقہا میں سے تھے اور جب ان کا وصال ہوا ہے تو ان کے دو لڑکے تھے ایک محمد بن علی جن کو باقر کہا جاتا ہے اور دوسرے زید بن علی تو حضرت باقر کو امام قرار دیا اور ان کی وفات کے بعد دو فرقے ہو گئے ایک نے تو زید بن علی کو امام قرار دیا اور یہی "زیدیہ" کہلائے اور ان میں سے بعض باقرؒ کی اولاد کی محبت پر قائم رہے اور امامت کو ان کے صاحبزادہ جعفر صادقؒ کی طرف منتقل کیا اور امامت کے متعلق زیدیہ کی ایک خاص رائے تھی کہ وہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے بیزاری کا اظہار نہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ حاکم ہوئے اور انھوں نے عدل سے کام لیا اور یہ کہتے تھے کہ امامت حضرت علیؓ کی اس اولاد میں ہے جو فاطمہؓ سے ہو لیکن امام کا تعین اس کی صفات سے ہوتا ہے اور اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ وہ وصیت میں نام کے ساتھ معین کیا جائے جیسے کہ جعفریہ کہتے ہیں اسی لئے ان کی رائے تھی کہ اولاد علیؓ میں سے جو شخص اپنی امامت کی طرف دعوت دے اور وہ صفات امامیہ کا حامل ہو تو اس کی اتباع اور اس کی مدد واجب ہے اور اسی لیے حضرت زیدؒ بن علیؒ کے ساتھ ان کے اس ہنگامے میں شریک ہوئے جو ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں انھوں نے اٹھایا تھا اور جب وہ شہید ہو گئے تو ان کے صاحبزادے یحییٰ کے ساتھ کھڑے ہوئے پھر محمد مہدی کے ساتھ جو نفس زکیہ کے نام سے مشہور تھے جو عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی کے فرزند تھے جنھوں نے منصور عباسی کے خلاف حکومت عباسیہ کے شروع میں بغاوت کی تھی۔

اس دور میں تین فرقے تھے جن کی اصل تشیع تھی اور وہ کیسانیہ اور امامیہ زیدیہ اور امامیہ جعفریہ تھے اور ہر گروہ اپنا علم اور اپنا دین اسی سے سیکھتا تھا جس کی نسبت اس کے امام کی طرف ہوتی تھی اور جو ان کی موافقت کریں اور ان ائمہ کے بارے میں ان کے اعتقادات مختلف تھے جو اعتدال اور غلو کے لحاظ سے مختلف تھے اور بعضوں نے حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت کی تائید میں اس قدر غلو کیا کہ بہت سی ایسی احادیث روایت کیں کہ ائمہ جمہور کو ان میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کی نسبت جھوٹی ہے اسی لئے انھوں نے ہر غلو کرنے والے شیعہ یا شیعیت کی تبلیغ کرنے والے کی روایت قبول کرنے میں اسی طرح توقف کیا جس طرح غلو کرنے والے خوارج کی روایت قبول کرنے میں توقف کیا۔

Marfat.com

چوتھا دور

دوسری صدی کی ابتداء سے چوتھی صدی کے نصف تک کی فقہ اور یہی زمانہ احادیث و فقہ کی تدوین اور ان بڑے ائمہ کے ظہور کا زمانہ ہے جنکی قیادت کا جمہور نے اعتراف کیا۔

سیاسی پس منظر

اس دور میں وہ خفیہ سیاسی جماعت کامیاب ہوگئی جو بنی امیہ سے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب خلافت کو منتقل کرنا چاہتی تھی چنانچہ خلافت بنی عباس بن عبدالمطلب میں چلی گئی اوران میں سب سے پہلا خلیفہ ابوالعباس عبداللہ سفاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس تھا اور عباسیوں نے بنی امیہ کی مخالفت میں اس شدت سے کام لیا کہ تاریخ میں کوئی آدمی اس شدت کا نہیں پایا جاتا اور انتہائی بے رحمانہ اور وحشیانہ اعمال کے مرتکب ہوئے جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ فارس کے رہنے والے اپنے موافقین اور مددگاروں کو خوش کریں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ بنی امیہ کے عمائدین سے ایک شخص کے فرار کا موجب بنے جس نے بلاد اندلس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا اور وہاں ایک بڑی سلطنت قائم کی جو بنی عباس سے مستقلاً جدا رہی اور اسلامی سطح میں یہ سب سے پہلی تقسیم لیکن یہ تبدیلی ان کے چچازاد بھائیوں کو جو اولاد علیؓ بن ابی طالب سے تھے نہ بھائی جو اپنے کو ہر خاندان سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے چنانچہ انھوں نے اس خلافت کو اپنے لئے حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کیا یا یہ کہ اس کی صفائی کو ان کے دشمنوں کے لئے مکدر کردیں چنانچہ علویین میں سے پہلے ہنگامہ بپا کرنے والے اٹھے پھر اولاد حسنؓ میں سے محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی اور وہ منصور سے اپنا مقصد حاصل کر لیتے اگرچہ غلطیاں اور سوء اتفاقیاں پیش نہ آتیں جوان کا مدینہ منورہ میں اوران کے بھائی ابراہیم کا بصرہ اور کوفہ کے درمیان خاتمہ نہ کردیتیں۔

پھر دوسرا ہنگامہ ان کے پوتے موسی ہادی بن محمد مہدی بن ابی جعفر کے مقابلہ میں اطراف مکہ

Marfat.com

میں اٹھا اور باغی اپنا مقصد حاصل کئے بغیر مارا گیا اور میدان جنگ سے محمد نفس زکیہ کے بھائی ادریس بن عبداللہ بھاگ گئے اور مغرب اقصی کی طرف چلے گئے اور بربر میں خلافت اسلامیہ کی بنیاد ڈالی اور یہ دوسرا حصہ تھا جو خلافت عباسیہ سے قطع ہوا اور یہی خلافت ادریسیہ کہلائی۔

اور اسی طرح ان کے بھائی یحیی بن عبداللہ مشرق کی طرف بلاد دیلم میں بھاگ گئے جن کا اتباع ایک بڑی جماعت نے کیا لیکن رشید نے ان یحیی پر فضل بن یحیی بن خالد بن برمک کے ذریعہ سیاسی چالوں سے مدد لے کر اس کو اس کے قلعہ سے اتار لیا اور اس کو ایک امن کا معاہدہ لکھکر دیا لیکن جب وہ اترا تو رشید نے جس بات کا وعدہ کیا تھا پورا کیا۔

رشید نے دیکھا کہ اس وقت اس کو ایک ایسی مضبوط قومی حکومت کی ضرورت ہے، جو مغرب میں ادریسیوں کی طماع نظروں کے سامنے دیوار بن کر کھڑی ہو سکے تو اس نے اپنے ہاتھ سے افریقیہ میں دولت اغالبہ کی بنیاد رکھی پھر مامون نے خراسان میں امارت طاہریہ کی بنیاد رکھی اور بلاد یمن میں امارت زیادیہ کی اور ان سب کا مقصد مختلف ممالک میں شیعہ کے مقاصد کو نا کام کرنا تھا۔

لیکن شیعہ امامیہ اتفاق کر چکے تھے کہ حضرت جعفرؒ بن محمد صادق کو خلیفہ بنائیں جو ائمہ شیعہ کے چھٹے امام تھے اور ان کے ماننے والے بہت تھے مگر انھوں نے اپنے لئے خلافت کو پسند نہیں کیا اور جب ان کی وفات ہو گئی تو ان کے ماننے والے دو فرقوں میں منقسم ہو گئے ایک نے تو ان کے لڑکے موسی کاظم کو امام تسلیم کیا اور یہی موسوی کہلاتے ہیں اور انھوں نے امامت کو ان کے بعد ان کی اولاد اور ان کی نسل میں ان کے بارہویں امام تک پہونچایا اور اسی بنا پر وہ امامیہ اثنی عشریہ کہلانے ہیں اور یہ بارہویں امام ابوالقاسم محمد عسکری بن حسن عسکری بن علی ہادی بن محمد جواد بن علی رضا بن موسی کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی ابن ابی طالب ہیں اور شیعہ امامیہ کا دعوی ہے کہ وہ اپنے والد کی وفات کے بعد ۲۶۰ھ میں چھپ گئے اور آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور زمین جو ظلم و جور سے بھری ہو گی وہ اس کو عدل سے بھر دیں گے چنانچہ یہ فرقہ اس وقت تک ان کا انتظار کر رہا ہے، اور دوسرے فرقہ نے حضرت اسماعیل بن جعفر صادق علیہم الرحمۃ کو امام مانا اور یہ اسماعیلیہ کے نام سے مشہور ہیں اور اس فرقہ نے پہلے فرقہ کے برعکس خلافت کے حصول کی کوشش کی، انھوں نے اپنا طریقہ کار مخفی دعوت سے شروع کیا اور اس کی تعلیمات کچھ ایسی مقرر کیں جس سے نفرت رکھنے والے لوگ بھی اس طرف مائل ہو گئے حتی کہ جب ان کے ارادے پورے ہو گئے تو ان کا امام عبیداللہ المہدی بلاد افریقیہ میں ظاہر ہوا جس سے دولت فاطمیہ کی ابتدا ہوئی اور یہ

Marfat.com

تمام مغرب میں غلبہ۔ تسلط کاملہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا اور یہ زمانہ ابھی ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ان کی ایک عظیم الشان اور مضبوط حکومت قاہرہ مصرِ مغربیہ میں قائم ہوگئی۔

دولت عباسیہ کا دار و مدار دو عصبیتوں پر تھا ایک عصبیۃ عربیہ یہ ان عربوں سے متعلق تھی جو عباسی خلفار کے ساتھ تھے اور عصبیتہ فارسیہ جو دعوت عباسیہ کے پھیلانے والے تھے خلفار بنی عباس کی عادت تھی کہ ان دونوں فریق میں سے کسی ایک پر اگر ان کو شبہ ہوجاتا تو اس کے مقابلہ میں دوسرے فریق سے مدد لیتے حتیٰ کہ مامون بن رشید جس کی تربیت خالص فارسی تھی اور انہی کی مدد سے وہ اپنے بھائی محمد امین پر غالب ہوا تھا یہی مناسب سمجھا کہ عربی عصبیت کو توڑ دے اور اپنی بنیاد دوسری عصبیت پر رکھے اور جب اس کا بھائی اسحاق معتصم خلیفہ ہوا تو اس نے اپنے لئے دوسری عصبیت ترک غلاموں کی بنالی، جو اس کے پاس بہت زیادہ تھے لہٰذا یہی خلافت عباسیہ کے فنا کا سبب بنا کیونکہ متوکل ابن معتصم نے ان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہا تو قبل اس کے کہ وہ ان کو شام میں ختم کردے انھوں نے اسی کو ختم کردیا۔ اور یہ اس کے لڑکے منتصر کے نفاق سے ہوا اور اسی وجہ سے تمام خلفار نے اس اقتدار کے سامنے جس کو معتصم نے قائم کیا تھا اپنا سر تسلیم خم کردیا چنانچہ قریب قریب سب پر ترکوں نے اپنا اقتدار قائم کرلیا اور اسی ضعف کی وجہ سے مشرق میں متعدد حکومتوں کی بنیاد پڑی چنانچہ ماوراء النہر میں حکومت سامانیہ اور فارس میں دولت صفاریہ قائم ہوگئیں اور یہ زمانہ ختم نہ ہونے پایا تھا کہ بنو بویہ کھڑے ہوگئے اور انھوں نے اپنے خاندان کے لئے ایک علیحدہ حکومت قائم کی اور یہاں تک نوبت پہونچ گئی کہ خود بغداد پر جو خلافت بنی عباس کا دار الخلافہ تھا قابض ہو گئے اور بنی عباس کا بجز نام کے کچھ باقی نہ رہا اور بنی بویہ اور ان کے دیلمی حمایتیوں کا تسلط قائم ہوگیا۔

یہ اس حکومت کا حال تھا جس نے ۱۳۲ھ میں بنی امیہ سے ایک عظیم حکومت میراث میں وصول کی تھی اور ابھی ۳۳۰ھ نہیں آیا تھا کہ خلافت کا صرف نام ہی باقی رہ گیا اور عرب کا اقتدار دوسری قوموں مثلاً فارس و دیلم و ترک و بربر میں چلا گیا اور معتصم کے زمانہ سے فوج کے دفتر میں ایک عربی بھی باقی نہ رہا۔

اس دور کی خصوصیات

(۱) وسعت تمدن: جب ابوجعفر منصور خلیفہ ہوا تو اس نے شہر بغداد کی بنیاد ڈالی تاکہ وہ بلاد اسلامیہ کا دارالخلافہ بنے اور اس کی بنار میں اس درجہ ندرت پیدا کی کہ وہ اس زمانہ میں دنیا کے تمام شہروں پر

Marfat.com

فائق ہوگیا اور جب وہ بالکل تیار ہوگیا تو وہاں پر تمام اسلامی شہروں سے علماء کو جمع کیا اور اسی طرح ہر طرز و طریقہ کے تجار و صناعوں کو جمع کیا اس کا زمانہ ختم نہیں ہوا تھا کہ وہ تمام شہروں میں ممتاز اور صحیح معنوں میں عروس البلاد کی دلھن بن گیا اور وہاں کے رہنے والوں کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ ہوگئی اور دجلہ کے کنارے پھیلتا چلا گیا چنانچہ مغربی کنارہ مدینۃ منصور تک اور مشرقی کنارہ مدینۃ مہدی تک وسعت پا گیا چونکہ اس کی تعمیر میں عربی و فارسی و رومی تینوں دماغوں نے کام کیا تھا اور ہر دماغ نے اختراع و ایجاد کی اپنی پوری صلاحیتیں اس پر صرف کی تھیں اس لئے بغداد حقیقت میں تمام شہروں کا سرتاج بن گیا۔

اگر آپ مملکت اسلامیہ کی حدود پر نظر ڈالیں تو مغرب میں آپ کو شہر قرطبہ جو جزیرہ اندلس میں ہے نظر آئے گا جو بغداد کی برابری کا دعویدار ہے یہ شہر امیر جلیل عبد الرحمٰن بن معاویہ بانی دولت امویہ اندلس کا پایۂ تخت ہے۔ اور اگر آپ افریقیہ کی طرف متوجہ ہوں تو آپ کو شہر قیروان ملے گا جس کو افریقیہ رومانیہ کے شہروں کی عظمت ترکہ میں ملی ہے اور ان کا حسن و جمال وہاں منتقل ہوا ہے ایسے ہی شہر فسطاط پاؤگے جو مصر کا دار الخلافہ ہے جس کی عظیم الشان مسجدیں علماء کے اجتہاد و استنباط اور عظیم الشان علمی یادگاروں کی امین ہیں انہی علماء میں سے عام لوگوں کے سامنے ائمہ مجتہدین کے فقہ اور ان کے اختلاف کو واضح کیا اصحاب امام مالک میں ابن وہب اور ابن قاسم جیسا کون ہوگا اور اصحاب شافعی میں ربیع و مزنی جیسا کون ہوگا اور جامع فسطاط نے ہی امام شافعی کے علم کو ظاہر کیا اور اصحاب ابو حنیفہ میں ابو جعفر طحاوی کے مثل کون ہے؟ یہ تمام فسطاط کی بہترین یادگاریں ہیں اس شہر کے بارے میں مورخین نے جو کچھ لکھا ہے اس کے جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ اس شہر کے تمدن علم اور تجارت اور صنعت شہر بغداد سے کسی طرح کم نہ تھا پھر ذرا شہر دمشق کو دیکھو اگرچہ وہاں خلافت کی عظمت نہ رہی تاہم بنو امیہ کی عظمت جو اس کو میراث میں ملی تھی اس کا محافظ ہے اور کوفہ و بصرہ کو تو ہمیشہ ہی علماء اور حکماء کے مسکن ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ بغداد باوجود ان شہروں سے نزدیک ہونے کے اپنی عظمت سے ان کے چاند ستاروں کو ماند نہ کرسکا۔ کیونکہ بصرہ ہندوستان کی تجارت کا بڑا مرکز تھا اور کوفہ عربی عنصر کا مستقر تھا اور اگر مشرق کی طرف رخ کرو تو مرو اور نیشاپور وغیرہ بڑے دعوت نظارہ دیتے نظر آئیں گے اور وسعت تمدن سے تجارت و زراعت و صناعت کے دائرہ کی وسعت لازمی ہے چنانچہ اس دور میں یہ سب چیزیں عروج پر پہونچی ہوئی تھیں حتیٰ کہ دنیائے اسلام کا تمدن ہر تمدن پر سبقت پا چکا تھا کیونکہ وہ مختلف تمدنوں کا خلاصہ تھا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ فقہ میں اس کا اثر بہت بڑا تھا کیونکہ اس منصب پر قائم رہنے والے کے

Marfat.com

لئے مختلف مسائل کی ترتیب اور وضع کرنے کی ضرورت تھی تاکہ وہ جوابات کا صحیح استنباط کر سکے۔

(۲) اسلامی شہروں میں علمی حرکت | پہلے دور کے آخر میں علمی حرکت کی ابتدا ہوئی اور اس دور میں اس نے خوب خوب ترقی کی کیونکہ قدیم تمدن کی باتیں عرب مفکرین کے دماغوں میں پہنچ چکی تھیں اور اس کے دو سبب تھے۔

پہلا سبب تو یہ تھا کہ اسلام میں موالی یعنے غلام بکثرت داخل ہو چکے تھے جن میں اکثر فارسی و رومی و مصری تھے ان میں سے بعض وہ تھے جو بچپن کی حالت میں قید ہوئے اور اپنے مسلمان آقاؤں کی آغوش میں تربیت پائی اور جو علوم اسلامیہ ان کے پاس تھے اس کے وہ وارث بنے جس کی بنیاد کتاب وسنت تھی چنانچہ انھوں نے ان سے بہت کچھ حاصل کیا اور اس جماعت میں عربی عنصر کے مقابلہ میں بڑے بڑے قرار اور جلیل القدر محدثین نکلے اور ان میں بعض وہ لوگ تھے جنھوں نے بڑی اور پختہ عمر میں اسلام قبول کیا اور اس کا نتیجہ افکار کی آمیزش اور عقلوں کی پختگی ہے۔ اور اس دور کی ابتدار کے وقت ان موالی کی بڑی شان سیاست مدنی میں پیدا ہو چکی تھی کیونکہ خلافت عباسیہ کا قیام جب ہوا ہے تو دولت عباسیہ کے موالیوں کی قیادت اہل خراسان وعراق کر رہے تھے اور اسی بنار پر وہ حکومت کے شریک ہو گئے اور اس سے ان کا علمی سیاسی اشتراک مکمل ہو گیا۔

دوسرا سبب، رومی وفارسی کی وہ کتب تھیں جن کا عربی زبان میں ترجمہ پہلے دور کے آخر میں شروع ہو چکا تھا اور اس دور میں اس کا اہتمام ابی جعفر منصور کے زمانہ سے جو خلفار عباس کا دوسرا خلیفہ تھا اس طرف اور بھی زیادہ توجہ کی گئی اور یہ کام مامون بن رشید کے زمانہ تک تیسری صدی کی ابتدار میں ترقی کرتا رہا جو یونانی علوم اور ارسطو کے نظریات کا مداح تھا اس میں اور بھی کتابیں بکثرت شائع ہونے لگیں اور اہل کلام کی معلومات کا اصلی سبب بنیں ان متکلمین نے جن کے سرمامون کے زمانہ میں بہت اونچے ہو گئے تھے محدثین کو ان کے بلند مرتبہ سے گرانے کے قریب پہونچ گئے کیونکہ مامون ان کی جانب مائل تھا اور اسی میل کا نتیجہ مسئلہ خلق قرآن کی صورت میں ظاہر ہوا اور مامون محدثین کو اپنا عقیدہ بدلنے پر مجبور کرنے لگا اور جس شخص نے اس کے اس خط کو دیکھا ہے جو اس نے محافظ بغداد کے نام لکھا ہے وہ جانتا ہے کہ محدثین کے بارے میں متکلمین کی کیا رائے تھی رؤسائے کے بارے میں لکھا تھا تو اس نے ان کو ایک ایک کر کے نام بنام لکھا ہے اور ان کے افکار پر طعن اور ان کے اخلاق پر طنز کیا ہے اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ مامون خلیفۃ المسلمین ہونے کے باوجود اس مسئلے میں غلطی پر تھا کیونکہ اس نے ایسے عقیدہ میں مداخلت کی ہے جس میں جمہور مسلمانوں کا اختلاف تھا

Marfat.com

اور اہل علم کے ایک فریق کو مجبور کیا کہ وہ اس کی رائے کو اختیار کریں جو اس کی رائے ہے یہ آزادی فکر کا روکنا ہے جس کے جواز کی کوئی دلیل نہ تھی اور جملہ اہل حدیث اہل کلام کی اس حرکت کے خلاف کھڑے ہونے پر متفق اللسان تھے اور جمہور ان کے ساتھ تھے چنانچہ انھوں نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی اور اسی لیے ہمارے اور اہل کلام کے درمیان تعلق منقطع نظر آتا ہے بجز ان امور کے جن کو اہل حدیث ان سے نقل کرتے ہیں، لیکن خود انھوں نے جن امور کو لکھا ہے ان میں سے ہم کسی کا اثر نہیں پاتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس دور کی فقہ سازی میں ان کو بڑا موقع ملا عنقریب ان کے مناظرات کا ذکر آئے گا جو انھوں نے سنت اور قیاس کے بارے میں کیا ہے اور مشہور متکلمین کے سردار عمرو بن عبید متوفی ۱۴۴ھ اور ابو الہذیل علاف متوفی ۲۳۵ھ اور عمرو بن بحر جاحظ متوفی ۲۵۵ھ ہیں۔

(۳) حفاظ قرآن کریم کی زیادتی اور اس کے حسن ادا کی طرف توجہ | اس دور میں حفاظ قرآن کریم بہت زیادہ ہوئے اور تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے جیسا کہ اس کی تحریر پھیل گئی تھی مگر ہر خطہ کے مسلمانوں نے چند قراء کی برتری کا اعتراف کیا ہے جن کے اسماء مشہور ہو چکے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) مدینہ منورہ میں، حضرت نافع بن ابی نعیم جو جعونہ کے مولی تھے حضرت ابن عباس کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اور ۱۶۷ھ میں وفات پائی اور ان سے جن لوگوں نے قرأت کی روایت کی ان میں سے مشہور عیسی بن مینا الملقب بہ قالون تھے جنھوں نے ۲۰۵ھ میں وفات پائی اور ابو سعید عثمان بن سعید مصری تھے جو ملقب بہ ورش تھے اور ۱۹۷ھ میں وفات پائی اور اکثر اہل مغرب انہی کی قرارت پڑھتے ہیں۔

(۲) مکہ مکرمہ میں، حضرت عبداللہ بن کثیر جو عمرو بن علقمہ کے مولی تھے ان کی اصل فارس سے ہے حضرت ابن عباسؓ کے شاگردوں سے پڑھا اور ۱۲۰ھ میں وفات پائی اور جن لوگوں نے ان کے قرارت کی روایت کی ان میں مشہور ابو الحسن احمد بن عبداللہ بزی تھے جو ۲۵۰ھ میں فوت ہوئے اور ابو عمر محمد تھے جن کا لقب قنبل تھا جنھوں نے ۲۹۱ھ میں وفات پائی اور یہ دونوں ابن کثیرؒ کے شاگردوں سے روایت کرتے ہیں۔

(۳) بصرہ میں، ابو عمرو بن علاء مازنی تھے جو در اصل کازرونی تھے حضرت ابن عباسؓ کے شاگردوں سے علم حاصل کیا انھوں نے کوفہ میں ۱۵۴ھ میں وفات پائی اور ان سے جن لوگوں نے روایت کی ان میں یحیی بن مبارک یزیدی مشہور ہیں اور یحیی سے ابو عمر حفص بن عمر دوری نے روایت کی جنھوں نے ۲۴۶ھ میں وفات پائی اور ابو شعیب صالح بن زیاد سوسی ہیں جنھوں نے ۲۶۱ھ میں

Marfat.com

وفات پائی اور اکثر اہل سوڈان ابی عمر کے طریقہ کے مطابق قرآن مجید پڑھتے ہیں۔

(۴) دمشق میں حضرت عبد اللہ بن عامر جنھوں نے حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کے شاگردوں سے پڑھا ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ اور ان کی قرات جنھوں نے روایت کی ان میں مشہور ابوالولید ہشام بن عمار دمشقی ہیں جنھوں نے ۲۴۵ھ میں وفات پائی اور ابو عمرو عبد اللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان ہیں جنھوں نے ۲۴۲ھ میں وفات پائی اور یہ دونوں حضرات ابن عامر سے ایک واسطہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۵) کوفہ میں (ا) حضرت ابوعاصم بن ابی النجود جنھوں نے حضرات علی و عثمان و ابن مسعود وابی و زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے شاگردوں سے پڑھا اور کوفہ میں ۱۲۷ھ میں وفات پائی ان سے جن لوگوں نے روایت کی ان میں مشہور شعبہ بن عیاش کوفی ہیں جنھوں نے ۱۹۳ھ میں وفات پائی اور حفص بن سلیمان ہیں جنھوں نے ۱۸۰ھ میں وفات پائی اور مصری انہی کی قرات پڑھتے ہیں اور اکثر بلاد اسلامیہ میں بھی انہی کی قرات پڑھی جاتی ہے۔

(ب) حضرت حمزہ بن حبیب زیات جنھوں نے حضرات علی و ابن مسعود و عثمان رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر پڑھا ۱۵۶ھ میں وفات پائی اور ان کے قرات کی جنھوں نے روایت کی ان میں مشہور خلف بن ہشام بزار ہیں جنھوں نے ۲۲۹ھ میں وفات پائی اور عیسی بن خالد ہیں جن کا لقب خلاد تھا جنھوں نے ۲۲۰ھ میں وفات پائی اور انھوں نے حضرت حمزہ کے شاگردوں سے پڑھا ہے۔

(ج) حضرت ابوالحسن علی بن حمزہ کسائی جو بنی اسد کے موالی اور اہل فارس سے تھے حضرت حمزہ بن حبیب سے پڑھا ۱۸۹ھ میں وفات پائی ان سے جن لوگوں نے روایت کی ان میں مشہور ابوالحرث لیث بن خالد ہیں جنھوں نے ۲۴۰ھ میں وفات پائی اور دوری جو ابی عمرو بن علاء کی روایت پڑھتے تھے۔

یہی وہ لوگ ہیں جو قراء شیعہ کے نام سے مشہور ہوئے اور یہ اغیار پر اتقان و ضبط میں فائق ہیں شہرت میں حسب ذیل تین اشخاص بھی شہرت میں ان کے قریب قریب پہونچے۔

(۱) حضرت ابوجعفر یزید بن قعقاع مدنی جن کا ۱۳۰ھ میں انتقال ہوا اور ان کے دونوں راوی عیسی بن وردان اور سلیمان بن جماز ہیں۔

(۲) حضرت یعقوب بن اسحاق حضرمی جن کا انتقال ۲۰۵ھ میں ہوا اور ان کے دونوں راوی ادریس و روح ہیں۔

Marfat.com

(۳) حضرت خلف بن ہشام بزار جن کے راوی حمزہ بن حبیب ہیں اور ان کے دونوں راوی اسحاق وراق اور ادریس خداد ہیں اور ان تینوں متقدمین کو قرار عشرہ کہا جاتا ہے اور ان قرار عشرہ کے ساتھ چار اور قرار ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) محمد بن عبدالرحمٰن مکی جو ابن محیصین کے نام سے مشہور ہیں اور ان کے دونوں راوی بزی ہیں جو ابن کثیر کی روایت کرتے ہیں اور ابوالحسن بن شنبوذی ہیں۔

(۲) یحییٰ بن مبارک یزیدی، جو ابی عمرو بن علار کی روایت سے پڑھتے ہیں اور ان کے دونوں راوی سلیمان بن حکم اور احمد بن فرح ہیں۔

(۳) حسین بن ابوالحسن بصری فقیہ ہیں اور ان کے دونوں راوی شجاع بن ابی نصر بلخی اور دوری ہیں جو ابی عمرو بن علار اور کسائی کی روایت کرتے ہیں۔

(۴) اعمش سلیمان بن مہران ہیں اور ان کے دونوں راوی حسن بن سعید مطوعی اور ابوالفرح شنبوذی شطوی ہیں لیکن ان چاروں قرار کی قرارت نے تواتر کا درجہ نہیں پایا اسی لئے یہ قرأت شاذ کہلاتی ہے۔

ان قرأتوں میں بجز ان چند باتوں کے اور کوئی اختلاف نہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے لکھے ہوئے مضمون میں پایا جاتا ہے۔

اور یہ دور ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ قرارت علوم دینیہ کا ایک مستقل علم بن گیا چنانچہ علمار نے اس فن میں ایسی کتابیں لکھنا شروع کیں جن کا تعلق اس کی صحت ادا اور روایت سے ہے۔

(۴) **سنت کی تدوین** | یہ دور ترویج سنت کا بہترین تھا کہ راویان حدیث نے اس کی جمع وتدوین کی ضرورت کا خیال کیا اور تصنیف کے یہ معنے تھے کہ ایک ہی قسم کی احادیث کے بعض موضوع کو بعض موضوع میں ملا دیا جائے جیسے نماز کی احادیث اور روزہ کی احادیث اور جو اس کے مثل ہوں، اور یہ خیال تمام اسلامی شہروں میں قریب قریب ایک ہی وقت میں پیدا ہو سکتی کہ یہ پتہ نہ چل سکا کہ کس نے سب سے پہلے اس میں سبقت کی، چنانچہ اس دور کے طبقہ اولی کے مدونین میں مدینہ منورہ میں حضرت امام مالکؒ بن انس اور مکہ مکرمہ میں حضرت عبدالعزیز بن جریج اور کوفہ میں حضرت سفیان ثوری اور بصرہ میں حضرات حماد بن سلمہ اور بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ اور واسط میں حضرت ہشیم بن بشیر اور شام میں حضرت عبدالرحمٰن اوزاعی اور یمن میں حضرت معمر بن راشد اور خراسان میں حضرت عبداللہ بن مبارک اور رے میں جریر بن عبدالحمید تھے اور یہ ۱۵۰ھ کے اوپر چند سالوں میں تھے اور ان کتابوں میں احادیث صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال

Marfat.com

سے ملی ہوئی تھی جیسا کہ ہم موطأ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں پاتے ہیں۔

ان کے بعد دوسرے طبقہ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث دوسروں کے اقوال سے جدا کر کے لکھیں اور اس کا آغاز ۲۰۰ھ کے شروع میں ہوا پھر مسانید تصنیف کی گئیں جیسے مسند عبداللہ بن موسیٰ کوفی اور مسند مسدد بن مسرہد بصری اور اسد بن موسیٰ مصری اور نعیم بن حماد خزاعی اور اسحاق بن راہویہ اور عثمان بن ابی شیبہ اور امام احمد بن حنبل' ان حضرات نے احادیث کو ان کے راویوں کے مسانید میں درج کیا۔ مثلاً مسند ابوبکر صدیق رضؓ تو اس میں وہ تمام روایات درج کر دیں گے جو آپ سے مروی ہیں پھر آپ کے بعد صحابہ کو یکے بعد دیگرے اسی ترتیب سے درج کریں گے لیکن ان مسانید میں اب صرف مسند امام احمد بن حنبل ہمارے پاس رہ گئی ہے۔

اس کے بعد اور ایک طبقہ پیدا ہوا جس نے اپنے سامنے اس بڑی اور عظیم الشان دولت کو پایا تو اس نے اپنے لئے انتخاب کا دروازہ کھول دیا اور اس طبقہ کے سرخیل دو جلیل القدر امام سنت کے شیخ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری جعفی (جن کا انتقال ۲۵۶ھ میں ہوا) اور مسلم بن حجاج نیشاپوری تھے (جن کا ۲۶۱ھ میں انتقال ہوا) ان دونوں نے اپنی تصانیف کو روایات میں انتہائی دقت نظر اور انتخاب سے تصنیف کیا ہے کہ اس بارہ میں انتہائی درجہ تک پہونچ گئے اور بالکل ان کے نقش قدم پر ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اور ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ سلمی ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اور ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی المشہور بابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ اور ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ تھے اور ان کی کتابیں اہل حدیث کی زبان پر کتب صحاح ستہ کے نام سے مشہور ہیں جن کا مسلمانوں کے نزدیک بہت بڑا درجہ ہے کیونکہ ان کے راوی نہایت مستند ہیں خصوصاً بخاری و مسلم اور صرف انہی حضرات نے احادیث کی کتابیں نہیں تالیف کیں بلکہ ان کے علاوہ اور بہت سے لوگ اس راہ پر چلے ہیں لیکن ان لوگوں نے جو شہرت عظیمہ پائی ہے وہ اور کوئی نہ پا سکا۔

اس زمانہ کے لوگوں میں ایسے لوگ بھی تھے جن کی ہمتیں رواۃ حدیث تابعین کے اور ان کے عہد کے لوگوں کے حالات کی بحث میں صرف ہوئیں اور ان میں سے ہر شخص کی تعریف جس کا وہ مستحق تھا ضبط و اتقان و عدالت کی یا اس کے خلاف اوصاف بیان کر دیں اور ان لوگوں کو اصحاب جرح و تعدیل کہا جاتا ہے کہ جن کو انھوں نے عادل قرار دیا ان کی روایت مقبول ہوئی اور جس کو انھوں نے مجروح قرار دیا اس کی روایت چھوڑ دی گئی اور کبھی اس حالت کے بیان میں اختلاف بھی ہو گیا کہ ہم بعض راویوں کو ایسے پاتے ہیں کہ اس کی عدالت' ضبط اور اتقان پر عام لوگوں کا اتفاق ہے۔

Marfat.com

انتہائی بلند درجہ ہے اور بعضوں نے اسی راوی کے ترک پر اتفاق کر لیا جو انتہائی کمترین درجہ ہے اور اس کے درمیان بھی درجات ہیں کہ بعض بعض سے کمتر ہیں اور بعض اسناد ایسی ہیں جیسے چمکتا سورج حتیٰ کہ سننے والا اس کے صدق روایت کا یقین نہیں رکھتا اور بعض اس سے بھی کم۔

اس دور میں علم حدیث نے اس قدر ترقی کی کہ اب یہ ایک مستقل فن بن گیا اور بہت سے ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جنھوں نے حدیث ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا اگرچہ فقہ اور استنباط میں ان کو کچھ زیادہ کمال حاصل نہ تھا۔

(۵) مادۂ فقہ میں نزاع' ان اصول سے جن سے احکام کا استنباط ہوتا ہے احکام مرتب کرنے والوں میں اسی زمانہ میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا اور یہاں ہم اس نزاع کی تفصیلی کیفیت بیان کرتے ہیں

(۱) احادیث میں نزاع' سابقہ دور اس حالت میں گزرا کہ احادیث ہی شریعت کی اصل بنیاد تھی کہ فتویٰ دینے والے جب قرآن مجید میں کوئی حکم نہ پاتے تو احادیث کی طرف رجوع کرتے لیکن زمانہ کی درازی اور رواۃ حدیث کی کثرت اور وضعی احادیث کی اشاعت نے اس میں بہت اختلاف پیدا کر دیا حتیٰ کہ جو احکام کا استنباط کرنا چاہتا اپنے سامنے ایسی گھاٹی پاتا جس کو عبور کرنا مشکل ہوتا سنت صحیحہ کی تحقیق میں قبل اس کے نصوص کے سمجھنے میں اور اس سے احکام کے استنباط کرنے میں مشغول ہو تو اس نے ان دو لفظوں میں نزاع کے ابواب سے ایک باب کو کھول دیا۔

(۱) کیا حدیث شریعت اسلامی کے اصول سے ایک ایسی اصل ہے جو قرآن کریم کو مکمل کرنے والی ہے ؟

(۲) اگر ہم ایسا کہیں تو اس کے اعتماد کا کیا طریقہ ہے ؟ پہلے نقطہ نظر سے تو ایک قوم نے احادیث کو مطلقاً چھوڑ دیا اور صرف قرآن کریم کو کافی قرار دیا اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی کتاب "ام" کے ساتویں جزء میں ایک باب یہی باندھا کہ "باب اس جماعت کے اقوال کی حکایت جس نے احادیث کو بالکل رد کر دیا" اس میں ان کا قول بیان کیا انہی میں سے ایک آدمی کی زبان سے کہ اس نے اس سے کہا۔

> "تم عربی ہو اور قرآن انہی کی زبان میں اترا جس میں تم ہو اور تم اس کے اچھے حافظ ہو اور اس کو اچھی طرح سمجھتے ہو اسی میں اللہ تعالیٰ کے فرائض ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اتارا اگر کوئی شخص شک کرے کہ قرآن اس پر مشتبہ ہو گیا تو تم اس کو توبہ کراؤ گے اگر اس نے توبہ

Marfat.com

کرلی تو بہتر ورنہ اس کو قتل کردو اس لئے کہ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں فرمایا ہے تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (ہر چیز کا اس میں بیان ہے) تو یہ بات کسی اور کے یا تیرے لئے کیسے جائز ہے کہ کسی چیز کے بارے میں جس کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے کبھی تو کہے کہ فرض عام ہے اور کبھی کہے کہ فرض خاص ہے اور کبھی امر اس میں فرض ہے اور کبھی امر اس میں دلالت ہے اور اگر چاہے ذو اباحت ہے اور اسی قسم کے اور بھی فرق ہیں۔

ایک حدیث ہے جس کو ایک شخص سے روایت کیا جاتا ہے وہ دوسرے سے وہ دوسرے سے یا دو حدیث یا تین حدیث حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دو اور میں نے تم کو اور اس کو جو تمہارے طریقہ پر ہے اس طرح پایا ہے کہ جس سے تم ملاقات کرتے ہو اس کو بھول چوک اور غلطی سے بری کرتے ہو حالانکہ تم نے اس کو صدق اور حفظ میں مقدم کیا ہے اور نہ میں نے کسی ایسے شخص سے ملاقات کی جس سے تمہاری ملاقات ہوئی ہو کہ وہ غلطی کرے یا بھول کرے یا اپنی حدیث میں خطا کرے بلکہ میں نے تم کو کئی لوگوں کے بارے میں یہ کہتے سنا ہے کہ فلاں نے فلاں حدیث میں خطا کی اور فلاں نے فلاں حدیث میں اور میں نے تم کو یہ بھی کہتے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حدیث کی بابت جس کے ذریعہ تم نے کوئی چیز حلال یا حرام کی ہو کہے کہ یہ علم خاصہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کہا ہے بلکہ تم نے یا جس نے تم سے حدیث بیان کی ہے اس نے خطا کی ہے اور تم نے جھوٹ کہا ہے یا جس نے تم سے حدیث بیان کی ہے اس نے جھوٹ کہا ہے تو تم اس سے توبہ نہیں کراتے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتے کہ تو نے بہت برا کہا میں کہتا ہوں کہ کیا یہ جائز ہے کہ قرآن مجید کے احکام میں فرق کیا جائے اور اس کا ظاہر ایک ہو اس کے نزدیک جس نے اس کو سنا اس کی خبر سے جس میں وہ وصف ہو جو تم بیان کرتے ہو اور ان کی خبروں کو تم کتاب اللہ کا قائم مقام قرار دیتے ہو اور تم اسی سے دیتے ہو اور اسی سے منع کرتے ہو۔

پھر کہا کہ جب تم نے یہ حجت قائم کرلی کہ تم ان کی خبروں کو قبول کروگے اور ان میں وہ بات موجود ہے جو تم نے ان کی خبروں کو قبول کرنے کے بارے میں مقرر کی ہے تو تمہاری کیا دلیل ہے اس کے بارے میں جو اس کو رد کردے پھر کہا کہ میں اس سے کچھ بھی قبول نہ کروں گا جس میں وہم کا امکان ہو اور نہ میں اس کو قبول کروں گا کہ بجز اس بات کے بیان کروں جس کی میں اللہ پر گواہی دوں جیسے کہ میں اس کی اس کتاب سے گواہی دوں جس میں کسی حرف

کے بارے میں شک ہو یا جائز ہو کہ کوئی چیز اس کے احاطہ کے قائم مقام ہوا ور اس سے نہ ہو۔

اس قول کی حکایت اور اس کی دلیل سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا کہنے والا ان اخبار کو رد کر رہا ہے جو علم کو مفید نہیں بوجہ جواز خطا و نسیان کے اپنے راویوں پر اور وہ سنّت کو اس حیثیت سے رد نہیں کر رہا ہے کہ وہ سنت ہے حتی کہ اگر وہ بات اس طریق سے ثابت ہو جائے جو علم کے مفید ہو جیسے سنت متواترہ تو اس کو قبول کیا جائے گا لیکن اس نے اس مذہب پر رد کے درمیان اس بات کی صراحت کر دی کہ وہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے سنت کو اس حیثیت سے رد کر دیا کہ وہ سنت ہے اور کچھ لوگوں نے اس حیثیت سے سنت کو رد کیا ہے کہ وہ حکم قرآن کی تفصیل نہیں ہے چنانچہ کہا ہے کہ۔

> اور اس میں لوگوں کے دو مذہب ہو گئے ہیں ایک فریق تو حدیث کو قبول ہی نہیں کرتا جب کہ کتاب اللہ میں تفصیلی حکم موجود ہو تو میں نے کہا کہ پھر اس کا نتیجہ کیا ہو گا کہا کہ اس کو ایک بڑے معاملہ تک پہنچا دیا یعنے جس نے ایسا عمل کر لیا جس پر کم از کم نماز یا زکوٰۃ کا اطلاق کیا جا سکے تو اس نے اس فرض کو ادا کر دیا جو اس پر واجب تھا کہ اس کے لئے کسی وقت کے پابندی کی ضرورت نہیں اور اگر اس نے دن میں دو رکعت پڑھ لیں یا تمام عمر میں دو رکعت پڑھ لیں اور یہ کہہ دیا کہ کتاب اللہ میں جو چیز نہ ہو وہ کسی پر فرض نہیں' اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ جس بارہ میں قرآن مجید کا حکم موجود ہے اس کے بارے میں حدیث قبول کی جائے گی تو یہ قول بھی اس قول کے قریب ہی ہوا جو یہ کہتا ہے کہ جس کا حکم قرآن میں نہ ہو اس کے متعلق حدیث قبول نہیں تو اس کا نتیجہ بھی وہی ہو گا جو فریق اول کا ہے یا اس کے قریب اور اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ اس نے حدیث کو رد کرنے کے بعد پھر اس کو قبول کر لیا اور یہ کہ وہ نہ ناسخ و منسوخ کو مانتا ہے اور نہ خاص و عام کو اور یہ اس نے غلطی کی

اس کے بعد امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں مذہبوں کی گمراہی کا طریقہ واضح ہے اور امام شافعی نے اس شخص کی شخصیت نہیں بتائی جس کی یہ رائے ہے اور نہ "تاریخ نے اس شخص کو ظاہر کیا الا اینکہ امام شافعیؒ نے اپنے اس مناظرہ میں جو آپ نے اصحاب رائے کے ساتھ کیا تھا جس کی تفصیل آگے آئے گی تصریح کی ہے کہ یہ مذہب بصرہ کی طرف منسوب ہے اور بصرہ مرکز تھا حرکت علمیہ کلامیہ کا اور وہیں سے معتزلہ کے مذاہب پھوٹے جس میں ان کے بڑے بڑے معتزلہ مصنفین پیدا ہوئے

Marfat.com

اور وہ اہل حدیث کے ساتھ جھگڑنے میں مشہور تھے ممکن ہے کہ یہ کہنے والا انہی میں سے ہو مد
اور مجھے اپنے اس گمان کی تائید اس بیان سے بھی ہوئی جو میں نے کتاب موسومہ "تاویل مختلف الحدیث" مصنفہ حضرت ابی محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہؒ متوفی ۲۷۶ھ میں دیکھا جس کے شروع میں موصوف نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنی اطاعت کی سعادت عطا فرمائے اور تم پر اپنی حفاظت کا احاطہ کرے اور اپنی رحمت سے تم کو حق کی توفیق عطا فرمائے اور تم کو اس کا اہل بنائے کہ ان باتوں پر جن سے تم واقف ہو تفصیل سے لکھا ہے کہ اہل کلام اہل حدیث پر کیا عیب لگاتے ہیں اور ان کی ذلت کرتے ہیں اور اپنی کتابوں میں ان کی مذمت اور ہجو بیان کرتے ہیں ان پر جھوٹ اور ایسے متناقض روایتوں کے بیان کرنے کا الزام لگاتے ہیں جس سے اختلافات پیدا ہوئے اور کثرت سے مذاہب پیدا ہو گئے اور جماعتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں اور مسلمانوں کے آپس میں دشمنیاں پڑ گئیں ایک نے دوسرے کو کافر قرار دیا اور ہر فریق نے اپنے مذہب کے لئے ایک جنس حدیث سے تائید حاصل کر لی اس کے بعد مختلف فرقے جن حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں کہ بعض احادیث بعض کی مخالفت کرتے ہیں تفصیل سے بیان کیا اور اس کے بعد اہل سنت کے خلاف سخت اعتراضات ایسی بلیغ عبارات میں جو دلوں پر اثر کریں نظام اور جاحظ بلیغ متکلمین کی طرف سے بیان کئے ہیں، پھر دوسرے باب میں متکلمین پر اپنا اعتراض لکھا ہے اور ان پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہی زیادہ اختلاف کا باعث بن رہے ہیں باوجودیکہ وہ دعویٰ کرتے ہیں معرفت قیاس اور غور و فکر کے اسباب مہیا کرنے کا چنانچہ ابوالہذیل علاف نظام کی مخالفت کرتا ہے اور نجار ان دونوں کی مخالفت کرتا ہے اور ہشام بن حکم ان سب کی مخالفت کرتا ہے اور اسی طرح ثمامہ بن اشرس ان سب کی غرض ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کا خود مستقل مذہب نہ ہو کہ اس نے اپنی رائے سے قائم کر لیا ہو اور ہر ایک کے مذہب کے چند متبع بھی ہیں پھر نظام کی نہایت قبیح قول سے توصیف بیان کی اور خود اس کے اصحاب نے اس پر جو عیب لگائے اس کی صراحت کی اور اس کے وہ مسائل فقہیہ بیان کئے جس میں اس نے اجماع کی مخالفت کی مثلاً اس کا یہ قول کہ الفاظ کنایات سے طلاق واقع نہیں ہوئی اگرچہ اس نے نیت بھی کی ہو اور یہ کہ نیند کسی حالت میں بھی ناقض وضو نہیں ہے اور نظام نے فقہاء صحابہ جیسے بڑے مفتیوں پر جو الزام لگایا ہے اس کا ذکر کیا پھر ابوالہذیل کا ذکر کیا اور اس کا بھی اسی طرح برائی کے ساتھ تذکرہ کیا تو اسی طرح عبیداللہ بن حسن قاضی بصرہ کی جس کا یہ قول ہے کہ ہر مجتہد صاحب الرائے ہے حتیٰ کہ اصول میں بھی اس کی صحت قائم رہتی ہے۔

Marfat.com

اس کے بعد اصحاب رائے کا ذکر کیا اور ان کے عیوب بیان کئے اور ابتدا امام ابوحنیفہؒ سے کی ہے اور ان کے وہ مسائل ذکر کئے جس میں انھوں نے نصوص کی مخالفت کی ہے۔

پھر جاحظ کے بارے میں بحث کی ہے اور اس نے جو اہل السنت کی تنقیص کی ہے اور ان کے روایات کی جو ہنسی اڑائی ہے اس کا ذکر کیا ہے پھر حضرات اہل حدیث کا ذکر کیا اور ان کے وہ اوصاف بیان کئے ہیں جن سے مسلمان اچھی صفت کے ساتھ موصوف ہو سکتے ہیں۔

بعض طعن کرنے والے ان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ ضعیف روایتیں بیان کرتے ہیں اور غریب روایتیں تلاش کر کر کے لاتے ہیں حالانکہ غریب میں علت ہوتی ہے لیکن چونکہ وہ لوگ ضعیف اور غریب کو حق سمجھتے تھے اس لئے اس کی روایت نہیں کی بلکہ انھوں نے نیک و بد اور صحیح و سقیم سب کو اس لئے جمع کر دیا تاکہ وہ ان کے درمیان فرق کریں اور ان کا پتہ لگائیں چنانچہ ایسا ہی کیا۔

پھر اس کے بعد اُن مقاصد کا ذکر کیا جس کے لئے کتاب لکھی گئی ہے یعنی ان احادیث کی طرف سے جواب دینا جس کے متعلق متکلمین نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ آپس میں متناقض ہیں یا یہ کہ وہ قرآن مجید کے مناقض ہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں امام شافعیؒ نے یہ رسالہ لکھا ہے یا اس کے تھوڑا عرصہ پہلے متکلمین کا اہل سنت پر بڑے بڑے حملے کئے اور چونکہ اکثر متکلمین بصرہ میں تھے تو یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ جس نے امام شافعیؒ سے مناظرہ کیا تھا وہ انہی میں سے ہوگا۔

یہ رائے اصحاب حدیث کی قوت سے ٹکرا کر چھپ گئی اور احادیث پر اعتماد کا مذہب غالب ہوا اس صفت کی بناء پر کہ وہ قرآن مجید کے بعد اصول شریعت اسلامیہ کی ایک اصل ہے لیکن اس مذہب کے ماننے والے اس طریقہ کے بارے میں مختلف الرائے ہو گئے جس کی بناء پر احادیث پر اعتماد کیا جا سکتا چنانچہ بعض لوگوں نے خبر خاص کو رد کر دیا جس کو فقہا کی زبان میں خبر واحد کہا جاتا ہے جو علم کو فائدہ نہیں پہنچاتی۔

چنانچہ امام شافعیؒ نے اس شخص کی زبان سے جو اس رائے کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں یوں بیان کیا ہے۔

"حکام اور مفتیوں میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ فتویٰ دے یا حکم کرے مگر احاطہ کی حیثیت سے اور احاطہ کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ وہ جانے کہ ظاہر و باطن میں حق ہے اور اس سے اللہ پر گواہی دے سکے اور یہ قرآن مجید و احادیث ہیں جن پر اتفاق ہے اور یا پھر وہ

Marfat.com

چیز جس پر لوگ اتفاق کرلیں اور اس میں مختلف نہیں ہیں تو حکم سب کا ایک ہے ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم ان میں سے بجز ان باتوں کے جس کو ہم نے بیان کردیا اور کچھ قبول نہ کریں مثلاً ظہر کی چار رکعتیں ہیں اس میں نہ نزاع ہے نہ کوئی مسلمان اس کی مخالفت کرتا ہے اور کسی کو اس میں شک کی گنجائش بھی نہیں۔

اس کے بعد انھوں نے اپنی غرض بیان کی کہ وہ علم جس کا اتباع واجب ہے اس کی چند اقسام ہیں۔

(۱) جس کو عوام نے عوام سے نقل کیا ہو جس سے اللہ و رسول پر گواہی دی جا سکے مثلاً جملہ فرائض

(۲) کتاب جس میں تاویل کا احتمال ہو اور اسی وجہ سے اس میں اختلاف ہو سکتا ہو اور جب اس میں اختلاف ہو تو ظاہر پر عمل ہوگا اور اس کی عام باتیں ابداً باطن کی طرف نہ پھیری جائیں گی اگرچہ اس کا احتمال ہو البتہ لوگوں کے اس پر اجماع سے پھیری جا سکتی ہیں لیکن اگر اس میں وہ اختلاف کر جائیں تو ظاہری معنی ہی مراد ہوں گے۔

(۳) جس پر مسلمانوں کا اتفاق ہو چکا اور اپنے سے پہلے کے لوگوں کا اس پر اجتماع بھی بیان کیا ہو اگرچہ یہ ایسا کتاب وسنت سے نہیں کہتے میرے نزدیک یہ متفق علیہ حدیث کے قائم مقام ہے اس لئے کہ اتفاق رائے پر نہیں ہو سکتا رائے میں اختلاف ہوا کرتا ہے۔

(۴) خبر خاص سے حجت اس وقت تک نہیں لی جا سکتی جب تک کہ اس کی نقل ایسے طریقہ پر واقع ہو کہ جس میں خطا کا امکان نہ ہو تو سنت کے متعلق اس رائے کا حاصل یہ ہے کہ اس سے دلیل اسی وقت پکڑی جا سکتی ہے جبکہ وہ متواتر ہو کہ اس کو عوام عوام سے نقل کریں حتیٰ کہ وہ خطا سے پاک ہو لیکن پہلی رائے کی طرح جمہور اسلام نے اس رائے کو بھی ترک کر دیا ہے اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث اس وقت تک قبول نہیں کی جا سکتیں جب تک کہ عوام عوام سے نہ نقل کریں یا شہروں کے فقہاء اس پر عمل کرنے پر متفق نہ ہو جائیں اور سابقہ وجہ پر ایک تیسری وجہ کا اضافہ کیا اور کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایک صحابی کسی فیصلہ کی روایت کرے کہ آپ نے ایسا فیصلہ کیا ہے اور کسی صحابی نے اس روایت کی مخالفت نہیں کی تو اس سے ہم دو باتوں کی دلیل لیں گے ایک تو یہ کہ اس نے اس حدیث کو جماعت صحابہ میں بیان کیا اور دوسرا یہ کہ اگر انھوں نے اس پر رد نہیں کیا کسی ایسی جو اس کی مخالف ہو تو سمجھا جائے گا کہ وہ اس حدیث کو جانتے تھے گویا اس صحابی نے ان کو اس حدیث کی خبر دی تو یہ خبر ان کے عوام کی طرف سے ہوئی

Marfat.com

اور یہی طریقہ ہے جس کی طرف فقہاء عراق مثلاً امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا میلان واقع ہوا اور اسی مطلب کو امام ابو یوسفؒ نے سوار اور پیادہ کے حصّہ کے باب میں اپنی اس کتاب میں جس کو سیر الاوزاعی (نامی کتاب) کی تنقید میں لکھا ہے بیان کیا ہے۔ اور اس کو امام شافعیؒ نے (اپنی کتاب) اُم میں بیان کیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ "تم کو وہ احادیث اختیار کرنی چاہئیں جس کو عوام جانتے ہیں اور شاذ (نادر) احادیث سے بچو کیونکہ ہم کو ابن ابی کریمہ نے حضرت ابی جعفرؓ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلوایا انھوں نے آپ سے گفتگو کی حتیٰ کہ علیسیٰؑ کے بارے میں جھوٹ بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور آپ نے لوگوں کے سامنے تقریر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے عنقریب احادیث خوب خوب بیان کی جائیں گی تو مجھ سے جو احادیث ایسی بیان ہوں جو قرآن مجید کے مطابق ہوں تو وہ تو میری طرف سے سمجھو اور جو میری طرف سے ایسی احادیث بیان ہوں جو قرآن مجید کے خلاف ہوں تو وہ میری نہ ہوں گی اور حضرات مسعر بن کدام اور حسن بن عمارہ رحمہم اللہ نے حضرت عمرو بن مرہؒ سے انھوں نے حضرت بختری سے انھوں نے حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مل جائے تو سمجھ لو کہ وہی چیز زیادہ ہدایت والی اور زیادہ تقویٰ والی اور زیادہ حیات والی ہے، اشعث بن سوار اور اسماعیل بن ابی خالد حضرت شعبی سے وہ حضرت قرظہ بن کعب انصاریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں انصار کی ایک جماعت میں کوفہ آیا تو حضرت عمر بن الخطابؓ پیدل ہماری مشایعت کرتے ہوئے ایک مقام تک آئے (جس کا انھوں نے نام بھی بتایا) پھر آپ نے فرمایا کہ اے جماعت انصار کیا تم جانتے ہو کہ میں نے کیوں تمہاری مشایعت کی تو انھوں نے کہا کہ ہاں ہمارے اعزاز کا خیال کرتے ہوئے اس پر فرمایا کہ ہاں تمہارا اعزاز بھی تھا اور اس لئے بھی کہ تم ایک ایسی قوم کے پاس آؤ گے کہ وہ قرآن مجید ایسے پڑھتے ہوں گے جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ان کے سامنے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کم بیان کرنا اور مجھے تم اپنا شریک سمجھو اس پر قرظہؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث ہرگز بیان نہ کروں گا۔

ہم کو جہاں تک خبر ملی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بجز دو شاہدوں کے قبول نہ کرتے تھے اور اگر کتاب طویل نہ ہو جاتی تو میں تمہارے لئے حدیث کی سند بیان کرتا، اور حضرت علیؓ بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قبول ہی

Marfat.com

نہیں کرتے تھے اور روایت بہت زیادہ بڑھتی جاتی ہے اور اس سے نامعلوم باتیں بھی نکلتی ہیں اور نہ اس کو اہل فقہ جانتے ہیں اور نہ وہ کتاب وسنت کے موافق ہیں لہذا نادر وشاذ احادیث سے بچو اور ان احادیث کو اختیار کرو جس کو عام مسلمان جانتے ہیں اور جس کو فقہار جانتے ہوں اور تمام اشیار کا اسی پر قیاس کرو تو جو حدیث قرآن مجید کی مخالفت کرے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے اگرچہ روایت سے ثابت ہوئی ہو' ہم سے ایک ثقہ راوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے مرض الموت میں فرمایا کہ میں اسی کو حرام کرتا ہوں جس کو قرآن نے حرام کیا ہے۔ خدا کی قسم مجھ پر کوئی بات نہ رکھیں۔ میں تو قرآن مجید اور مشہور احادیث کو امام اور رہنما بناتا ہوں اور اسی کا اتباع کرتا ہوں اور اسی پر ان باتوں کا قیاس کرو جو تم کو پیش آئیں اور قرآن وسنت میں موجود نہ ہوں' لیکن امام شافعیؒ نے اس رائے پر اعتراض کیا ہے اور اس کو رد کیا ہے اور جمہور اہل حدیث اس کے خلاف ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک تیسری رائے اور ہے جس پر امام مالکؒ اور ان کے اصحاب چلتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ سنت دو طریقوں سے ثابت ہوتی ہے ایک تو یہ کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ائمہ دین کہیں جو اس کے موافق ہو (اور اسی کی نسبت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا اسی پر عمل ہے) دوسرے یہ کہ لوگوں کو اس میں اختلاف کرتے نہ پائیں (اور یہ وہی ہے جس کے بارہ میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اسی کو ہم متفق علیہ قرار دیتے ہیں) اور اگر ہم اس بارہ میں ائمہؒ کا قول نہ پائیں اور لوگوں کو اس میں اختلاف کرتے پائیں تو اس کو رد کر دیں گے۔ ان کے نزدیک حدیث کی تحقیق کا یہ قاعدہ ہے کہ جس پر اہل مدینہ کا عمل ہے اور وہ اس پر متفق ہوں' اور امام مالکؒ نے اہل مدینہ منورہ کے عمل کو اور ان کے فقہار کے اتفاق کو بڑی اہمیت دی ہے کہ سابقہ دونوں اعتبار پر ایک وسیلہ حدیث پر اعتبار کا زیادہ کر دیا' اور امام شافعیؒ نے اس مذہب کی تنقید میں اس کی اصل اور تطبیق دونوں پر تنقید کی ہے' میں چاہتا ہوں کہ یہاں ایک خط کی نقل کر دوں جس کو اس زمانہ کے سید فقہار — بلکہ علم واخلاق کے لحاظ سے جمیع بلاد کے فقہار کے سردار یعنی حضرت لیثؒ بن سعدؒ فقیہ مصر نے اپنے بھائی حضرت مالکؒ بن انس کو لکھا تھا جس میں ان کے مذہب پر اہل مدینہ کے عمل پر اعتماد کرنے کی وجہ سے جو اعتراضات ہوتے ہیں اس کو وضاحت سے لکھا ہے اور یہ خط دراصل اس خط کا جواب ہے جو ان کو حضرت امام مالکؒ نے لکھا تھا لیکن ہم کو یہ خط نہ ملا البتہ اس کا جواب حضرت ابی عبداللہ محمدؒ

Marfat.com

بن ابوبکر المعروف بابن قیم الجوزیہ کی کتاب اعلام الموقعین میں ملا جو حضرت ابو یوسف یعقوب بن سفیان فسوی کی کتاب تاریخ و معرفت سے نقل کیا گیا ہے چنانچہ حضرت لیث فرماتے ہیں۔

آپ پر سلام ہو۔ میں تمہاری طرف اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اما بعد اللہ تعالیٰ تمکو اور ہمکو عافیت دے اور دنیا و آخرت میں ہماری عاقبت کو بہتر بنائے مجھے تمہارا خط ملا جس میں تم نے اپنا اصلاح حال لکھا ہے جس سے مجھے خوشی ہوئی یہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ دائم کر دے اور اس کی مدد پر شکر کرتے ہوئے پورا کرے اور اس کے احسان میں زیادتی کرے اور تم نے جو ذکر کیا ہے کہ تم نے ان خطوں کو دیکھا جو میں نے تم کو بھیجا اور ان کو اپنے پاس محفوظ رکھا ہے اور اس پر اپنی مہر لگائی ہے اور ہمارے پاس تمہارے خطوط پہنچے تو اللہ تعالیٰ تم کو جزا خیر دے اس بات کی جو تم نے اس خطوط کے ساتھ کیا تو تمہارے خطوط کے متعلق میں نے بھی یہی پسند رکھا کہ اس کی اس حقیقت تک پہنچوں جو اس میں تمہاری نظر کے مطابق ہوں اور تم نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو خطوط میں نے تم کو لکھے ہیں اس سے تم کو نشاط پیدا ہوا اس امر کی درستگی کے لیے جو تمہارے متعلق مجھے معلوم ہوئی تھی جس پر میں نے نصیحت کی ابتدا کی تھی اور مجھے امید ہے کہ اس کا میرے پاس کوئی مقام ہوا اور یہ کہ اس بات سے تم کو کسی نے نہیں روکا تھا مگر یہ کہ تمہاری رائے ہمارے بارے میں اچھی تھی مگر میں نے تم سے اب جیسے مذاکرہ کر رہا ہوں کبھی نہیں کیا تھا اور یہ کہ تم کو خبر ملی ہے کہ میں لوگوں کو ایسے فتویٰ دے رہا ہوں جو اجماع کے مخالف ہیں اور مجھ کو اپنے نفس کا خوف ہے بوجہ اس اعتماد کے جو مجھ پر پہلے سے لوگ کرتے ہیں یہ اس وجہ سے تھا جو میں انکو فتویٰ دیتا تھا اور یہ کہ لوگ اہل مدینہ کے تابع ہیں جہاں ہجرت واقع ہوئی اور وہیں قرآن مجید نازل ہوا اور جو کچھ تم نے اس کے متعلق اپنی رائے لکھی وہ انشاء اللہ ٹھیک ہوگی اور تم جو بات چاہتے ہو وہی واقع ہوگی اور میں کسی ایسے شخص کو جس کی طرف علم کی نسبت ہوگی مجھ سے زیادہ شاذ فتاوی کو برا سمجھتا ہوگا اور نہ گذشتہ علماء مدینہ کی فضیلت بیان کرنے میں مجھ سے زیادہ ہوگا اور نہ ان کے متفقہ فتاوی کو مجھ سے زیادہ قبول کرنا ہوگا اور اس پر اللہ کی تعریف ہے جو رب العالمین ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں لیکن آپ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ میں قیام تھا اور وہاں آپ پر صحابہؓ کے سامنے قرآن مجید کا نزول ہوا اور ان باتوں کا ان کو علم ہوا جو اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تعلیم دی اور یہ کہ لوگ اس بارہ میں ان کے تابع ہوئے تو واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا لیکن یہ جو تم نے ذکر کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔

والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنات تجري تحتها الانهار خالدين فيها ابدا ذلك الفوز العظيم۔

اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس (اللہ) سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے۔

تو ان سابقین اولین میں سے بہت سے تو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی حاصل کرنے نکلے اور فوج در فوج جمع ہوئے اور لوگ ان کے پاس جمع ہوئے ان کے سامنے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ظاہر کی اور انھوں نے اس میں سے کچھ نہیں چھپایا جو وہ جانتے تھے اور ان کے ہر لشکر میں ایک جماعت ہوتی تھی جو اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت سکھاتے تھے اور اپنی رائے سے ان معاملات میں اجتہاد کیا کرتے تھے اور اس بات میں ان پر ابتداء حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم نے کی تھی جن کو مسلمانوں نے اپنے لئے منتخب کیا تھا اور یہ تینوں نہ مسلمانوں کی فوجوں کو ضائع کرنے والے تھے اور نہ ان سے غافل تھے بلکہ ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں ان کو اقامت دین کے لئے اور اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں اختلاف سے ڈرایا کرتے تھے تو انھوں نے کوئی ایسا معاملہ نہ چھوڑا جس کی قرآن نے تفسیر کی ہو یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا او رحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس کا مشورہ کیا ہو مگر یہ کہ ان کو انھوں نے سب کچھ بتا دیا جب کوئی موقع آیا تو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصر و شام و عراق میں حضرات ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں عمل کیا حتیٰ کہ انھوں نے وفات پائی اس کے سوا انھوں نے کوئی حکم نہیں دیا تو مسلمانوں کی فوجوں کو یہ جائز نہیں کہ آج ایسی بات پیدا کریں جس کو ان کے سلف

Marfat.com

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تابعین نے نہ کیا باوجودیکہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں فتاوی کی بہت سی باتوں میں اختلاف کیا ہے اور اگر مجھے اس کا علم نہ ہوتا کہ تم ان اختلافات کو جانتے ہو تو میں تم کو وہ تفصیل سے لکھتا' پھر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تابعین نے بہت سی باتوں میں اختلاف کیا چنانچہ حضرت سعیدؒ بن المسیب اور ان کے مثل لوگوں نے سخت اختلاف کیا پھر جو لوگ ان کے بعد ہوئے انھوں نے اختلاف کیا چنانچہ میں ان کے پاس مدینہ منورہ وغیرہ مقامات میں حاضر ہوا اور اس وقت ان کے سرکردہ حضرات ابن شہاب و ربیعہ بن ابی عبدالرحمن رحمہم اللہ تھے اور حضرت ربیعہؒ کو بعض گزشتہ باتوں کے متعلق جو اختلاف تھا وہ تم جانتے ہو اور میں حاضر ہوا اور ان کے بارے میں تمہارا اور اہل مدینہ کے اصحاب الرائے مثلاً حضرات یحیی بن سعید و عبیداللہ بن عمر اور کثیر بن فرقد وغیرہ رحمہم اللہ کے اقوال سنے جو ان سے زیادہ عمر رسیدہ تھے حتی کہ اس کراہت کی وجہ سے آپ ان کی مجلس چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور آپ اور عبدالعزیز بن عبداللہ سے میں نے مذاکرہ کیا اور جو اعتراض میں نے ربیعہ پر کیا تھا تم نے اس پر میری موافقت کی تھی کہ تم بھی ان کی وہ باتیں بری سمجھتے تھے جن کو میں ان کے حق میں بری سمجھتا تھا باوجودیکہ ربیعہؒ کے پاس خیر کثیر اور راسخ عقل' اور بلیغ زبان اور ظاہری فضیلت اور اسلام میں اچھا طریقہ اور اپنے عوام اور برادران اسلام کے لئے سچی محبت اور ہمارے لئے خاص طور پر محبت صادقہ تھی اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے اور ان کو بخشدے اور ان کو ان کے اعمال کی اچھی جزا دے اور ہم جب حضرت ابن شہابؒ سے ملتے تو بہت اختلاف ہوتا تھا اور جب ہم میں سے کوئی ان کو لکھتا تھا تو بسا اوقات وہ ایک معاملہ کے بارہ میں اپنی صائب رائے اور علم کی بنا پر تین طریقوں سے لکھتے تھے جو ہر ایک دوسرے کے مخالف ہوتا تھا اور وہ یہ محسوس نہ کرتے تھے کہ انھوں نے اس بارہ میں پہلے کیا رائے لکھی ہے اور یہی وجہ تھی کہ میں نے ان کو چھوڑ دیا جس پر تم نے مجھ پر اعتراض بھی کیا اور تم کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ میں نے کس مسئلہ کی وجہ سے انکار کیا وہ یہ کہ مسلمانوں کی چھاؤنیوں میں کوئی شخص بارش کی رات دو نمازوں کو جمع کرے اور ملک شام کی بارش تو مدینہ منورہ کی بارش سے زیادہ ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ان کے کسی امام نے بارش کی رات

Marfat.com

میں نمازوں کو جمع نہیں کیا جن میں حضرات ابو عبیدہ بن الجراح اور خالد بن ولید اور یزید بن ابی سفیان وعمرو بن العاص اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم موجود تھے اور ہم کو خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال وحرام کو تم میں سب سے زیادہ جاننے والے معاذ رضی بن جبل ہیں اور معاذ رضی قیامت کے دن علماء سے ایک قدم آگے رہیں گے، اسی طرح حضرات شرجیل بن حسنہ اور ابو الدرداء اور بلال بن رباح رضی اللہ عنہم بھی تھے اور مصر میں حضرت ابوذر رضی اور حضرات زبیر بن العوام اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما تھے اور حمص میں ستر اہل بدر صحابی اور تمام مسلمانوں کی چھاؤنیوں میں تھے اور عراق میں حضرات ابن مسعود اور حذیفہ بن الیمان اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم تھے اور خود امیر المومنین علی رض بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کئی سال وہاں مقیم رہے جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کافی اصحاب تھے کہ انھوں نے کبھی مغرب وعشار کو جمع نہیں کیا، اور ابن شہاب کے انہی مسائل میں ایک شخص کی گواہی اور صاحب حق کی قسم پر فیصلہ کرنا ہے اور تم کو معلوم ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فیصلہ نہ تو شام وحمص ومصر وعراق میں کیا اور نہ خلفاء راشدین حضرات ابو بکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم نے کیا پھر حضرت عمر رض بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے اور جیسا کہ تم کو معلوم ہے کہ وہ احیاء سنن میں اور اقامت دین کی کوشش میں اور اصابت رائے میں اور علم میں کس مقام بلند پر تھے اور کس طرح سلف کے طریقہ پر کاربند تھے تو ان کو حضرت رزیق رض بن حکم نے لکھا کہ تم مدینہ منورہ میں ایک شخص کی گواہی اور صاحب حق کی قسم پر فیصلہ کرتے تھے تو انھوں نے اس کا جواب دیا کہ ہم مدینہ منورہ میں ایسا ہی کیا کرتے تھے لیکن جب اہل شام کو اس کے خلاف فیصلہ کرتے دیکھا تو اب ہم دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کے بغیر فیصلہ نہیں کرتے اور انھوں نے بھی کبھی بارش کی رات میں مغرب اور عشار میں جمع نہیں کیا حالانکہ بارش ان کے مکان پر ہوا کرتی تھی جو خناصرہ میں تھا۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ اہل مدینہ عورتوں کے مہر کے بارہ میں فیصلہ کرتے تھے کہ وہ جب چاہے اپنے مہر موجل کا مطالبہ کرلے تو اس کو فوراً دیا جائے اور اہل عراق نے اس بارہ میں اہل مدینہ کی موافقت کرلی تھی بلکہ اہل شام

Marfat.com

ومصر نے بھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی نے اور نہ ان کے بعد کسی نے کسی عورت کو اس کا مہر مؤجل بجز موت یا طلاق سے تفریق کے دلوانے کا فیصلہ نہیں کیا کہ وہ اپنے حق کا مطالبہ کر سکے۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ ایلاء کا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ طلاق ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ مرد اس کی حد مقرر کر دے اگر چار مہینے گزر جائیں اور مجھ سے حضرت نافعؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور وہی مہینوں کے گزرنے کے بعد حد بندی کے راوی ہیں کہ ایلاء جس کا ذکر اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے اس کے مطابق ایلاء کرنے والے کو یہ جائز نہیں کہ جب مدت ختم ہو جائے تو بجز اس کے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یا تو رجوع کرے یا طلاق دیدے اور تم کہتے ہو کہ اگر وہ ان چار مہینے کے بعد جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر وہ ٹھہر گیا اور تحدید نہیں کی تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی اور ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ حضرات عثمان بن عفان اور زید بن ثابت اور قبیصہ بن ذویب اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم نے ایلاء کے بارے میں کہا ہے کہ اگر چار مہینے گزر جائیں تو اس پر طلاق باین پڑ جائے گی اور حضرات سعید بن المسیب اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام اور ابن شہاب رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ جب چار مہینے گزر جائیں تو اس پر ایک طلاق واقع ہوگی اور عدت میں اس سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ حضرت زیدؓ بن ثابت کہتے ہیں کہ جب مرد اپنی عورت کو اختیار دیدے کہ یا شوہر کے پاس رہے یا اپنے کو طلاق دیدے تو اگر اس نے شوہر کے پاس رہنا اختیار کیا تو بھی اس پر ایک طلاق واقع ہو جائیگی اور اگر اس نے اپنے کو تین طلاق دیدیں تو بھی ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور عبدالملک بن مروان نے یہی فیصلہ کیا تھا اور حضرت ربیعہؒ بن عبدالرحمٰن بھی یہی کہا کرتے تھے اور لوگ اس بات پر متفق تھے کہ اگر اس نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر اس نے اپنے لئے ایک یا دو طلاق اختیار کر لیں تو اس میں رجعت کا حق ہے اور اگر اس نے اپنے نفس کو تین طلاق دیدی تو اس سے جدا ہوگئی اور اس وقت تک اس کے لئے وہ حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ

Marfat.com

کرے اور اس سے جماع بھی کرے پھر اس کو طلاق دے یا مر جائے الا انیکہ وہ شوہر اسی مجلس میں اس پر رد کر دے اور کہدے کہ میں نے تجھے ایک طلاق کا مالک بنایا تھا وہ اس پر قسم کھائے اور اس کے اور اس کی عورت کے درمیان چھوڑ دیا جائے گا۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کہتے ہیں کہ جس شخص نے لونڈی کا نکاح کر دیا پھر اس کے شوہر نے اس کو خرید لیا تو اس شوہر کا اس لونڈی کو خرید لینا تین طلاق ہو گئیں اور حضرت ربیعہؒ بھی یہی کہتے تھے اور اگر کسی آزاد عورت نے کسی غلام سے نکاح کر لیا پھر اس کو خرید لیا تو بھی یہی مسئلہ ہے' اور ہم کو تمہارے فتاوی کی خبر ملی ہے کہ جو ناپسندیدہ ہیں اور میں نے بعض کے متعلق تم کو لکھا بھی تھا لیکن تمہارا جواب نہیں آیا تو مجھے خوف ہوا کہ شاید تم پر یہ بار گراں بن گیا ہو تو میں جن امور کو ناپسند کرتا ہوں اس کے بارہ میں تم کو لکھنا چھوڑ دیا اور ان امور کے بارہ میں بھی جن پر میں نے تمہاری رایوں پر اعتراض کیا ہو جن میں سے یہ بھی ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے حضرت اذفرؒ بن عاصم ہلالی کو جبکہ انھوں نے نماز استسقاء پڑھنے کا ارادہ کیا اور یہ حکم دیا کہ خطبہ کے پہلے نماز پڑھیں تو یہ بات مجھے بری معلوم ہوئی اس لئے کہ نماز استسقاء کا خطبہ جمعہ کے دن کے خطبہ کے مثل ہے الا انیکہ جب امام خطبہ سے فراغت پانے کے قریب ہو تو دعا کرے اور اپنی چادر کو پلٹ دے پھر اتر کر نماز پڑھائے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ابو بکر محمد بن عمرو بن حزم وغیرہما رحمہما اللہ نے ایسا ہی کیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک دعا اور خطبہ کو نماز پر مقدم رکھتے تھے اس لئے لوگوں نے زفر بن عاصم کے اس فعل کو ناپسند کیا اور تعجب سے دیکھا۔

اور انہی مسائل میں سے ایک یہ ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ اگر کسی مال میں دو شخص شریک ہوں تو ان دونوں پر صدقہ اس وقت تک واجب نہ ہو گا جب تک کہ ان میں سے ہر ایک کے حصہ میں اس قدر مال نہ ہو کہ جس پر صدقہ واجب ہو حالانکہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے خط میں ہے کہ دونوں پر صدقہ واجب ہے اور دونوں برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اور تمہارے پہلے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز وغیرہ کے زمانہ میں اسی پر عمل تھا اور اس کی روایت حضرت یحییٰؒ بن سعید نے کی ہے جو اپنے زمانہ کے افاضل علماء سے کمتر نہ تھے اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے اور ان کی

Marfat.com

مغفرت فرمائے اور جنت ان کا ٹھکانہ بنائے۔

اسی طرح مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم اس کے بارہ میں کہتے ہو جو دیوالیہ ہو جائے اور اس کو کوئی شخص سامان فروخت کر چکا ہو اور اس نے قیمت کا ایک حصہ لے لیا ہو یا خریدار نے کچھ مال صرف کر دیا ہو تو جو سامان اب اس کے پاس باقی ہے وہ لے لے لیکن عام دستور یہ تھا کہ بائع نے جب قیمت کا کچھ حصہ لے لیا یا خریدار نے سامان کا کچھ حصہ صرف کر دیا تو اب وہ مال بعینہ وہ نہیں رہا۔

اور انہی امور میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ یہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ بن العوام کو صرف ایک گھوڑے کا حصہ دیا اور لوگ سب بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ان کو دو گھوڑوں کے چار حصے دیئے البتہ تیسرے گھوڑے کا آپ نے ان کو حصہ نہیں دیا اور اس حدیث پر تمام لوگوں کا یعنی اہل شام و اہل مصر و اہل عراق اور اہل افریقیہ کا اتفاق ہے اس میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہے تو تمہارے لئے یہ زیبا نہ تھا کہ اس طرح بیان کرتے اگرچہ کسی ایک محبوب شخص سے بھی تم نے سنا ہو اور اس طرح تمام امت کی مخالفت کرتے۔

اور اسی طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو میں نے چھوڑ دیں اور میں تمہارے لئے اللہ سے توفیق چاہتا ہوں اور طول بقا اس لئے کہ میں اس میں لوگوں کا نفع دیکھتا ہوں اور تم جیسے شخص کے جانے سے مجھے لوگوں کے ضایع ہونے کا ڈر ہے و نیز آپ سے مجھے جو انس ہے اگر مکان کی دوری ہے، تو آپ کا تو یہ مرتبہ میرے پاس ہے اور میری بہ لائے آپ کے متعلق ہے تو اس کو یقین مانئے اور اپنی اور اپنی حالت اور بال بچوں کی خیریت اور اپنی یا اپنے کسی متعلق کی کوئی ضرورت ہو تو اس سے ضرور اطلاع دیجئے کہ اس سے مجھے بجید مسرت ہو گی اور ہم اب الحمدللہ بخیر و عافیت ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم کو اور آپ کو ان باتوں کے شکر کی توفیق عطا فرمائے جو اس نے ہم کو عطا کی ہیں اور جو نعمتیں اس نے ہم کو عطا کی ہیں وہ تمام فرمائے اور تم پر سلام اور اللہ کی رحمت۔

ہم نے اس خط کو مکمل تمہارے سامنے پیش کرنے کا اس لئے ارادہ کیا تھا تاکہ ادبی تنقید کی بہترین مثال ہو سکے کیونکہ ہم نے اختلاف کے بارہ میں اس سے زیادہ مہذب اور شریفانہ طریقہ نہیں پایا کاش ہم اپنے آباء کے نقش قدم پر چل سکیں۔

Marfat.com

لیکن شیعہ حضرات تو حدیث کو اسی وقت قابل اعتبار سمجھتے تھے جبکہ اس کی روایت ان کے ائمہ کے واسطہ سے یا ان کے ذریعہ سے پہونچے جو ان کے مذہب پر ہو اور اس کے سوا سب چھوڑ دیا کرتے تھے کیونکہ جو حضرت علی رضؓ سے محبت نہیں رکھتا وہ اس بھروسہ کا اہل نہیں۔

اور اسی طرح خوارج نے ان احادیث پر انحصار رکھا جس کو وہ صحابہ میں سے دوست رکھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک احادیث وہی قابل اعتبار ہیں جو فتنہ کے پہلے ظاہر ہوگئیں اس کے بعد کی احادیث اور جمہور امت کو چھوڑ دیا اور ان کی دشمنی اختیار کی کیونکہ انھوں نے ان کے خیال کے مطابق ائمہ ظلم کی پیروی کی لہذا وہ ان کے اعتبار کے قابل نہ رہے لیکن وہ رائے جس پر عام اہل حدیث ہیں جن کے سرگروہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں یہ ہے کہ حدیث کا اعتبار اس طرح ہوتا ہے کہ ایک عادل شخص دوسرے اپنے جیسے عادل سے روایت حاصل کرے حتی کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا دے خواہ راوی ایک ہی کیوں نہ ہو اور اس کے علاوہ اور شرائط کا کوئی وزن نہیں رکھا اور اسی وجہ سے روایت کردہ حدیث کی قدر و قیمت کا انداز کرنے میں بڑا اختلاف ہوا۔ اسی لئے تم دیکھو گے کہ حنفی ایک حدیث پر اس کی شہرت کی وجہ عمل کرتا ہے اور شافعی اس کے سند کے ضعف کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیتا ہے اور مالکی کسی حدیث کو اس لئے چھوڑ دیتا ہے کہ عمل اس کے خلاف رہا ہے اور اسی حدیث پر شافعی اس کے سند کی قوت کی بنار پر عمل کرتا ہے اور جب شراح اور حامیان مذاہب اور اس کے ناقدین کا زمانہ آیا تو انھوں نے اُن اُصولوں کو اختیار نہیں کیا جس کو ان کے ائمہ نے اختیار کیا اور ان کے مخالفین پر ہر اس حدیث کی مخالفت کا الزام لگانے لگے جس کی سند صحیح ہو اگرچہ وہ ان شرائط کو پورا نہ کرے جس کی اس کے ناقدین نے شرط لگائی تھی اسی طرح ہم ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہر اس حدیث کو کمزور قرار دینے کی کوشش کر رہے ہیں جس کو ان کے امام نے قبول نہیں کیا یا تو اس کی سند میں نکتہ چینی کر کے یا اور کسی وجہ کی بنار پر حالانکہ آسان طریقہ تو یہ تھا کہ وہ یہ کہہ دیتے کہ امام نے اس حدیث کو اس وجہ سے نہیں لیا کہ اس میں وہ شرط مسلمہ پوری نہ تھی جس کو امام نے حدیث پر عمل کرنے کے لئے ضروری کہا ہے اور عنقریب اور اس قسم کے بہت سے نظائر آپ کی نظر سے گذریں گے۔

(نزاع دوم) قیاس اور رائے اور استحسان میں نزاع۔ صحابہ اور تابعین جب قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں کوئی حکم نہ پاتے تو مجبوراً رائے کو اختیار کرتے جیسا کہ

Marfat.com

فتاوی سے ظاہر ہے رائے کا مطلب یہ ہے کہ دین کے قواعد عامہ کی بنا پر کوئی حکم لگایا جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔

لاضرر ولاضرار — نہ نقصان اٹھانا ہے اور نہ نقصان پہونچانا۔

اور جیسا کہ ارشاد نبوی ہے۔

دع ما یریبک الی مالا یریبک — جو چیز تم کو شبہ میں ڈالے اس کو چھوڑ دو اور وہ چیز اختیار کرو جو تم کو شبہ میں نہ ڈالے۔

مگر وہ اصل معین کا اہتمام نہیں کرتے تھے جو محل حادثہ کے مشابہ ہو جس کے متعلق وہ فتوی دے رہے ہوں جیسے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت محمد بن سلمہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے پڑوس کی نہر کو اپنی زمین میں سے گزرنے دیں کیونکہ اس سے اس کے پڑوسی کا تو فائدہ تھا لیکن محمد کو اس سے کچھ نقصان نہ تھا تو اس فتویٰ کی علت اصل عام سے ہے کہ مفید چیز جائز اور مضر چیز ممنوع لیکن انھوں نے اس کو کسی اصل معین پر قیاس کر کے یہ حکم نہیں دیا تھا اور اسی کو فقہاء کی اصطلاح میں مصالح مرسلہ کہتے ہیں یعنی جس کی کوئی اصل معین نہ ہو، لیکن اگر اسی رائے میں کچھ وسعت ہو جائے تو پھر وہ نقصان کا باعث ہو سکتی ہے کیونکہ اس سے اکثر حدیثوں کے چھوڑنے تک نوبت آجائے گی خصوصاً جبکہ اس رائے والا احادیث کی چھان بین کرنے والا ماہر نہ ہو اور کسی شہر کے عالم کے لئے یہ آسان نہیں کہ اس کے علم میں وہ تمام احادیث ہوں جو دوسرے شہروں میں پھیلے ہوئے علماء کے پاس ہیں اور اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو رائے سے فتوی دینے میں وسعت کرتے ہیں اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ اس حدیث کے خلاف فتویٰ دیدے جو اس کو یاد نہ ہو اور دوسرے کو وہ یاد ہو اسی لئے فقہاء نے اس خطرہ کو محسوس کر کے رائے کے دائرہ کو محدود کر دیا اور یہ شرط لگا دی کہ رائے سے استنباط کرنے والے کے لئے ایک اصل معین ہونی چاہئے جس کی طرف وہ فتوی دیتے ہیں رجوع کرے اور یہ اصل یا تو قرآن مجید ہو گی یا حدیث اور یہی قیاس ہے جس کو قرآن مجید اور احادیث کے بعد اصول شریعت میں سے ایک اصل قرار دیا اور اس میں فقہاء عراق نے بہت جد و جہد کی مگر وہ اکثر قیاس کو چھوڑ کر ایک ایسی بات کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کو استحسان کہتے ہیں چنانچہ حضرت محمدؒ بن حسن اکثر مبسوط میں کہتے ہیں کہ میں قیاس کو چھوڑ کر اس کو مستحسن سمجھتا ہوں کہ کبھی ان کا استحسان یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی اثر کی طرف رجوع کرتے ہیں جو مقتضائے قیاس کی مخالفت کرتا ہے یا اصول عامہ کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے اور اسی کو پہلے رائے کہا جاتا تھا ہم

Marfat.com

جانتے ہیں کہ قارئین کے سامنے وہ اصول رکھدیں جس سے اہل حدیث اور اہل رائے کے موقف میں تمیز ہوجائے۔

اہل حدیث دو وجہ سے صرف احادیث کو اپنے سامنے رکھتے ہیں اول یہ کہ وہ قرآن کو مکمل کرنے والی ہیں دوسرے وہ خود مستقل احکام ہیں کہ شارع نے اس شخص کے لئے جو اسلام کو اپنا دین قرار دے ان کی حیثیت اطاعت کے لحاظ سے ایسی قرار دی ہے کہ اس کو ان علتوں کا سبب دریافت کرنے کی ضرورت نہیں جس کی شارع نے شریعت میں رعایت رکھی ہے اور نہ اس کے ایسے اصول عامہ قرار دئے ہیں جس کی طرف مجتہد رجوع کرسکے اور نہ مختلف الواب کے خاص اصول رکھے ہیں اس لئے یہ صرف اس لفظ کے مقلد ہیں اسی لئے ہم ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ جب کسی مسئلہ میں نص نہیں پاتے تو خاموش رہتے ہیں اور فتویٰ نہیں دیتے لیکن اہل رائے و قیاس نے شریعت کو معنی کے لحاظ سے عقلی قرار دیا اس کے لئے اصول عامہ قرار دئے جس کو قرآن مجید نے بیان کیا اور احادیث نے اس کی تائید کی اور اسی طرح ابواب فقہ سے ہر باب کے اصول بنلئے جس کو قرآن مجید و احادیث سے مرتب کیا اور تمام مسائل جو پیش آتے ہیں ان کو انہی اصول کیطرف لے گئے جو اس باب میں آتے ہوں اگرچہ اس مسئلہ میں کوئی نص نہ ہو اور وہ احادیث کی صحت پر اہل حدیث ہی کی طرح اعتماد کرلیتے ہیں مگر وہ احادیث کی روایت زیادہ نہیں بیان کرتے اس لئے کہ ان کو اپنے اصولوں پر کافی بھروسہ ہے اور احادیث کے متعلق ان کی رائے بھی پہلے بیان ہوچکی ہے اور جب وہ ایسی احادیث پاتے ہیں جو ان اصولوں کی مخالفت کرتی ہوں اور ایسی احادیث صحیح ثابت ہوجائیں تو ان پر عمل کرنے سے نہیں ہٹتے اور اس وقت اس کو استحسان کہتے ہیں اور کبھی باب کے اصل معین پر قیاس کو چھوڑ کر اصول عامہ اختیار کرلیتے ہیں اس کو بھی استحسان کہتے ہیں اور جو شخص کہ ان مسائل سے واقف ہے جن کو ان فقہاء نے استنباط کیا ہے جو قیاس کے قائل ہیں اور وہی جمہور اسلام اس کو معلوم ہے کہ حضرت ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب اگرچہ لفظ استحسان میں اپنے کو منفرد قرار دیتے ہیں لیکن استحسان کے معنی میں جملہ فقہاء ان کے شریک ہیں چنانچہ حضرت مالکؒ نے اس کو مصالح مرسلہ کا نام دیا ہے حالانکہ وہ بھی استحسان کی ہی ایک قسم ہے اور مذاہب مختلفہ میں آپکو بہت سے مسائل ملیں گے جن کی بنیاد یہی استحسان پر ہے۔

اور انہی قیاس اور استحسان کرنے والے جلیل القدر صحابہ اور سلف صالح ہیں جیسے دور اول میں حضرت عمرؓ اور دور ثانی میں حضرت ابن عباسؓ اور تابعین میں حضرات ربیعۃ ابراہیم نخعی رحمہا اللہ۔

Marfat.com

اس دور میں اہل سنت اور اہل رائے کے درمیان سخت اختلاف واقع ہوا جو ایک طرف قیاس واستحسان کے ماننے والوں پر عام ہے اور دوسری جہت اہل قیاس اور اہل استحسان کے درمیان بھی ہے اور یہ سب اہل الرائے کے خلاف ہو گئے جس میں اہل حدیث و متکلمین سب برابر کے شریک ہو گئے حالانکہ ان دونوں فریقوں کے درمیان آپس میں عداوت تھی کیونکہ شریعت کے بارے میں اہل حدیث کا خیال تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں اور متکلمین شریعت کو محض ایک تعبدی (تقلیدی) چیز مانتے تھے جس میں غور و قیاس کی گنجائش نہیں کہ ہر وہ چیز جو شارع سے ثبوت کامل کے ساتھ ثابت ہو جس میں کوئی شک نہیں تو اس پر عمل لازم ہو جاتا ہے اس لئے وہ اہل حدیث کے ساتھ اس بات میں متفق ہیں کہ وہ تعبد محض ہے لیکن وہ اہل حدیث سے اس بات میں اختلاف رکھتے ہیں کہ حدیث کا اعتبار شریعت کے اصول میں ایک اصل کے لحاظ سے نہیں سمجھے۔

ہر ایک فریق اپنی حجت پیش کرنے لگا ہم نے بھی ایسی ایسی تحریریں اہل حدیث کی اور متکلمین کی دیکھی ہیں جن کے ذریعہ رائے کی ہنسی اڑائی گئی ہے مگر دونوں فریق میں ایک ہی روح کار فرما نہیں ہے کیونکہ اہل حدیث شریعت کو اس سے بالاتر سمجھتے تھے کہ وہ اہل الرائی کی رایوں کی جولانگاہ بن جائے اس لئے کہ شریعت اللہ کی طرف سے ہے خواہ وہ قرآن مجید ہو یا حدیث اور جو شریعت ایسی ہو وہ خطا اور اختلاف سے بعید ہے اور رائے انسان سے متعلق ہوتی ہے جس میں خطا کا بھی امکان ہے اور اصابت کا بھی اور یہاں اختلاف اور تفریق رونما ہو گی جس کی ہم کو ممانعت کی گئی ہے اور متکلمین کہتے ہیں کہ شریعت نے مختلف امور کو جمع کر دیا ہے کہ اس نے تمام احکام کو جمع کر دیا اور متشابہات کو الگ کر دیا اسی لئے اس کے احکام بھی مختلف ہو گئے اور اس قسم کے احکام بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو ایسے ہوں اس میں عقل کے غور کا میدان نہیں ہے۔

اور بہترین تحریر جو قیاس کی طرف سے مدافعت کرنے کی اور اس کو شرعی حجت قرار دینے کی ہم تک پہونچی ہے وہ یہ ہے جو ہم نے امام محمد بن ادریس ؒ کے رسالہ رہولیہ میں اور کتاب ام میں پڑھی ہے اور قیاس کی تردید میں ہم نے جو بہترین تحریر دیکھی ہے وہ ہے جس کو حضرت داؤد ؒ بن علی امام اہل ظاہر نے لکھی ہے جو تیسری صدی کے نصف میں پیدا ہوئے اور اپنا مذہب اس بنیاد پر قائم کیا کہ قرآن مجید اور احادیث کے ظاہر پر عمل کیا جائے اور قیاس کو بالکل چھوڑ دیا جائے حالانکہ اس زمانہ کے اکثر فقہاء نے قیاس کو شریعت کے اصول میں سے ایک اصل قرار دیا اور

Marfat.com

سب سے پرانا قول امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا ہے اور اسی لئے انھوں نے صرف اصحابِ رائے کے نام سے شہرت حاصل کی۔ لیکن استحسان پر تو حضرت محمدؐ بن ادریس شافعیؒ نے اپنے رسالہ میں اور کتاب الام کے ساتویں باب میں سخت حملہ کیا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

اس شخص کے لئے جو حاکم یا مفتی ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ بغیر خبر یقینی کے حکم لگائے یا فتویٰ دے اور وہ قرآن مجید ہے یا حدیث یا جس کو اہل علم نے کہا ہو اور اس میں آپس میں اختلاف نہ ہو یا اسی پر قیاس ہو لیکن استحسان کے ذریعہ حکم لگانا یا فتویٰ دینا جائز نہیں اور کیونکہ استحسان واجب نہیں اور نہ ان معانی میں سے کسی میں شامل نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ایحسب الانسان ان یترک سدی۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یونہی بے لگام چھوڑ دیا جائے گا۔

اور قرآن مجید کا صحیح علم رکھنے والے جیسا کہ تم کو معلوم ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں رکھتے "سدی" وہ ہے جس کو نہ حکم دیا گیا اور نہ ممانعت کی گئی اور جس نے فتویٰ دیا یا حکم لگایا اس چیز میں جس کا اس کو حکم نہیں دیا گیا تو گویا اس نے اپنے نفس کو "سدی" میں داخل ہونے کی اجازت دیدی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم کرا دیا تھا کہ اس نے اس کو بے لگام (یعنے "سدی") نہیں چھوڑا اور یہ بھی ان کی رائے ہے کہ اگر اس نے یہ کہا کہ میں جو چاہتا ہوں کہتا ہوں اور دعویٰ کیا کہ قرآن مجید اور احادیث میں اس کے خلاف ہے تو اس نے انبیاء اور جماعت کے تمام احکام کی مخالفت کی جس سے تمام لوگوں نے روایت کی، پھر اس کے بعد وہ فرماتے ہیں جس نے یہ کہا کہ میں استحسان نہ خدا کے حکم سے کرتا ہوں نہ رسول کے حکم سے تو اس نے خدا و رسول کے قول کو قبول نہیں کیا اور نہ اس کی تلاش کی جائے گی کہ اللہ اور رسول کے حکم سے کیا کہا اور اس قول کے کہنے والے کی بالکل کھلی غلطی ظاہر ہوگی کیونکہ وہ کہتا ہے کہ میں کہتا ہوں اور اس بات پر عمل کرتا ہوں جس کا نہ مجھکو حکم دیا گیا اور نہ اس سے منع کیا گیا اور اس کا کوئی نمونہ نہیں جس کا مجھے حکم دیا گیا یا جس سے مجھے روکا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے قول کے خلاف فیصلہ کیا اور کسی کو بغیر اطاعت اختیار کرنے کے نہیں چھوڑا۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ

Marfat.com

جس نے یہ حق حاصل کرلیا کہ وہ بغیر یقینی خبر اور اس پر قیاس کے حکم یا فتویٰ دے تو اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ اس کے اس قول کا مطلب کہ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اگرچہ مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا اس نے کتاب وسنت کے مقصد کی مخالفت کی اور اسی کی زبان سے اس پر اعتراض ہوگا اور اس قول کا مطلب کہ میں اس بارے میں کسی کو نہیں جانتا مخالف ہوگا اگر کہا جائے کہ وہ کیا ہے تو کہا جائے گا "کہ میں کسی اہل علم کو نہیں جانتا کہ اس نے کسی عقلمند صاحب ادب کو اجازت دی ہو کہ وہ اپنے نفس کی رائے سے حکم یا فتویٰ دے یہاں تک کہ وہ اس چیز کا عالم ہو جس پر کتاب وحدیث و اجماع اور متشابہات کی تفصیل کے لئے عقلی امور کا دارومدار ہو، اگر وہ اس کا دعویٰ کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ کیوں ان عقلمندوں کے لئے جن کی عقلیں قرآن وسنت جاننے والوں کی عقلوں سے زیادہ ہیں اور فتاویٰ میں بھی وہ سب سے زیادہ ماہر ہیں یہ کیوں جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہیں جب کوئی بات ان کے سامنے پیش آئے جس کے متعلق مسئلہ وہ جانتے ہیں کہ اس بارے میں نہ قرآن مجید کا کوئی حکم ہے نہ حدیث میں نہ اجماع حالانکہ وہ سب عقل وفہم میں عوام سے زیادہ بہتر طریقہ پر ظاہر کرسکتے ہیں، اگر تم یہ کہو کہ انکو اصول کا علم نہیں ہے، تو تم سے کہا جائے گا کہ خود تمہارے لئے کیا دلیل ہے کہ تم اصول جانتے ہو جبکہ تم خود بغیر اصل اور اصل پر قیاس کے کہتے ہو کیا تم کو خوف ہے کہ اہل عقول جو اصول سے ناواقف ہیں وہ ان لوگوں سے زیادہ ہیں جو اصول کو نہیں جانتے تو وہ قیاس بہتر نہیں کرسکتے ان باتوں کا جو وہ نہیں جانتے اور کیا تمہارا اصول کو جاننا اس پر قیاس کرنا تم کو سکھا دیا یا تمہارے لئے اس کا چھوڑ دینا جائز کیا ہے اور اگر چھوڑنا جائز کردیا ہے تو ان کو تمہارے ساتھ گفتگو کرنا جائز ہے اس لئے کہ ان پر جس بات کا ڈر زیادہ ہے اس پر قیاس کا چھوڑ دینا یا اس میں خطا کرنا ہے میں انکو نہیں جانتا مگر یہ کہ صواب پر ان کی تعریف کروں گا اگر وہ تم سے نمونہ لئے بغیر کہیں گے اگر ان میں سے کسی کی تعریف کی جاسکتی ہو کہ وہ بغیر کسی نمونہ کے کہے کیونکہ وہ کسی نمونہ کو نہیں جانتا اسی لئے انھوں نے اس کو چھوڑ دیا اور تم سے زیادہ وہ خطا میں معذور ہیں کیونکہ انھوں نے تو ان باتوں میں خطا کی ہے جن کو وہ نہیں جانتے، اور تم کو میں ان سے زیادہ گنہگار سمجھوں گا جبکہ تم نے ان باتوں کو چھوڑ دیا جو تم جانتے ہو ان اصول پر قیاس کرنے کو جن سے تم ناواقف نہیں

Marfat.com

ہو، اور اگر تم یہ کہو کہ ہم نے جو قیاس کو چھوڑا تو وہ اصل سے ناواقفیت کی بناء پر نہیں چھوڑ رہے تو کہا جائیگا کہ اگر قیاس حق ہے تو تم نے حق کی مخالفت کی اس کو جانتے ہوئے تو اس میں وہ گناہ ہے کہ اگر تم اس سے ناواقف ہو تو تم اس کے اہل نہیں کہ علم کے بارہ میں کوئی گفتگو کر سکو اور اگر تمہارا یہ زعم ہو کہ تمہارے لئے قیاس کا چھوڑ دینا، اور جو کچھ تمہارے اوہام میں آگیا اور ذہنوں میں جم گیا اور تمہارے کانوں نے جس کو اچھا سمجھا اس کا کہنا جائز ہے تو تم نے قرآن وحدیث اور اس پر اجماع کے دلائل کی وہی صفت بیان کی جو ہم نے تعریف کی کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ علم یقینی کے بغیر کچھ کہے۔

وہ پھر فرماتے ہیں۔

کہ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ جب حاکم اور مفتی کسی معاملہ میں جس میں حدیث کا کوئی حکم نہ ہو اور نہ قیاس ہو یہ کہے کہ میں اس کو مستحسن سمجھتا ہوں تو لازمی ہے کہ یہ خیال کرے کہ دوسرے کے لئے جائز ہے کہ اس کے خلاف استحسان کرے پھر ہر شہر کا حاکم اور مفتی جو بات مستحسن سمجھے گا وہی کہے گا تو ایک ہی چیز میں مختلف احکام اور فتاویٰ دیے جائیں گے تو اگر یہ ان کے نزدیک جائز ہو تو انھوں نے اپنے نفسوں کو مہلت دیدی کہ انھوں نے جیسا چاہا حکم کر دیا اگرچہ وہ تنگ ہو کہ اس میں داخل ہونا ان کے لئے جائز نہ ہو۔ اور اگر وہ شخص جو قیاس کا قائل ہے یہ کہے کہ لوگوں کو میرا کہا ماننا ضروری ہے، تو اس سے کہا جائے گا کہ کس نے تمہاری اطاعت کا حکم دیا ہے کہ لوگوں پر تمہاری اتباع ضروری ہو ذرا تم غور کرو کہ اگر تمہارے علاوہ کوئی اور بھی اسی کا دعویٰ کرے تو تم اس کی اطاعت کروگے یا کہوگے کہ میں اس کے سوا کسی کی اطاعت نہ کرونگا جس کی اطاعت کا مجھے حکم دیا گیا ہے تو اسی طرح کسی پر کسی کی اطاعت واجب نہیں بلکہ اطاعت اسی کی واجب ہے جس کا اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول نے اسکی اطاعت کا حکم دیا ہو، بلکہ طاعت تو اسی کی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول نے اطاعت کا حکم دیا ہو اور حق اسی میں ہے جسکی اتباع کا اللہ و رسول نے حکم دیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اس پر نص کے ذریعہ دلیل دی ہو یا دلائل سے استنباط کا حکم دیا ہو۔

مندرجہ بالا عبارت میں امام شافعیؒ نے جو کچھ کہا اس میں گویا وہ دیکھ رہے ہیں کہ محمد بن حسنؒ یہ کہتے ہیں کہ میں اس کو استحسان سمجھتا ہوں اور قیاس کو چھوڑ رہا ہوں اور ابو حنیفہؒ نے مستحسن سمجھ

Marfat.com

اور قیاس کو چھوڑ دیا" اور ان سب کو اس شخص کے مقام میں رکھا جو بغیر کسی مثال کے محض اپنے وہم وخیال سے کہتے ہیں لیکن جن لوگوں نے حضرت محمدؒ بن حسن کے اقوال کی تفسیر کی ہے اور جو ان کے کلام سے سمجھ میں آتا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ استحسان کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ کسی حدیث کی بنار پر یا کسی اصول عامہ کی طرف رجوع کیا جائے جو در اصل متقدمین کی رائے کا کام ہو یا کسی دوسری معین اصل کی طرف رجوع کیا جائے اور خود امام شافعیؒ نے قیاس کرنے والوں کے اختلاف کے بیان میں لکھا ہے کہ کبھی کوئی مسئلہ پیش آتا ہے جس میں قیاس کا احتمال ہوتا ہے تو دونوں اصلوں میں اس کی شباہت معلوم ہوتی ہے تو ایک شخص ایک اصل کی طرف اور دوسرا دوسری اصل کی طرف جاتا ہے جس سے وہ مختلف ہو جاتے ہیں اہل عراق کا استحسان کہنے کا مطلب مسئلہ کو دوسری اصل کی طرف جو خاص ہو یا عام لیجانا ہوتا ہے اور یہ قول بجز خواہش کے نہیں ہوتا بلکہ صرف لفظی بحث رہ جاتی ہے جو آسان ہے۔

اور حضرت امام شافعیؒ نے اپنی کتاب میں جس کا نام "رد علی محمد بن الحسن ہے" لکھا ہے کہ فقہ میں محمدؒ بن حسن جس اصل کی طرف گئے ہیں یہ ہے کہ فقہ میں کوئی بات بجز خبر یقینی یا قیاس کے نہیں کہی جا سکتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس دور میں قیاس کو شریعت میں اصل قرار دینے کا مسئلہ بہت کامیابی حاصل کر گیا اگرچہ کہ اس کو بطور استنباط اختیار کرنے میں فقہار ایک درجہ پر نہ رہے جیسا کہ حنفیہ اس میں بہت شدت اور غلو رکھتے تھے اور حنابلہ اور مالکیہ کا نفوذ اس میں بہت کم تھا اور شافعیؒ دونوں فریقوں کے درمیان تھے لیکن شیعہ اور اہل حدیث اس سے بہت دور تھے اور ظاہریہ نے اس کے چھوڑنے میں بہت غلو سے کام لیا۔

(سوم) اجماع کے متعلق نزاع' فقہار بعض مسائل کی حجت بیان کرتے وقت یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے گو اجماع بھی کتاب وسنت کی طرح دین کی ایک اصل قرار دیتے ہیں اور اس بارہ میں قرآن واحادیث کی نصوص سے جن کا مفہوم یہ ہے کہ جماعت سے نکلنا حرام ہے دلیل لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے مراد بجز اس کے کچھ نہیں کہ حلت وحرمت میں جماعت کی مخالفت کی جائے چنانچہ امام شافعیؒ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے دلیل لائے ہیں۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبیّن له الهدی ویتبع غیر	اور جو شخص رسول کی مخالفت کریگا بعد اس کے کہ اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں

Marfat.com

سبیل المومنین نولہ ما تولی کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ ہولیا تو ہم اسکو جہنم ونصلہ جھنم وساءت مصیرا۔ میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔
چنانچہ فرماتے ہیں کہ مومنین کے راستے کے سوا راستہ کا تتبع ہی اجماع کی مخالفت ہے۔
لیکن جب اپنے مخالفین کے ساتھ مناظرہ کیا تو اس اجماع کا انکار کر گئے جس اجماع کے ان کے مخالفین مدعی تھے اور اس سے انکار کر گئے کہ بجز اس فرض کے جس سے کوئی شخص لا علم نہیں رہ سکتا جیسے نمازیں اور زکوٰۃ اور حرام کی حرمت اور کسی میں یہ اجماع نہیں ہے لیکن خاص علم جس کا نہ جاننا عوام کو نقصان نہیں پہنچاتا تو ہم اس کے بارہ میں دو قول میں سے ایک قول کہتے ہیں جس بارہ میں ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے اختلاف کیا ہم یہ کہدیں گے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ انھوں نے کن باتوں میں اختلاف کیا ہے اور جن باتوں میں اختلاف کیا ہے اس بارہ میں ہم کہیں گے کہ انھوں نے اختلاف کیا اور اجتہاد کیا تو ان کے جو اقوال قرآن مجید یا احادیث سے زیادہ مشابہ تھے وہ ہم نے لے لیا اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کی بھی دلیل نہ ملے حالانکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ دلیل نہ ملے یا وہ قول لیں گے جو ابتداء تصرف وانجام کے لحاظ سے اہل علم کے نزدیک مستحسن ہو اور ان کے اختلاف پر یہ کہنا بھی صحیح ہوگا جیسا کہ میں نے بیان کر دیا کہ ہم یہ کہیں کہ یہ قول چند لوگوں سے مروی ہے جنھوں نے آپس میں اختلاف کیا تو ہم نے دو کو چھوڑ کر تین کا قول اختیار کیا یا تین کا چھوڑ کر چار کا اختیار کر لیا اگرچہ ہم اس کو اجماع نہیں کہیں گے۔ کیونکہ اجماع اس شخص پر حکم ہوگا جو ان لوگوں کی طرف سے نہ کہے جن کو ہم نہیں جانتے کہ اگر وہ کہتا تو کیا کہتا اور یہ اجماع کی روایت کا ادعا ہے اور کبھی اس بات میں مخالف بھی پایا جاتا ہے جس میں اجماع کا دعوی کیا ہو۔
اور کسی مناظرہ کرنے والے نے ایک سوال کیا جس کا تعلق مجتہدین کی شخصیت سے متعلق ہے تو اس کو فرمایا تو آپ نے اس سے سوال فرمایا کہ "وہ اہل علم کون ہیں کہ جب وہ کسی بات پر اتفاق کر لیں تو ان کا اتفاق حجت ہے" تو اس نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کسی شہر والے فقیہ بنالیں اور اس کے قول پر راضی ہو جائیں اور اس کے حکم کو قبول کر لیں" اس پر آپ نے بڑا طویل مناظرہ کیا پھر فرمایا۔
"میں کہتا ہوں کہ میں اہل کلام کے سب فرقوں کو اکثر شہروں میں پھیلا ہوا پاتا ہوں کہ انھوں نے آپس میں ایسا ہی ایک شخص مقرر کر لیا ہے جیسا کہ تمہارا مقصود ہے اور تم بھی ایسے شخص کو اس مقام پر رکھ رہے ہو جو تم نے بیان کیا کیا وہ بھی ان ہی فقہاء میں داخل ہیں جن کے اتفاق کے بغیر فقہاء کا

Marfat.com

کلام قبول نہیں کیا جا سکتا یا یہ ان میں سے خارج ہوں گے“۔

پھر آپ نے اس سے دوسرا سوال کیا جو اجماع کے نقل سے متعلق تھا چنانچہ فرمایا۔

”تم اپنے قول پر غور کرو کہ حجت اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک کہ تمام شہروں کے فقہاء اس پر متفق نہ ہو جائیں تو کیا تم ان سب کے اتفاق کی صورت نکال سکتے ہو اور حجت اس وقت تک کسی ایک پر قائم نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان سب سے نہ مل لو یا عام طور پر لوگ ان لوگوں میں ہر ایک سے روایت نہ کریں“۔

تو اس نے جواب دیا کہ یہ ممکن نہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم نے خاص خاص لوگوں کے نقل کرنے کو قبول کر لیا تو تم نے وہی بات قبول کر لی جس پر تم نے عیب لگایا اور اگر تم نے تمام نقل کے بغیر ہر فقیہ کے قول کو قبول نہیں کیا تو ہم تمہارے اس قول کی اصل نہ پائیں گے کہ جس پر تمام شہروں والے متفق ہو جائیں جبکہ ہم خواص کے نقل کرنے کو قبول نہ کریں کیونکہ ابتداءً اس کا کوئی طریقہ نہیں کیونکہ وہ تمہارے لئے کسی جگہ جمع نہ ہوں گے اور عام لوگوں کا عام لوگوں سے ان سے نقل کرنے کی خبر تم نہیں پا سکتے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ کے پاس اتباع کے وجود سے انکار کی معقول وجہ موجود ہے کیونکہ یہ اس پر موقوف ہے کہ ہر زمانہ کے مجتہدین کی شخصیت کا علم ہو اور عوام عام طور پر اس کا اعتراف کریں اور اس مسئلہ میں جس کے متعلق فتویٰ لیا جا رہا ہے ہر ایک شخص کا قول منقول ہو اور ان سے یہ قول ایک ایسی جماعت نقل کرے جو جھوٹ اور غلطی سے پاک ہو اور یہ بجز ان امور کے جو علم عام کہلاتے ہیں اور امور میں ممکن نہیں جیسے اس بات کا علم کہ فرض نمازیں پانچ ہیں اور یہ کہ صبح کی نماز دو رکعت ہے اور اسی طرح کے اور امور۔ لیکن جس کو علم خاص کہا جاتا ہے تو بہت کم ایسا دیکھا گیا ہے کہ تم کوئی مسئلہ ایسا پاؤ جس کے متعلق آسانی سے کہہ سکو کہ ایک زمانہ کے مجتہدین نے اس کے جواب میں اتفاق کر لیا ہے اور اسی لئے حضرت امام احمدؒ سے منقول ہے کہ جس نے اجماع کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا ہے اور باوجودیکہ حضرت شافعیؒ حقیقت اجماع کا انکار کرتے ہیں پھر بھی وہ دین کی ایک حجت اس کو قرار دیتے ہیں کہ سلف سے حکم کو نقل کیا جائے اور ان کو اس میں کسی اختلاف کا علم نہ ہو گویا ان کے نزدیک اختلاف حجت کی تعبیر میں ہے نہ کہ نفس حجت میں۔

اور احناف اکثر اجماع سکوتی کا ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص جواب دے اور سب خاموش رہیں لیکن جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں وہ اس کو تائید حدیث کا ایک طریقہ سمجھتے ہیں جیسا کہ اس سے

Marfat.com

پہلے سنت کی فصل میں بیان کیا جا چکا ہے گو یا وہ اعتراض چھوڑ دینے کی وجہ سے صحت حدیث پر موافقت کر رہے ہیں تو یہ ان کے عام لوگوں کی متفقہ خبر ہوئی کیونکہ اگر ان کے نزدیک کوئی حدیث ایسی موجود ہوتی جو اس کے مخالف ہوتی تو وہ رد کرنے میں تامل نہ کرتے۔

اور امام مالکؒ اکثر یہ فرماتے ہیں کہ "یہی مسئلہ ہمارے پاس متفق علیہ ہے" اور وہ بھی اس کو ایک طریقہ تائید حدیث کا سمجھتے ہیں جیسا کہ ہم نے بیشتر بیان کر دیا اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں قرآن مجید اور احادیث سے کوئی حکم نہ ملے اور اس کے متعلق سلف کا کوئی فتویٰ مل جائے اور ان میں کسی سے اس فتویٰ کے بارہ میں اختلاف معلوم نہ ہو تو جمہور فقہاء اس کو دین میں حجت قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کا یہ اجتماع کسی رائے کی بناء پر نہیں ہوتا ہے کیونکہ رائے میں اختلاف ضروری ہے اور یہ حقیقت میں سنت پر عمل کرنے کی طرف راجع ہے۔ اور اختلاف کا نہ ہونا کسی سنت کے وجود کی دلیل ہے جس پر فتویٰ کا دارومدار ہے چنانچہ ایسا مسئلہ جس میں علماء نے اجتہاد کیا ہو اس میں انصاف بہت ہی کم پایا جاتا ہے۔

(چہارم) نزاع اس عظیم مسئلہ میں جس پر تکلیف احکام شرعیہ کا دارومدار ہے۔

احکام شرعیہ کی تکلیف کا دارومدار صرف دو حکموں پر ہے۔ کرو، اور نہ کرو اور انہی دونوں میں سے پہلے کو امر دوسرے کو نہی کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں امر بھی ہے نہی بھی اور احادیث میں بھی امر و نہی ہے تو جس بات پر دونوں کا امر یا دونوں سے منع ثابت ہو تو کیا؟ دونوں حکم کے لازمی ہونے میں فرض اور منع میں حرام ہیں یا دونوں کے احکام میں کچھ مراتب ہیں حتیٰ کہ ان کے موکد ہونے کی دوسری دلیل کی ضرورت ہوگی اور اگر یہ کہا جائے کہ دونوں کا امر اور دونوں کی نہی لازمی ہے تو اگر مامور بہ عبادت اور معاملات میں دوسرے امر سے مربوط ہو تو کیا اس کا چھوڑ دینا مخل ہوگا؟ جس سے وہ مربوط ہے اور اس خلل کی مقدار کیا ہوگی؟ اور اسی طرح جس سے منع کیا جائے وہ بھی کسی چیز سے مربوط ہو تو کیا اس کا فعل کسی چیز میں موثر ہوگا؟ اور اس تاثیر کی مقدار کیا ہوگی؟ اس مسئلہ میں ہم چند مثالیں دیتے ہیں جن سے مقصود کی وضاحت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یا ایہا الذین امنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلاث مرات	اے ایمان والو غلام اور اُن لوگوں کو تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہونچے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیئے۔

Marfat.com

تو یہ اجازت لینے کا امر کسی دوسری شئے سے مربوط نہیں ہے، اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلاۃ فاغسلوا وجوھکم۔ اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ۔

تو یہ امر وضو کا عبادت سے یعنی نماز سے مربوط ہے اور فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا

یا ایہا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ۔ اے ایمان والو جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا ایک میعاد معین تک (کے لئے) تو اسکو لکھ لیا کرو۔

تو یہ لکھنے کا امر بھی ایک مقصد یعنی قرض کے تحفظ کا ذریعہ ہے۔ اور ارشاد فرمایا

یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن۔ اے پیغمبر (آپ لوگوں سے کہدیجئے کہ) جب تم لوگ (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو (زمانۂ) عدت (یعنی حیض) سے پہلے (یعنی طہر میں) طلاق دو۔

تو اس امر میں بھی طلاق میں ابتدائی عدت کے خیال رکھنے کا جو حکم ہے وہ بھی ایک مقصد یعنی طلاق ذریعہ ہے تاکہ وہ مطلقہ کے لئے ضرر کا سبب نہ ہو۔

تو کیا یہ کہا جائے گا کہ ہر وہ چیز جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے حتمی ہے اور یہ اگر کسی دوسری چیز سے مربوط ہو تب بھی حتمی ہوگا اور اگر وہ چھوڑ دی جائے جس میں وہ مربوط ہے تو نماز بغیر وضو کے باطل ہوگی اور بغیر کتابت کے قرض باطل ہوگا اور اس کا دعویٰ قابل قبول نہ ہوگا اور اگر عورت حایضہ ہو تو طلاق باطل ہوگی ــــ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق۔ اور جس جان (کے قتل) کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو بغیر حق کے قتل مت کرو۔

تو قتل جس سے منع کیا گیا ہے وہ کسی دوسری چیز سے مربوط نہیں ہے ــــ اور ارشاد فرمایا۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تقربوا الصلاۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو۔

تو قرار دیا کہ مست کا نماز پڑھنا نماز کے ساتھ مربوط ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مناجات کا صحیح موقع حاصل کر سکے اور فرمایا۔

یا ایہا الذین آمنوا اذا نودی اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ)

Marfat.com

للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع۔ کے لئے اذان بھی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز و خطبہ) کی طرف فوراً چل پڑا کرو اور خرید فروخت (اور دوسرے مشاغل جو ہیں چھوڑ دیا کرو۔

تو بیع جس سے منع کیا گیا ہے وہ نماز کی حفاظت کے لئے ہے اور فرمایا۔

وان اردتم استبدال زوج مکان زوج وآتیتم احدٰھن قنطاراً فلا تاخذوا منہ شیئاً۔ اور اگر تم بجائے ایک بی بی کے دوسری بی بی کرنا چاہو اور تم اس ایک کو انبار کا انبار مال دے چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ بھی مت لو۔

تو لینا جس سے منع کیا گیا ہے وہ مربوط ہے طلاق سے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ ہر وہ چیز جس سے منع کیا گیا ہے حتمی ہے اور یہ کہ جب وہ کسی چیز سے مربوط ہو تو وہ بھی حرام ہوئی اور اس حرمت سے متاثر ہوئی اور اس تاثیر کی مقدار کیا ہے؟ اس کا بالکل باطل ہو جانا یا فقط اس کا نقصان مثلاً کہا جائے گا کہ اذان کی آواز سننے کے بعد بیع اور طلاق کے بعد مال کا لینا درست شخص کی نماز حرام ہے تو ان صورتوں میں اُس کے اثر کی کیا مقدار ہو گی۔ اسی طرح احادیث میں بھی اوامر و نواہی موجود ہیں تو کیا تمام وہ باتیں جن کا حکم دیا گیا اور جن سے منع کیا گیا حتمی ہیں اور جن چیزوں پر یہ مربوط ہے اُن کے مخالفت کے اثر کی مقدار کیا ہے۔

یہ مسئلہ باوجودیکہ اہم ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا وہ شریعت کی بنیاد ہے اس دور کے فقہاء نے اس پر اتفاق نہیں کیا بلکہ اس کی تفصیل اور اجمال میں بہت سے اختلاف کئے ہیں۔

چنانچہ امام شافعیؒ نے کتاب الام کے پانچویں جزص ۱۲۷ میں لکھا ہے کہ قرآن مجید و احادیث اور عوام کے کلام میں امر کے کئی معانی کا احتمال ہے۔

(اول) یہ کہ اللہ عزوجل نے اولاً پہلے کسی چیز کو حرام کیا ہے پھر اس کو جائز قرار دیا تو گویا یہاں پر امر کے معنے احرام کو حلال کرنا ہے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

واذا حللتم فاصطادوا۔ اور جس وقت تم احرام سے باہر آجاؤ تو شکار کیا کرو۔

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ۔ پھر جب نماز (جمعہ) پوری ہو چکے تو (اس وقت تم کو اجازت ہے کہ) تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو۔

Marfat.com

اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے احرام کی حالت میں شکار کو حرام کیا اور اذان کے وقت بیع کو حرام کیا پھر ان کو حرام اوقات کے علاوہ حلال کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وآتوا النساء صدقاتھن نحلۃ فان طبن لکم عن شئی منہ نفسا فکلوہ ھنیئًا مریئًا۔ | اور تم لوگ بیبیوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو ہاں اگر وہ بیبیاں خوش دلی سے چھوڑ دیں تم کو اس مہر میں کا کوئی جز تو تم اسکو کھاؤ مزہ دار خوشگوار سمجھ کر۔

اور جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا۔ | پس جب قربانیاں (کسی) کروٹ کے بل گر پڑیں (اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو تم خود بھی کھاؤ۔

اور اللہ عزوجل کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس کی بہت مثالیں ہیں مگر احرام سے فارغ ہونے کے بعد شکار کرنا اور نماز جمعہ کے بعد تجارت کے لئے علیحدہ ہونا اور اگر عورت بخوشی مہر چھوڑ دے تو اس سے فائدہ اٹھانا اور ذبح ہونے کے بعد قربانی کا گوشت کھانا واجب اور فرض نہیں ہے اس کا احتمال ہے کہ ان کو بتایا ہو کہ نکاح میں کیا بھلائی ہے اسی کی طرف متوجہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم۔ | اور تم میں (یعنی احرار میں) جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو۔

اس لئے کہ اللہ عزوجل نے اس کی یہ مصلحت بتائی۔

ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ۔ | اگر وہ لوگ مفلس ہونگے تو خدا تعالیٰ (اگر چاہے گا) ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

جو اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح غناء اور عفت کا ایک سبب ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ۔

سافروا تصحوا وترزقوا۔ | سفر کرو تو صحت پاؤ گے اور رزق ملے گا۔

کہ یہ ایک دلالت ہے نہ یہ کہ طلب صحت و رزق کے لئے سفر کرنا فرض ہو۔

اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ نکاح کا حکم لزوم کا ہو کیونکہ جو بات اللہ کی طرف سے فرض بتائی جائے اس میں فائدہ بھی ہے اس لئے فرض اور بھلائی جمع ہو جائیں گے

Marfat.com

اور بعض علماء نے کہا کہ جملہ احکام اباحت پر ہیں اور رشد پر دلالت حتمی ہے دلالت کتاب یا سنت یا اجماع سے اس بات پر ہوگی کہ حکم سے لزوم مراد ہوگا تو وہ فرض ہوگا جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد کہ۔

واقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکاۃ۔ تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

تو یہ دلیل ہے کہ یہ دونوں حتمی ہیں اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ

خذ من اموالهم صدقة۔ آپ انکے مالوں میں سے صدقہ (جسکو یہ لاتے ہیں) لے لیجئے۔

اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ

واتموا الحج والعمرة لله۔ حج و عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے واسطے پورا پورا ادا کرو۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ

ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا۔ اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے یعنے اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک پہونچنے کی۔

اللہ تعالیٰ نے اس میں حج اور عمرہ کا ذکر ایک ساتھ کیا اور فرض میں حج کا علیحدہ ذکر کیا اسی لئے اکثر اہل علم نے عمرہ کو لزوم میں نہیں گنا اگرچہ ہم یہ نہیں چاہتے کوئی مسلمان اس کو چھوڑے۔ اور اس قسم کی مثالیں قرآن میں بہت ہیں۔

اور جس سے اللہ تعالیٰ منع فرمادے تو وہ بالکل حرام ہے جب تک ایسی دلیل نہ مل جائے جس سے یہ ثابت ہو کہ اس سے ممانعت حرمت کے لئے نہیں ہے بلکہ ارشد یا تنزیہ اس کا ادب ملحوظ ہے اس وقت تک حرام سمجھی جائے گی اور جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے وہ بھی اسی طرح ہے۔

اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ امر فرض ہے اس وقت تک وہ غیر فرض رہے گا اس سے اُن کا مقصد یہ ہے کہ امر و نہی کے درمیان جو فرق ہم نے بیان کیا ہے اس پر وہ دلالت ہو اور جو کچھ ہم نے ابتدار کتاب میں قرآن اور سنت سے بیان کیا اور اسی کے مشابہ امور سے اسی لئے ہم نے خاموشی اختیار کی کہ جن امور کو ہم نے بیان نہیں کیا اُن سے وہ بہت زیادہ اور کافی ہے جن کو ہم نے ذکر کر دیا۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن عجلان سے انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

Marfat.com

کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

ذرونی ما ترکتکم فانہ انما ھلک من کان قبلکم بکثرۃ سؤالھم واختلافھم علی انبیائھم فما امرتکم بہ من امر فأتوا منہ ما استطعتم وما نھیتکم عنہ فانتھوا۔

میں جس چیز کا بیان کرنا تم سے چھوڑ دوں تم بھی چھوڑ دو کیونکہ تمہارے پہلے کے لوگ ان کے کثرت سوال سے اپنے انبیاء سے اختلاف کی وجہ ہلاک ہو گئے لہٰذا میں تم کو جس بات کا حکم دوں اس کو بجالاؤ جتنا تم کر سکو اور جس سے میں تم کو منع کر دوں اس سے بچو۔

اور کبھی امر کے متعلق احتمال ہوتا ہے کہ امر نہی کے معنے میں ہو تو وہ دونوں لازمی ہوں گے الا انیکہ اس کی دلالت مل جائے کہ وہ دونوں غیر لازمی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ فاتوا منہ ما استطعتم علیکم[1] کہ اس کو بجالاؤ جس کی تم کو استطاعت ہو دراصل حکم کا بجالانا ہے ان امور میں جس کی استطاعت ہو کیونکہ لوگ اسی کے مکلف ہیں جس کی ان کو استطاعت ہو اور فعل میں شئے کی استطاعت ہی حقیقی چیز ہے کیونکہ وہ تکلیف سے کیا جاتا ہے۔ لیکن نہی سے مراد یہ ہے کہ ہر اس چیز کو چھوڑ دے جس کے چھوڑنے کی استطاعت ہو کیونکہ وہ کوئی نئی چیز کی تکلیف نہیں دیتا ہے بلکہ وہ ایسی چیز ہے جس سے باز رہنا پڑتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اور اہل علم پر لازم ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت اور سنت کی معرفت کے وقت دلائل کی تلاش کریں تاکہ وہ حتمی اور مباح اور ارشاد (جو امر و نہی میں حتمی نہ ہو) میں فرق کر سکیں

اور امام شافعیؒ رسالہ میں فرماتے ہیں کہ نہی کبھی کسی معنی میں ہوتی ہے اور کبھی کسی معنی میں اور یہ استدلال کے ایک طریقہ سے معلوم ہوتا ہے۔

اور اس کی کچھ مثالیں بھی دی ہیں جس میں سے ہم بعض بیان کرتے ہیں تاکہ وہ بقیہ مثالوں پر دلالت کر سکیں۔

حضرات ابی ہریرہ و ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے پھر فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت نہ ملتا کہ آپ کا اس بات سے منع کرنا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی

---

[1] ایک نسخہ میں فلیہم ہے یعنے ان پر

Marfat.com

منگنی پر منگنی نہ کرے ایک معنی میں ہے اور ایک معنی میں نہیں تو یہ ظاہر ہے کہ یہ بات حرام ہو جاتی کہ اپنے بھائی کی منگنی پر آدمی منگنی کی ابتدا، منگنی کے ختم تک نہ کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ یہ آپ کی طرف سے جواب ہو جس سے آپ نے حدیث میں کوئی ایک معنی مراد لئے ہوں اور جس شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہو اس نے وہ سبب نہ سنا ہو جس کی بنا، پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہو اس لئے اس نے کچھ حصہ بیان کر دیا ہو اور کچھ چھوڑ دیا ہو یا اس نے بعض حصوں میں شک کیا اور جس میں شک کیا اس کے بیان کرنے سے خاموشی اختیار کر لی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص کے بارہ میں پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے منگنی کی اور وہ اس سے راضی ہو گئی اور اس سے نکاح کرنے کی اجازت بھی دیدی پھر ایک اور شخص نے اس عورت سے منگنی کی عورت کے نزدیک دوسرا شخص پہلے شخص سے زیادہ بہتر تھا تو اس نے پہلے کو چھوڑ دیا جس سے نکاح کرانے کی اجازت دی تھی تو آپ نے عورت کی دوسری منگنی کرنے سے منع فرمادیا کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ اس عورت نے پہلے جس کو اجازت تھی اس سے پھر کر دوسرے کو اجازت دیدے لیکن اگر دوسرا شخص اس سے نکاح نہ کرے تو اس میں اس عورت کے حق پر بھی خرابی ہو گی اور اس شخص پر بھی جس سے نکاح کرانے کی اس نے اجازت دیدی تھی۔

پھر حضرت فاطمہ بنت قیس رضؓ کی حدیث بیان کی کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم رضی اللہ عنہما نے دونوں نے ان سے نکاح کا پیغام دیا ہے تو آپ نے فاطمہ رضؓ سے فرمایا کہ ابوجہم تو ہر وقت سفر میں رہتے ہیں اور معاویہ مفلس ہے جن کے پاس کچھ مال نہیں اس لئے تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو اس حدیث سے دو باتوں کی دلیل ملتی ہے ایک تو یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ ان دونوں نے جو منگنی کی ہے تو ایک کی منگنی دوسرے کی منگنی کے بعد ہی ہوئی ہے لیکن آپ نے نہ دونوں کو منع کیا اور نہ ان دونوں سے کچھ فرمایا کہ ان دونوں میں سے ایک کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ تجھکو پیغام دیتا جب تک کہ ایک اپنی منگنی نہ چھوڑ دے اور پھر ان دونوں کی منگنیوں پر آپ نے اسامہ رضؓ بن زید کے لئے پیغام دیا اس سے ہم کو یہ دلیل ملتی ہے کہ وہ ان سے نکاح کے لئے راضی نہ تھیں اور اگر وہ ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کے لئے راضی ہوتیں تو آپ ان کو حکم دیدیتے کہ جس سے وہ راضی ہیں ان سے نکاح کر لیں اور یہ کہ فاطمہ رضؓ نے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ کس کس نے ان کی منگنی کی ہے تو یہ

Marfat.com

اس بات کی خبر تھی کہ انھوں نے کسی کو اجازت نہیں دی اور ممکن ہے کہ وہ حضور سے اس بارہ میں مشورہ کر رہی ہوں اور یہ ان کے لئے جائز نہ تھا کہ آپ سے مشورہ کرتیں جبکہ وہ ان میں سے کسی ایک کو اجازت دے چکی ہوں پس جب آپ نے ان کو اسامہ کے لئے منگنی کی تو ہم اس سے دلیل کرتے ہیں کہ ان کی جس حالت میں آپ نے منگنی کی وہ اُس سے مختلف تھی جس حالت میں آپ نے اُس کی منگنی کرنے سے منع کیا تھا اور ایسی حالت جس میں ایک شخص کی منگنی درست اور دوسرے شخص کی حرام ہو اُس کی صرف ایک صورت ہے کہ اُس نے ولی کو نکاح کی اجازت دیدی ہو تو شوہر کا یہ حق ہو جاتا کہ اگر ولی نکاح کر دے تو اس نکاح کو قائم رکھے اور ولی اس عورت کو نکاح پر مجبور کرے اور وہ اس کے لئے جائز ہو گئی لیکن اس سے پہلے تو اس عورت کی حالت یکساں ہوتی اور ولی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اجازت سے پہلے اس کا نکاح کرے اور اس وقت تک اس کا میلان اور عدم میلان دونوں برابر ہیں امام شافعیؒ نے اس مقدمہ کا جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہوا حدیث میں جو ممانعت ہے وہ اُس منگنی کی ہے جو عورت نے ولی کو نکاح کی اجازت دینے کے بعد کی ہو تاکہ ولی کا معاملہ جائز ہو جائے لیکن جب تک ولی کا معاملہ جائز نہ ہو تو عورت کے دونوں حال برابر ہیں۔

بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ حدیث میں ممانعت سے مراد یہ ہے کہ جب عورت کا اپنی منگنی والے کی طرف میلان ہو تو دوسرے شخص کو منگنی کرنے کا حق نہیں امام شافعیؒ نے جو یہ قید لگائی کہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ نکاح کی اجازت دیدی ہو اور یہ مالک بن انس اور ابی حنیفہ رحمہم اللہ کی رائے ہے امام مالکؒ نے موطا میں حدیث کی روایت کے بعد بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا مطلب ہماری رائے میں یہ ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے کہ کوئی مرد کسی عورت سے پیغام نکاح دے اور عورت اس کو پسند کرلے اور دونوں معینہ مہر پر متفق اور راضی ہو جائیں اور عورت مرد کو اپنے لئے پابند بنالے تو اس صورت میں یہ ممانعت ہے کہ اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ جب مرد کسی عورت سے منگنی کرے اور عورت نے اس کی موافقت نہ کی نہ اس کی طرف مائل ہوئی تو ایسی صورت میں بھی دوسرا شخص نکاح کا پیغام نہیں دے سکتا کیونکہ یہ لوگوں کے فساد کا دروازہ کھولتا ہے۔

دونوں امام مطلق حدیث کو مقید کرنے پر متفق ہیں اگرچہ دونوں کا طریقہ میں اختلاف ہے، اسلئے

Marfat.com

کہ اس کا فساد کا دروازہ ہے جو لوگوں پر کھلے گا اور شافعیؒ کی قید حدیث حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث سے استدلال کی بناء پر ہے۔

اور بعض فقہاء نے ممانعت کو مطلق رکھا ہے اور کہا ہے کہ کسی کو جائز نہیں کہ وہ کسی عورت سے منگنی کرے جبکہ دوسرے نے پیغام منگنی دیا ہو حتیٰ کہ منگنی کرنے والا اس کو چھوڑ دے لیکن اگر کسی نے اس حدیث کے مخالف نکاح کرلیا تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا تو یہ قول ہے کہ عقد ہوجائے گا کیونکہ ممانعت تحریمی نہیں ہے بلکہ کراہت کے لئے ہے اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ عقد فسخ ہوجائیگا اور مالکؒ سے یہ دونوں قول بھی مروی ہیں اور ایک تیسرا قول بھی اور وہ یہ کہ زفاف سے قبل نکاح فسخ ہوجائے گا لیکن زفاف کے بعد عقد قائم رہیگا۔

اور جیسا ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اختلافات کی بنیاد خود نہی میں اختلاف کے سبب ہے۔ دوسری مثال اس کی کہ وجوب سے مراد فرض ہونا نہیں ہے یہ ہے کہ حضرت ابی سعید خدریؓ سے حدیث کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے" اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ تم میں سے جو شخص جمعہ کے دن آئے تو وہ غسل کرلے تو فرمایا کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روز جمعہ کے غسل کے بارہ میں یہ ہے کہ واجب ہے اور آپ کا حکم غسل کا دو معنی کا احتمال رکھتا ہے ان دونوں میں سے ظاہر اُتو یہ ہے کہ واجب ہے گویا نماز جمعہ کے لئے غسل کے سوا کوئی طہارت کافی نہیں جیسے کہ ناپاک کی طہارت کے لئے بجز غسل کے کوئی صورت نہیں اور اس کا بھی احتمال ہے کہ وہ اختیار اور پاکیزگی اور درستی اخلاق کے لحاظ سے واجب ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ بن عفان جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوئے اس وقت عمرؓ بن الخطاب خطبہ دے رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یہ کونسی گھڑی ہے تو عرض کیا یا امیرالمومنین میں بازار سے پلٹ رہا تھا تو اذان کی آواز سنی اس لئے میں صرف وضو ہی کرسکا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ صرف وضو ہی حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے' امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات یاد رکھتے ہیں کہ آپ جمعہ کے دن غسل کا حکم دیا کرتے تھے اور یہ بھی جان لیا کہ حضرت عثمانؓ کو بھی یہ بات معلوم تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے پھر حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم غسل کا یاد دلایا اور حضرت عثمانؓ کو اس کا علم ہوگیا تو جس شخص کو یہ

Marfat.com

وہم ہو کہ حضرت عثمانؓ بھول گئے تو حضرت عمرؓ نے تو ان کو نماز کے قبل یاد دلادیا لیکن جب حضرت عثمانؓ نے غسل کے چھوٹنے کی وجہ سے نماز کو نہیں چھوڑا اور حضرت عمرؓ نے غسل کے لئے نکلنے کا حکم نہ دیا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ دونوں اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم غسل کے لئے اختیاری تھا نہ اس بات پر کہ اس کے سوا کوئی چیز کافی نہیں ہو سکتی کیونکہ نہ حضرت عمر اپنا حکم غسل کے لئے چھوڑنے والے تھے اور نہ عثمان جب کہ ہم کو معلوم ہو گیا کہ وہ غسل کو چھوڑنا یاد دلا رہے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم غسل کے لئے یاد دلا رہے ہیں اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ حکم اختیاری تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہاں پر فقہار کے درمیان جو اختلاف تھا وہ امر و نواہی سے استنباط احکام کے طریقہ میں تھا کہ کبھی وہ فرض و تحریم پر باقی رکھتے تھے اور کبھی وہ اس کو مستحب و کراہت کی طرف لے جاتے تھے اور کبھی صرف ارشاد کی طرف کچھ قراین سے یا استدلال سے یا رائے سے کرتے تھے ہم یہاں چند مثالیں جو استنباط میں فقہار کی باریک بینی ظاہر کرتی ہیں درج کرتے ہیں۔

شارع نے معاملات کو اسباب قرار دیا ہے ان کے مسببات کا جیسا کہ بیع کو سبب بنایا کہ بیچنے والے کو فروخت شدہ چیز کی قیمت مل جائے اور خریدنے والے کو چیز کی ملکیت مل جائے اور رہن کو سبب بنایا مرتہن کے حق کو ثابت کرنے کا مرہونہ شئ پر تاکہ وہ مقدم ہو جملہ قرض خواہوں پر اسی طرح اور بھی معاملات ہیں جن کو جائز قرار دیا اور اس کو اسباب بنایا ہے اور بعض اوقات شارع سے ان معاملات کی ممانعت صادر ہوتی ہے جبکہ کوئی صفت اس سے متصل ہو جائے جیسے کہ سود میں کہ کسی چیز کی قیمت کو غیر معینہ مدت تک موخر کرنے میں تو کیا یہ معاملات مسببات کا سبب نہیں بن سکتے اور وہ باطل ہو جاتے ہیں کہ اُن کے ذریعہ نہ تو ملکیت منتقل ہوتی اور نہ کوئی حق ثابت ہوتا بعض فقہار کی یہی رائے ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب نے اس میں بہت باریک بینی سے غور کیا ہے اُن کی رائے ہے کہ عقد بیع مثلاً اس کو شارع نے مسبب کے لئے وضع کیا ہے اور وہ ملکیت کا منتقل ہونا ہے اور مکروہ صفت کے کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس قسم کی بیع حرام ہے مگر دونوں سببوں میں کوئی تناقض نہیں ہے تو ان میں سے ہر ایک کا اثر ساتھ ساتھ ظاہر ہو سکتا ہے اور اس نظریہ سے ایک ایسی بیع کا علم ہوتا ہے جس سے ایک ہی وقت میں انتقال ملکیت بھی ہو جاتا ہے اور حرام بھی ہو جاتی ہے مگر انھوں نے ملکیت کے فائدہ مند ہونے کے لئے قبضہ کے حصول کی شرط لگائی ہے اور

Marfat.com

اس شکل میں بیع کا نام "فاسد" رکھا ہے اور کہا کہ خرید و فروخت کرنے والے دونوں فریق پر یہ لازم ہے کہ نہی کے اثر کو زائل کرنے کے لئے بیع کو لوٹا دیں اور اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا اور خریدنے والے نے خریدی ہوئی چیز میں تصرف کرلیا تو دراصل وہ اپنی اس ملک میں متصرف ہے جس کو اس نے بیع سے حاصل کیا ہے اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ ہم نے صرف اپنی رائے سے یہ مسلک نہیں اختیار کیا ہے بلکہ ہم نے خود شارع کو طلاق کے معاملہ میں اسی طریقہ کو اختیار کئے ہوئے پایا ہے کیونکہ طلاق ان تصرفات شرعیہ میں سے ہے جس سے عقد زوجیت ٹوٹ جاتا ہے اور شارع نے حکم دیا ہے کہ طلاق اس طہر میں ہونا چاہیئے جس میں شوہر نے عورت سے صحبت نہ کی ہو اس وجہ سے حایضہ عورت کی طلاق ممنوع ہے لیکن اس کے باوجود حضرت ابن عمرؓ نے جب ایسا کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی بیوی سے رجعت کا حکم دیا اور اس طلاق کا اعتبار کیا جو بیوی کے حایضہ ہونے کی حالت میں دی گئی تھی اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ تصرف شرعی سے ممانعت کسی مکروہ صفت کے ساتھ ہونے کی بناء پر اس کی سببیت کو ختم نہیں کرتی ہے اور یہ ان لوگوں کے رد کے لئے بہت وقیع ہے جو ممنوع طلاق کا اعتبار کرتے ہیں لیکن ممنوع بیع کا اعتبار نہیں کرتے کیونکہ دونوں واقعہ نظریہ کے اعتبار سے برابر ہیں لیکن اہل ظاہر کی مخالفت میں اس سے کام نہیں چلتا کیونکہ جملہ تصرفات شرعیہ میں جبکہ اس سے منع کیا جائے تو قول کو رد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں اور اسی لئے حایضہ کی طلاق کا اعتبار نہیں کرتے کہ وہ ممنوع ہے اور اس کی صحت پر اعتراض کرتے ہیں جو پہلے فریق یہ ثابت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طلاق کے اعتبار کرنے کا حکم دیا جو ابن عمرؓ نے دی تھی۔

اس کی ایک مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدت والے قرض کی دستاویز لکھنے کا حکم دیا ہے اور اس کی نہایت تاکید کی ہے جیسا کہ آیت دین کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر فقہاؑ کی رائے ہے کہ قرض کا لکھنا واجب نہیں اور وہ ایک ہدایتی حکم ہے تو جس نے اس پر عمل کرلیا اس نے اپنے نفس کی احتیاط کرلی اور جس نے نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اپنے نفس کے لئے احتیاط کو چھوڑ دیا اور اُن کی یہ رائے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ماخوذ ہے جو ختم آیت پر ہے۔

فان امن بعضکم بعضا فلیؤد الذی اؤتمن امانتہ۔	اگر ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو تو جس شخص کا اعتبار کرلیا گیا ہے اس کو چاہیئے کہ دوسرے کا پورا حق ادا کردے۔

Marfat.com

اور اہل ظاہر نے اس میں اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ قرض کی کتابت فرض ہے مثل اور واجبات کے جس کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے جس نے نہیں لکھا وہ گناہگار ہے اور غالباً وہ اس کو اس وقت مقید کرتے ہیں جبکہ قرضخواہ قرضدار کو حکم نہ دے جیسا کہ آخری آیت سے ظاہر ہے۔

اور امر و نہی کے مسئلہ میں بحث اور اس پر جو خلاف مرتب ہوتا ہے استنباط میں اس قدر طویل دامانی رکھتا ہے کہ جس کا استقصار ممکن نہیں جس قدر کہ ہم نے یہاں بیان کر دیا یہ جاننے کے لئے کافی ہے کہ وہ نزاع کا میدان ہے اور اختلاف کے اسباب میں سے ایک سبب ہے اور یہی ان لوگوں کے درمیان فرق کو ظاہر کر دیتا ہے جن میں ایک فقہ کی روح کا خیال رکھتا ہے اور دوسرا فریق صرف نصوص کی عبارت و حروف پر نظر رکھتا ہے۔

اصول فقہ کی تدوین

احکام کے اصول میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء نے اصول فقہ مدون فرمائے اور یہ وہ قواعد ہیں جن پر ہر مجتہد احکام کے استنباط میں ان کا اتباع کرتا ہے اور حضرات ابو یوسف و محمد بن حسن رحمہا اللہ کی تاریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے ان اصول کے بارہ میں کوئی کتاب لکھی تھی لیکن افسوس کہ ان کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ہم کو دستیاب نہ ہو سکی۔

لیکن جو کچھ ہم تک پہنچا اور جو اس علم کی صحیح بنیاد اور اس میں نظر کرنے والوں کے لئے دولت عظمی ہے تو وہ وہ رسالہ ہے جس کو محمد بن ادریس امام شافعیؒ مکی مصری نے لکھوایا ہے جس میں درج ذیل امور سے بحث کی گئی ہے۔

(۱) قرآن اور اس کے بیان سے (۲) حدیث اور قرآن سے اس کی نسبت کا جو مقام ہے (۳) ناسخ و منسوخ (۴) احادیث کی علتوں سے (۵) خبر واحد (۶) اجماع (۷) قیاس (۸) اجتہاد (۹) استحسان (۱۰) اختلاف۔

فصل اول میں قرآن پاک کی کیفیت اور اس کی مختلف اقسام بیان کی ہیں۔

(۱) جس کو اللہ نے اپنی مخلوق کے لئے حکم قطعی قرار دیا جیسے جملہ فرائض۔

(۲) جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں فرض قرار دیا اور اس کی کیفیت اپنے نبی کی زبان بیان کی ہو جیسے نماز کے رکعات کی تعداد۔

(۳) جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دیا جس میں اللہ تعالی کا کوئی

Marfat.com

حکم قطعی نہیں ہے۔

(۴) جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اس کے طلب میں اجتہاد فرض کیا اور اجتہاد سے ان کے طاعت کی آزمائش ہو جیسے اور فرائض میں اطاعت کی آزمائش کی اور ہر قسم کی متعدد مثالیں دیں جو سمجھنے کے لئے کافی ہوں۔

پھر بیان کیا کہ قرآن عربی میں ہے اس میں کوئی چیز زبان عرب کے سوا نہیں ہے اور ان لوگوں سے مناظرہ کیا جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن میں عربی اور عجمی دونوں زبانوں کے الفاظ ہیں اور ان کے اس بات کو ثابت کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل عرب قرآن کو اسی طرح سمجھیں گے جیسے کہ عرب اپنے کلام سے اس کے معانی سمجھتے ہیں اور عربوں کی بول چال کا طریقہ یہ ہے کبھی ایسا لفظ بولتے ہیں جن کا ظاہر بھی عموم ہوتا ہے اور اس سے مراد بھی عموم ہوتی ہے جیسے کہ قرآن مجید میں اس کی مثال یہ ہے

اللہ خالق کل شئی فاعبدوہ وھو علی کل شئی وکیل۔ — اللہ ہر چیز کا پیدا کرنیوالا تو تم لوگ اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔

اور کبھی اس کا بظاہر عموم ہوتا ہے مگر اس سے خاص مراد ہوتا ہے اور اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم۔ — یہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ لوگ تمہارے لئے جمع ہوئے ہیں۔

تو نہ تو تمام لوگوں نے کہا نہ تمام لوگ جمع ہوئے، اور کبھی کلام کا ظاہر کسی خاص معنی پر دلالت کرتا ہے اور سیاقِ کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد ظاہری معنی نہیں جیسے اللہ کا یہ ارشاد۔

واسأل القریۃ التی کنا فیھا والعیر التی اقبلنا فیھا۔ — اور اس بستی سے پوچھ لیجئے جہاں ہم موجود تھے اور اس قافلہ والوں سے پوچھ لیجئے جس میں ہم شامل ہو کر آئے ہیں۔

تو سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد گاؤں والے اور قافلہ والے ہیں اور کبھی قرآن کا ظاہر تو عام ہوتا ہے اور سنت اس کے خصوص پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ آیت میراث میں ہے کہ ظاہراً تو عام معلوم ہوتا ہے لیکن سنّت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بعض وارث

Marfat.com

اور بچے اور شوہر و بیوی مراد ہیں یعنی وہ والدین اور بچے اور میاں بیوی جن کا دین ایک ہو اور ان میں سے قاتل اور غلام وارث نہ ہوں گے۔

اس کے بعد یہ بیان فرمایا ہے کہ سنت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے اتباع کے لئے فرض کی گئی ہے اور یہی حکمت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے۔

ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ اور انکو (آسمانی) کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیا کریں۔

اور یہ ارشاد

واذکرن مایتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ۔ اور تم ان آیات الٰہیہ کو اور اس علم (احکام) کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔

اور انھوں نے سنت کی حجیت پر تفصیلی دلائل قائم کئے ہیں اور پھر فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اللہ عزوجل کی کتاب کے ساتھ دو طریقوں سے متعلق ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا اتباع اسی طرح کیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اور دوسری مجمل ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے تشریح بیان اور اس کی وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کس طرح فرض کیا ہے اور یہ کہ وہ خاص ہے یا عام ہے اور بتایا ہے کہ بندے ان پر کیسے عمل کریں لیکن ہر دو میں اپنے اللہ تعالیٰ کے کلام کا اتباع کیا ہے پھر فرمایا کہ حدیث کی ایک تیسری قسم وجہ بھی ہے یعنی وہ حدیثیں کہ جن کے متعلق قرآن مجید کا کوئی حکم صریح نہیں ہے اور اس میں اختلاف ہے بعض نے تو اس کو جائز قرار دیا ہے بعض نے کہا ہے کہ ان کی کوئی ایسی سنت نہیں ہے جس کی اصل قرآن مجید سے نہ ہو تو جو کچھ آپ نے حلال وحرام فرمایا وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم کی تفصیل ہے جیسے نماز اور بعضوں نے کہا ہے کہ آپ کے پاس اللہ کا پیغام آیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حدیثوں کو مسنون فرمایا اور بعضوں نے کہا کہ تمام حدیثیں بذریعہ الہام آپ کے دل میں ڈالی گئیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہو بہرحال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت فرض کر دی اس کے بعد ناسخ ومنسوخ کے بارے میں آپ نے کلام کیا پھر ظاہر کیا کہ قرآن میں کبھی نسخ ہوتا ہے اپنے مخلوق پر رحم اور توسع کے لئے اور ان پر جو نعمت کی ابتداً کی گئی تھی اس میں زیادتی کے لئے۔ اور ظاہر کیا کہ قرآن مجید صرف قرآن ہی سے منسوخ ہوتا ہے حدیث سے قرآن کا نسخ نہیں ہو سکتا بلکہ حدیث قرآن کے تابع ہوتی ہے کبھی بعینہ نص قرآن کا اتباع کرتی ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے مجمل کلام کے مرادی معنیٰ کی تفسیر کرتی

Marfat.com

ہے اسی طرح حدیث بھی حدیث ہی سے منسوخ ہو سکتی ہے۔ اور ان کی دلیل سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن لوگوں کی رائیں جو حدیث سے کم درجہ پر ہیں حدیث کو منسوخ نہیں کر سکتیں مگر وہ قرآن سے منسوخ ہو سکتی ہیں مگر اس کے ساتھ کوئی ایسی سنت بھی ہو جو ظاہر کر دے کہ وہ منسوخ ہے اور وہ اس احتیاط کی بنار پر ہے کہ لوگ عموم قرآن کو لے کر کہیں خاص سنتوں کو نہ چھوڑ دیں اور یہ دلیل پیش کریں کہ عموم قرآن خاص سنت کا ناسخ ہے چنانچہ انھوں نے اس کی وضاحت کی ہے

پھر بیان کیا کہ کبھی سنت سے یہ دلیل لی جاتی ہے کہ ایک قرآنی آیت دوسری آیت کو منسوخ کر رہی ہے جیسا کہ وصیت اور میراث کی آیتوں میں۔

لا وصیۃ لوارث - وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔

اس حدیث سے دلیل لی گئی ہے کہ میراث وصیت کی ناسخ ہے لہذا والدین واقربا کے لئے وصیت کی ضرورت نہیں مگر طاؤس اور ان کے ساتھ چند لوگوں کا خیال ہے کہ وصیت والدین کے لئے تو منسوخ ہے لیکن غیر وارث اقربار کے لئے باقی ہے۔

آپ نے پھر کچھ مثالیں ان فرائض کی دیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بطور حکم کے نازل فرمایا اور پھر فرائض منصوصہ بیان کئے جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور وہ فرض منصوص بھی ذکر کئے جس کے لئے سنت نے بتلایا کہ اس سے کوئی خاص چیز مراد ہے

پھر فقہار کے اتفاق کے بارے میں بیان کیا کہ وہ قاتل کو مقتول کی وراثت باوجود عموم قرآن کے نہیں دلواتے یہ ایک ایسی دلیل ہے جو ان کو لازم کراتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کسی چیز میں فرق نہ کریں کیونکہ جب وہ اس درجہ پر ہو جس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فرض منصوص ہے تو وہ اسباب کی دلیل ہے کہ وہ بعضوں کے لئے ضروری ہے اور بعضوں کے لئے نہیں تو اس کے مثل قرآن مجید کے اور فرائض کا بھی یہی حال ہوگا اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام بیان کئے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم منصوص نہیں ہے اس کا بھی یہی حال ہوگا اور مناسب یہ ہے کہ عالم اس کے لزوم میں کوئی شک نہ کرے اور جانے کہ اللہ عزوجل کے احکام پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام مختلف نہیں ہیں اور دونوں ایک ہی طریقہ پر ہیں۔

اس کے بعد علل احادیث کا بیان کسی نامعلوم شخص کے اعتراض سے شروع کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سے بعض تو ایسی احادیث پاتے ہیں جس کے مثل قرآن مجید

Marfat.com

میں نص ہے اور بعض اسی کے مثل قرآن میں مجمل نصوص ہیں۔ اور بعض احادیث وہ ہیں جو قریب قریب قرآن سے ماخوذ ہیں اور بعض ایسی احادیث ایسی ہیں جن کے متعلق قرآن میں کچھ نہیں ہیں اور بعض احادیث متفق الیہ ہیں اور بعض مختلف اور بعض ناسخ و منسوخ اور بعض مختلف کہ جس میں ناسخ و منسوخ کی کوئی دلالت نہیں ہے۔ اور بعض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں آپ نے جس چیز سے منع کیا ہے وہ حرام ہے اور بعض میں ممانعت ہے تو کہتے ہیں کہ آپ کی ممانعت اور حکم اختیاری ہے نہ کہ حرمت کے طریقہ پر پھر ہم دیکھتے ہیں کہ تم بعض مختلف احادیث کو لیتے ہو اور بعض کو چھوڑ دیتے ہو اور تم لوگ حضور کی بعض احادیث پر قیاس کرتے ہو اور تمہارے اس قیاس میں اختلاف ہو جاتا ہے اور بعض احادیث کو چھوڑ دیتے ہو اس پر قیاس نہیں کرتے تو اس قیاس کے کرنے اور نہ کرنے پر تمہارے پاس کیا حجت ہے پھر تم متفرق ہو جاتے ہو کہ تم میں سے کوئی حدیث میں سے کسی چیز کو چھوڑ دیتا ہے اور جس قدر چھوڑا اسی کے مثل لے لیتا ہے یا سند کے لحاظ سے اس سے ضعیف قبول کر لیتا ہے علل حدیث کی وضاحت کے بعد حضرت معصون علیہ الرحمۃ نے پھر سنّت کے ناسخ و منسوخ سے بحث کی اور اس پر بہت سی مثالیں بیان کیں اور مختلف احادیث بیان کیں جو ظاہر میں مختلف ہیں تو اس کے اختلاف کی وجوہ بیان کیں اور یہ کہ مجتہد کا عمل کس طرح ہو گا ان کی تطبیق یا ترجیح دینے کے بارہ میں۔

اس کے بعد خبر واحد کے ثبوت میں بحث کی ہے اس کی حجت ہونے کے سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے۔

پھر اجماع کے مسئلہ میں بحث کی ہے اور اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے دلیل بیان کی ہے جن کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت مسلمین کے لزوم کی ترغیب دی ہے اور کہا کہ اس کے معنے بجز اس کے نہیں ہیں کہ مسلمانوں کی جماعت جس چیز کو حلال و حرام کہتی ہے اُسی کی اطاعت کرنی چاہیئے۔

پھر قیاس و اجتہاد پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ یہ دونوں ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں اور قیاس کی دو صورتیں ہوتی ہیں

ایک تو یہ ہے کہ چیز اصل کے معنی میں رہے کہ اس میں قیاس مختلف نہ ہو دوسری یہ کہ ایک چیز کے اصول میں متعدد مشابہ چیزیں ہوں اس وجہ سے اس چیز کا قیاس اُس سے کیا ہو جو اُس سے

Marfat.com

زیادہ متعلق ہو اور اس سے مشابہ ہو اور اسی میں قیاس کرنے والے مختلف ہوتے ہیں، اور انھوں نے قیاس کی حجت بیان کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ وہ امورِ دین سے ہے اور اجتہاد سے جو اختلاف پیدا ہو اس میں وسعت دی اور حضرت عمرو بن العاص کی حدیث روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حاکم نے حکم کیا اور اس میں اجتہاد کرکے صحیح فیصلہ کیا تو اس کو دو اجر ملیں گے اور اگر اجتہاد میں خطا کی تو اس کو ایک اجر ملے گا۔

پھر استحسان سے بحث کی اور اس کے قائلین کی تردید کی اور استحسان یہ ہے کہ جو حدیث و قیاس کے بغیر ہو اور یہ بھی بتایا ہے کہ کس کو قیاس کا حق ہے پھر فرمایا کہ قیاس کی کئی وجوہ ہیں جس میں قوی تر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑا سا حرام بتائیں تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس کا قلیل حرام ہوگا تو اس کا کثیر بھی حرام ہوگا کی قلت پر شدت کی زیادتی سے وہ زیادہ حرام ہوگا اور اسی طرح جب تھوڑی سی طاعت کی تعریف اللہ تعالیٰ نے کی ہے تو زیادہ پر تو اس کی تعریف بدرجہ اولیٰ ہوگی اور اسیطرح جب زیادہ چیز جائز ہو تو اس سے اقل بھی چاہیئے کہ جائز ہو اور بعض اہل علم تو اسکو قیاس ہی نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال یا حرام کیا اور تعریف کی یا برائی کی اسکا یہی مطلب کیونکہ وہ اس میں داخل ہیں تو وہ بعینہ وہی چیز ہے دوسری چیز پر اس کا قیاس نہیں کیا جو چیز کہ حلال یا حرام کے معنی میں ہو اور ان کو حرام یا حلال کردیا اس کو بھی وہ قیاس نہیں کہتے قیاس صرف اس کو کہتے ہیں جس میں دو مختلف معنوں کی مشابہت ہو اور اس میں اس کا ثبوت دیا جائے کہ اس کا قیاس صرف ایک پر ہو سکتا ہے دوسرے پر نہیں ہو سکتا ان کے علاوہ دوسرے اہل علم کہتے ہیں کہ کتاب و سنّت کے سوا جو چیز ان کے معنے میں ہو وہ قیاس ہے۔

پھر اختلاف کے بارہ میں بحث کی ہے اور بیان کیا ہے کہ کس چیز میں اختلاف جائز نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس بات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حجت کے طور پر یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حکم صریح قرار دیا ہو تو اس میں اختلاف جائز نہیں اس کے لئے خواص کو جان لے ــــ اور جس میں اختلاف جائز ہے اور وہ وہ ہے جس میں تاویل کا احتمال ہے یا قیاس سے معلوم ہو سکتی ہے اور اس کے ساتھ بہت سی مثالیں دی ہیں کہ جن کے احکام انھوں نے قیاس سے مستنبط کئے ہیں اور جو لوگ قیاس میں ان کے مخالف ہیں ان سے مناظرہ کیا ہے جس سے اُن کی قوت تعبیر اور کثرت اطلاع کا ثبوت ملتا ہے۔

امام شافعی رح کی تحریروں میں سب سے بڑی خوبی جو پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ جن سے مناظرہ کرتے

Marfat.com

ہیں ان کے اقوال پوری حجت کے اور واضح براہین کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور حتی الامکان پوری قوت کے ساتھ اس کی تفصیلات درج کرتے ہیں پھر ان کی دلیلوں کا رد کرتے ہیں اور حدیث سے اپنے اور اپنے مخالفین کے لئے ناقابل تردید دلیلیں بیان کرتے ہیں حالانکہ بعض متاخرین نے حدیث سے دلیل لانے میں صرف اس قدر لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ "حدیث ایک دینی ضرورت ہے" اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں علموں میں کس قدر فرق ہے۔

یہ رسالہ جیسا کہ ہم نے لکھا ہے اس عہد قدیم کے آثار قدیمہ سے ہے جس سے اس زمانہ کے لوگوں کی بہت سی عادات کا اندازہ ہوتا ہے مثلاً حسن کتابت، حسن ادب اور اپنے مخالفین کا مناظروں میں ادب و احترام اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مناظروں میں کتاب و سنّت کے معاملہ میں وہ کس قدر حاضر الذہن رہتے تھے۔

اصطلاحات فقہیہ کا ظہور

قرآن شریف اس بات کو جس کی طلب مقصود تھی ان طریقوں سے طلب کرتا تھا جس کی وضاحت ہم نے دور اول میں کی ہے اور کسی اسلوب کو دوسرے اسلوب پر قوت طلب میں کوئی فضیلت نہ تھی بلکہ سب اس معاملہ میں یکساں تھے اور اسی طرح سنت بھی اسی چیز کو طلب کرتی تھی جس کی طلب اس کو مقصود تھی فقہاء کی نظروں کے سامنے جب مطالبات متمائز ہونے لگے تو وہ اس کو اختیار کرنے پر مجبور ہوئے جو اس کی دلالت کریں اور وہ فرض۔ واجب سنّت۔ مندوب۔ مستحب ہیں۔

فرض و واجب دو اسم ہیں اس بات کے جس کی طلب حتمی ہو بجز اس کے کہ فرض حنفیہ کے نزدیک اس چیز کا نام ہے جس کی طلب دلیل قطعی سے ثابت ہو جیسے آیات قرآنیہ اور جو حدیثیں نص ہونے کے ساتھ تواتر یا شہرت سے ثابت ہوں اور واجب وہ ہے جس کی طلب ایسی دلیل کے ساتھ کی جائے جو نزدل یا دلالت یا دونوں طریقے سے ظنی ہو مثلاً ان کے نزدیک ہر نماز کی دو رکعت میں قرآن پاک مکمنہ تلاوت فرض ہے اور دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کی قرأت واجب ہے، فرض کے چھوڑنے پر نماز باطل ہو گی اور واجب کو اگر سہواً چھوڑا تو سجدہ سہو واجب ہو گا اور عمداً چھوڑنے پر نماز کا دہرانا وقت کے اندر واجب ہو گا اور اگر وقت نکل گیا تو گنہگار ہو گا، لیکن غیر حنفیہ کے نزدیک فرض و واجب میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جو حتماً طلب کی گئی فرض و واجب ہے خواہ یہ دلیل قطعی سے طلب کی گئی ہو یا ظنی سے لیکن

Marfat.com

یہ لوگ ان دونوں کے درمیان حج کے مسائل میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس کو شارع نے طلب کیا اس کے نقصان کی تلافی کرنے والی کوئی چیز نہیں وہ فرض وقوف عرفہ اور طواف افاضہ ہے اور جس مطالبہ کے ترک کی تلافی "دم" یعنے قربانی سے ہو سکتی ہے وہ واجب ہے جیسے احرام اور ان کے نزدیک ایک فرض ایسا بھی ہے جس کو فرض کفایہ کہتے ہیں اور وہ اس فعل کو کہتے ہیں جس کو شارع نے طلب کیا ہے یعنی جس میں کرنے والا مقصود یا مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کو کوئی بھی مکلف شخص اگر ادا کردے تو باقی تمام لوگوں کا فرض ادا ہو جائے گا اور اگر اس کو کسی نے بھی ادا نہیں کیا تو سب گنا ہگار ہوں گے۔

جس مامور بہ پر اس کا غیر موقوف ہو وہ اگر اس کی حقیقت سے خارج ہو تو اس کو شرط کہتے ہیں جیسے نماز کے لئے قبلہ کی طرف رخ کرنا اور اگر وہ اس کا جزو ہو تو اس کو رکن کہتے ہیں جیسے نماز میں رکوع۔

اور حنفیہ کی اصطلاح میں سنّت اس کو کہتے ہیں جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت کی ہو اور کبھی اس کو بلا عذر چھوڑ بھی دیا ہو اور مندوب و مستحب وہ ہے جس کی آپ نے پابندی نہ کی ہو بلکہ ترغیب دلانے کے بعد اس کو کیا بھی نہ ہو اور ایک دوسری اصطلاح ہے کہ سنّت اور مندوب و مستحب ایک ہی معنیٰ میں ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس کا مطالبہ تاکیدی طور پر نہ ہو البتہ جس کو حنفیہ سنّت کہتے ہیں وہ اس کو سنّت موکدہ اور وہ جس کو مندوب و مستحب کہتے ہیں اس کو یہ لوگ غیر مؤکدہ کہتے ہیں۔

اور جس سے باز رہنے کا شارع نے مطالبہ کیا اس کو یہ حرام و مکروہ کہتے ہیں چنانچہ حرام حنفیہ کے نزدیک فرض کے مقابل میں ہے اور مکروہ تحریمی واجب کے مقابل میں ہے اور مکروہ تنزیہی سنّت کے مقابلہ میں اور ان کے علاوہ دوسروں کے نزدیک حرام فرض و واجب کے مقابل ہے ان کے مترادف ہونے کی وجہ سے اور مکروہ تحریمی سنت مؤکدہ کے مقابلہ میں اور مکروہ تنزیہی سنت غیر مؤکدہ کے مقابلہ میں ہے۔

اور شارع نے جس کے متعلق نہ کرنے کا مطالبہ کیا ہو نہ باز رہنے کا اس کو مباح کہتے ہیں۔

بعض فقہاء کے نزدیک فاسد و باطل بھی اصطلاحات فقہیہ ہیں اور وہ دونوں ایک ہی چیز کے نام ہیں اور وہ یہ ہے کہ جس چیز کا کرنا کرنے والے کے لئے کافی نہ ہو اور اس کے کرنے کا کوئی نتیجہ نہ ہو لیکن حنفیہ ان دونوں کے درمیان فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ باطل کا

Marfat.com

کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا اور فاسد کا اثر تو ظاہر ہوتا ہے لیکن ناقص اسی طرح اور اصطلاحات ہیں جو کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہیں۔ یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان میں زیادہ تر اصطلاحات جدید پیدا شدہ ہیں۔

(۸) ان جلیل القدر فقہاء کا ظہور جنکی قیادت کو عوام نے تسلیم کرلیا

گزشتہ دونوں زمانوں کے فقہاء کی شہرت صرف اس حد تک باقی رہی کہ ان کے اقوال کتب اختلاف میں ذکر کئے جاتے رہے باوجودیکہ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اور ان کی شان بھی بڑی تھی ان میں فقہاء صحابہ بھی تھے فقہاء تابعین بھی جن کا شریعت اسلامی میں بڑا اثر تھا کیونکہ وہی سلف صالح تھے اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے چراغ ہدایت تھے اس کے باوجود ان کے نام تہ کر کے رکھ دئے گئے اور ان میں سے کوئی بھی جمہور کا مقتدا نہیں مانا گیا کہ ان کے نقش قدم پر چلیں اور تمام رایوں میں ان کی تقلید کریں لیکن اس دور میں ایسے مجتہدین ظاہر ہوئے کہ جمہور نے ان کو ائمہ تسلیم کیا ان کے نقش پر چلنے اور ان کی رایوں پر عمل کرنے لگے حتی کہ ان کی رایوں کو کتاب و سنت کے احکام قطعی کا درجہ دینے لگے کہ کسی کو ان سے تجاوز کرنا جائز نہ رہا اور ان کو یہ امتیاز حسب ذیل اسباب نے بخشا۔

(۱) ان کی تمام رائیں مدون کی گئیں اور یہ سلف میں کسی کے لئے نہیں ہوا۔

(۲) ان کے ایسے شاگرد پیدا ہوئے جو ان کے اقوال کو پھیلانے اور ان پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دینے اور ان کی مدد کے لئے کھڑے ہوگئے ہیئت اجتماعی میں ان کا ایک مقام تھا جس نے ان کی رائے کو قابل وقعت قرار دیا

(۳) عوام کی خواہش یہ چاہتے تھے کہ قاضی جس مذہب پر چل رہا ہے اس کا ان کو علم رہے تاکہ اُن کی آزاد رائے کے متعلق یہ گمان نہ رہے کہ یہ قضاء میں خواہش نفسانی کی پیروی کررہے ہیں اور یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا مذہب مدون نہ ہو۔

اب ہم ان فقہاء کے حالات بیان کرتے ہیں جن کے مذاہب مدون ہوتے اور مختلف شہروں میں ان کے متبع موجود تھے اُن کی امتیازی شان کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۱۔ امام ابوحنیفہ رحمہ نعمان بن ثابت زوطی ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے عالم شباب میں یعنی دوسری صدی کی ابتداء میں حماد بن ابی سلیمان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور اکثر علماء تابعین سے

Marfat.com

حدیث کی سماعت کی جیسے عطاء بن ابی رباح و حضرت ابن عمر کے مولی نافع، ابو حنیفہؒ نے بنی امیہ سے بنی عباس کی طرف خلافت کے منتقل ہونے کا زمانہ پایا اور اس منتقلی میں کوفہ حرکت کبری کا مرکز تھا اور وہیں ابو العباس سفاح کی بیعت مکمل ہوئی اور اس حرکت میں ان کا کوئی ذکر ہم نے نہیں سنا بجز اس کے کہ کہا جاتا ہے کہ یزید بن ہبیرہ نے جو مروان بن محمد کی طرف سے عراق کا والی تھا ان پر ولایت قضاء کا عہدہ پیش کیا تھا اور ان کے انکار پر ان کو سزا دی تھی ہم اگر اس کو تسلیم کریں کہ ایک شخص نے تولیت قضاء سے انکار کر دیا تو یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ اس پر اس کو سزا دی جا سکتی ہے کیونکہ کوڑے سے مارنا انتہائی حقارت آمیز سلوک ہے جس کو کوئی عاقل ایسا نہیں کر سکتا کہ کسی انسان کو ایسے منصب کے قبول کرنے کے لئے کہ جو امارت کے بعد اشرف ترین منصب ہے یعنے منصب قضاء ایسی سزا دے کہ یہ اگر درست بھی ہو کہ وہاں انکار کے علاوہ کوئی بات نہیں تھی تب بھی ہم یہ گمان نہیں کرتے کہ اُن کے انکار سے امیر کے دل میں اس قدر کینہ پیدا ہو گیا ہو کہ وہ اس سزا کے جاری کرنے پر مجبور ہو گیا ہو خصوصاً جبکہ کوفہ میں فقہاء کافی تعداد میں تھے تو ابن ہبیرہ کے لئے مشکل نہ تھا کہ ان میں سے کسی کا انتخاب کرے جو اس منصب کو قبول کر لے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس پیش کش سے اُس کی غرض انکا امتحان لینا تھا کہ حکومت سے ان کی محبت کا اندازہ لگایا جا سکے کیونکہ علماء عام طور سے جس حکومت کو پسند نہ کرتے تھے اس کا کوئی عہدہ قبول نہیں کرتے تھے تاکہ ان کا عمل حکومت کی تائید کا ذریعہ نہ ہو جائے اور یہی ہوا کیونکہ اس زمانہ میں کوفہ میں دو انقلابی شخص پیدا ہوئے ایک زید بن علی بن حسین جنھوں نے ۱۲۲ھ میں ہشام بن عبد الملک کی خلافت کے زمانہ میں یوسف بن عمر ثقفی کی امارت میں بغاوت کی عراق میں قتل ہوئے اور دوسرے عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر جنھوں نے ۱۲۷ھ میں جبکہ حکومت میں بدنظمی ہو رہی تھی بغاوت کی اور جیسا کہ اُن کے سیرت نگاروں نے لکھا ہے ممکن ہے کہ یہی الفاظ انھوں نے عبد اللہ بن معاویہ کے زمانہ میں دہرائے ہوں اس لئے ابن ہبیرہ نے ان کی آزمائش کرنی چاہی ہو کہ بنی امیہ سے ان کی محبت کس قدر ہے اسی لئے ان پر قضاء کو پیش کیا اور ان کے انکار پر ان کو سزا دی کیونکہ اس کو یقین ہو گیا کہ بنی امیہ سے وہ منحرف ہیں نہ اس وجہ سے کہ انھوں نے عہدۂ قضاء سے انکار کیا۔

ابو حنیفہؒ کوفہ میں پارچہ کے تاجر تھے بیشقیمت کپڑے فروخت کرتے تھے اور صدق معاملہ اور معاملہ کی خلاف ورزی سے نفرت کرنے میں مشہور تھے خوبصورت اور آداب مجلس سے واقف اور اپنے بھائیوں کے لئے بہترین راوی کرنے والے تھے میانہ قد، گفتگو میں نرم اور شیریں لہجہ

رکھتے تھے جعفر بن ربیع کہتے ہیں کہ میں ابو حنیفہؒ کے پاس پانچ سال رہا ان سے زیادہ خاموش رہنے والا میں نے کسی کو نہیں پایا لیکن جب فقہی مسئلہ ان سے پوچھا جاتا تو خوب خوب علمی نکات بیان فرماتے اور دریا کی طرح بہنے لگتے" قیاس کے امام تھے، عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری سے پوچھا کہ امام ابوحنیفہ غیبت سے اس قدر دور رہتے ہیں کہ میں نے ان کو دشمن کی بھی غیبت کرتے کبھی نہیں سنا تو فرمایا کہ وہ بہت سمجھدار ہیں کہ اپنی نیکیوں پر کسی ایسے کو مسلط نہیں کرنا چاہتے جو اس کو ختم کردے، بہت سے طالبان علم ان کے پاس پہونچے اور ان سے علم حاصل کیا اور وضع مسائل میں اور ان کے جوابات میں ان کی مدد کی اور استنباط میں ان کا طریقہ جیسا کہ خود انھوں نے بیان کیا ہے یہ تھا۔ کہ میں اول اللہ کی کتاب کو لیتا ہوں اور اس میں سے احکام حاصل کرتا ہوں اور جب اس میں نہ ملیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحیح احادیث جو معتبر ذرائع سے لوگوں میں پھیلی ہوں لیتا ہوں اور جب میں کوئی مسئلہ نہ اللہ کی کتاب میں پاتا ہوں نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو آپ کے اصحاب کے قول پر غور کرتا ہوں اور اس میں سے جس کو چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں ان کے قول کے علاوہ کچھ نہیں لیتا ہوں لیکن جب معاملہ ابراہیم اور شعبی اور حسن اور ابن سیرین اور سعید بن المسیب تک (اور کسی مجتہدین کے نام بھی لیے) پہونچتا ہے تو جیسا انھوں نے اجتہاد کیا مجھے بھی حق ہے کہ میں اجتہاد کروں۔

اور سہل بن مزاحم کہتے ہیں کہ

ابی حنیفہ کا امتیاز یہ ہے کہ وہ معتبر لوگوں کے کلام کو اختیار کرتے ہیں اور برائی سے دور رہتے ہیں اور یہ بھی ان کی خصوصیت ہے کہ لوگوں کے معاملات میں اور جس پر وہ قائم رہ سکیں نظر رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کے معاملات درست ہیں وہ مسائل میں قیاس کرتے ہیں لیکن جہاں قیاس میں کوئی برائی نظر آتی ہے تو استحسان پر فیصلہ کرتے ہیں اور جب استحسان سے بھی کام نہ چلے تو پھر اس چیز کی طرف رجوع کرتے ہیں جس پر مسلمانوں کا عمل رہا ہے اور وہ پہلے حدیث مشہور کی سند جس پر سب کا اتفاق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچاتے پھر قیاس کرتے جب تک کہ قیاس کام دیتا پھر استحسان کی طرف رجوع کرتے اور ان میں جو زیادہ قابل قبول ہوتا اس کو اختیار کرتے۔

محمد بن حسنؒ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ اپنے اصحاب سے قیاس کردہ امور میں مناظرہ کرتے اور لوگ ان سے بحث کرتے اور مقابلہ کرتے حتیٰ کہ جب وہ یہ کہدیتے کہ میں اس کو مستحسن سمجھتا ہوں تو کوئی

Marfat.com

ان میں ان کی گرد کو نہیں پہونچ سکتا تھا کیونکہ وہ استحسان میں بہت سے مسائل لاتے تھے پس وہ انکو چھوڑ دیتے اور ان کی اطاعت کرتے اور ابو حنیفہ اہل کوفہ کی حدیث و فقہ کو خوب جانتے تھے اور ان کے شہر میں لوگ جس طریقہ پر رہتے تھے وہ سختی سے اس کی پابندی کرتے تھے۔

ان کے زمانہ میں کوفہ کے تین بڑے فقہار تھے جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) سفیان بن سعید ثوری جو اہل حدیث کے ائمہ میں سے ایک تھے لوگ ان کے دین اور ان کی پرہیز گاری و زہد و تقفہ پر متفق تھے۔ اور وہ ان ائمہ مجتہدین میں سے ایک تھے جن کے لوگ مقلد تھے سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ حلال و حرام کو جاننے والا ثوری سے زیادہ میں نے کسی کو نہیں پایا ۹۷ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۲) شریک بن عبد اللہ نخعی، بخارا میں ۹۵ھ میں پیدا ہوئے عالم، فقیہ، زیرک، سمجھدار، ہوشیار تھے مہدی کے زمانہ میں کوفہ کے قاضی ہوئے پھر موسیٰ ہادی نے ان کو معزول کر دیا وہ قضا میں عادل تھے اکثر صحیح فیصلے کرتے حاضر جواب تھے ۱۷۷ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔

(۳) محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ ۷۴ھ میں ولادت پائی اصحاب رائے سے تھے کوفہ میں قاضی ہوئے اور (۳۳) سال تک حاکم رہے پہلے بنی امیہ کے زمانہ میں حاکم ہوئے پھر بنی عباس کے زمانہ میں فقیہ و مفتی ہوئے ثوری فرماتے ہیں کہ ہمارے فقہا ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ ہیں ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔

اور ان تینوں فقہار اور ابی حنیفہؒ میں برابر نوک جھونک ہوا کرتی تھی پہلے یعنی سفیان سعید ثوریؒ کے ساتھ تو اس لئے کہ اہل حدیث و اہل رائے کے درمیان غلط فہمی تھی، ابن ابی لیلیٰ سے اس لئے کہ قاضی شہر تھے اکثر اوقات وہ ان امور میں فتویٰ دیتے جن میں ابن ابی لیلیٰ نے فیصلہ کر دیا ہو اور امام ابو حنیفہؒ ان کے خلاف فتویٰ دیتے جس سے ابن ابی لیلیٰ متاثر ہوتے حتیٰ کہ ایک مرتبہ امیر کو اس امر پر ابھارا کہ ابو حنیفہؒ کو فتویٰ دینے سے منع کر دیں اور ان کے اور شریک کے درمیان صرف معاصرانہ چشمک تھی۔

جب ابو جعفر منصور نے شہر بغداد کی بنیاد ڈالی تو مختلف شہروں سے سرکردہ علماء کثیر تعداد میں وہاں پہونچے ابو حنیفہؒ بھی ان میں شامل تھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں پر بھی دوبارہ محکمۂ قضار کی پیشکش ہوئی اور اس سے انکار پر ان کو سزا دی گئی ۱۵۰ھ میں وفات ہوئی اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

Marfat.com

امام ابوحنیفہ کے شاگرد جنھوں نے ان سے تعلیم پائی جن کو مسائل کی شاخیں نکالنے اور اس کا جواب تیار کرنے میں مہارت کاملہ تھی ان میں مشہور شاگرد حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری جو ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور جب جوان ہوئے تو روایت حدیث میں مشغول ہو گئے اور ہشام بن عروہ اور ابواسحاق شیبانی اور عطار بن سائب اور ان کے طبقہ سے حدیث کی روایت کی پھر فقہ کی طرف رجوع کیا اول ابن ابی لیلی کے پاس ایک مدت رہے پھر ابوحنیفہ کے پاس بحیثیت شاگرد تشریف لائے اور ان کے جلیل القدر شاگردوں میں شمار ہوئے اور ان کے زبردست مددگار ہوئے انھوں نے ہی سب سے پہلے ابوحنیفہ کے مذہب پر کتاب تصنیف کی اور مسائل کو لکھوایا اور اس کو شائع کیا اور ابوحنیفہ کے علوم کو اطراف عالم میں پھیلایا اور ابو یوسف کی تعریف اکثر اصحاب حدیث نے کی ہے حالانکہ وہ اصحاب رائے کی تعریف کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں یحیی بن معین کہتے ہیں کہ اصحاب رائے میں ابو یوسف سے زیادہ نہ کوئی حدیث بیان کرنے والا ہے نہ رائے پر ثابت قدم رہنے والا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ابو یوسف صاحب حدیث و صاحب سنت ہیں ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔

(۲) زفر بن ہذیل بن قیس کوفی ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اولاً اہل حدیث تھے پھر ان پر رائے غالب ہوئی اور اصحاب ابوحنیفہ میں وہ سب سے زیادہ قیاس کرنے والے تھے کہتے ہیں کہ ان سب میں حدیث کے زیادہ متبع ابو یوسف تھے، اور اکثر مسائل میں تفریع کرنے والے محمدؒ اور سب میں زیادہ قیاس کرنے والے زفر تھے وہ دنیا کے جھگڑوں میں منہمک نہیں ہوئے بلکہ پوری زندگی علم اور تعلیم میں مشغول رہے ۱۵۸ھ میں وفات پائی، اصحاب ابوحنیفہ میں انھوں نے سب سے پہلے وفات پائی

(۳) محمد بن حسن بن فرقد شیبانی جوان کے آزاد کردہ غلام تھے انکے باپ حسن حرشی گاؤں کے رہنے والے تھے جو مضافات دمشق میں ہے پھر وہ عراق آئے جہاں "واسط" میں ان کی پیدائش ۱۳۲ھ میں ہوئی اور کوفہ میں نشوونما پائی پھر عباسیوں کے زیر سایہ بغداد میں رہے بچپن سے طلب علم میں مشغول ہو گئے چنانچہ حدیث کی روایت کی اور ابوحنیفہ سے اہل عراق کا طریقہ سیکھا لیکن ان کے پاس زیادہ دن نہ رہے کیونکہ محمد ابھی نوخیز ہی تھے کہ ابوحنیفہؒ کا انتقال ہو گیا پھر طریقہ کی تکمیل ابو یوسف کے پاس کی کیونکہ عاقل بہت سمجھدار تھے لہذا بہت ترقی حاصل کی اور ابو یوسف کی زندگی میں ہی وہ اہل رائے کے مرجع بن گئے اور دونوں میں نوک جھونک ہونے لگی جو ایک زمانہ تک رہی حتی کہ ابو یوسفؒ کا انتقال ہو گیا۔

Marfat.com

محمدؒ سے ہی ابو حنیفہؒ کا مذہب پھیلا ہے کیونکہ حنفیہ کے پاس بجز ان کی کتابوں کے اور کچھ نہیں ہے جیسا کہ تم فصل تدوین میں دیکھو گے شافعیؒ نے بغداد میں ان سے ملاقات کی اور ان کی کتابیں پڑھیں اور اکثر مسائل میں ان سے مناظرہ کیا اور ان کے مناظرے مدون شکل میں موجود ہیں اور اکثر مناظرات خود شافعیؒ کی روایات یا ان کے اصحاب کی روایات سے ہم نے دیکھا ہے۔

محمد بن حسن کی وفات ۱۸۹ھ میں رے میں اس وقت ہوئی جبکہ وہ رشید کے ہمراہ تھے۔

(۴) حسن بن زیاد لولوی کوفی جو انصار کے آزاد کردہ غلام تھے وہ اولاً ابو حنیفہ کے شاگرد تھے پھر ابو یوسف کے شاگرد ہوئے ان کے بعد محمدؒ کے اور ابو حنیفہ کے مذہب پر کتابیں لکھیں لیکن ان کی کتابوں اور رایوں کی وہ حیثیت نہیں جو محمدؒ کی کتابوں و رایوں کی ہے، اور اہل حدیث میں ان کا درجہ کمتر ہے ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔

یہ چار وہ ہیں جن سے عراقیوں کا مذہب پھیلا اور لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا اور ابو یوسفؒ اور خصوصاً محمدؒ کو بنی عباس کے دربار میں جو امتیاز حاصل تھا اس نے دوسرے اہلحدیث پر ان کے اقوال اور آراء کو اولیت دینے میں مدد کی اور فقہی مسائل کے بتانے اور ان کے جواب دینے میں بھی ان کو بڑی فضیلت حاصل تھی ابو حنیفہؒ کے ساتھ ان کی نسبت ایسی نہ تھی جیسی ایک مقلد کی مقلد سے ہو بلکہ ان کا تعلق شاگرد و استاد کا تھا باوجودیکہ وہ اپنے فتویٰ دینے میں خود اپنا ایک مقام رکھتے تھے اور استاد کے فتویٰ کی موافقت پر مجبور نہ تھے بلکہ اگر ان کو کوئی سبب اختلاف کا نظر آجائے ان کی تو اور مخالفت کرتے تھے اور اسی لئے احناف کی کتب میں دیکھو گے کہ ایمہ اربعہ کے اقوال ان کی دلیلوں کے ساتھ نقل کئے جاتے ہیں اور اکثر اوقات ایک ہی مسئلہ میں آثار یا معانی کے لحاظ سے چار اقوال ہوتے ہیں ایک ابو حنیفہؒ کا ایک ابو یوسفؒ کا ایک محمدؒ کا ایک زفرؒ کا اور بعض حنفیہ نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ ان کے مختلف اقوال کو امام کے اقوال قرار دیں کہ ان سے رجوع کر لیا لیکن یہ ان ائمہ کی تاریخ سے اور ان امور سے جو ان کی کتابوں میں درج ہیں سخت غفلت کا نتیجہ ہے کیونکہ ابو یوسفؒ کتاب الخراج میں ابو حنیفہؒ کی رائے لکھتے ہیں پھر اپنی رائے صراحت سے لکھتے ہیں کہ وہ اس کے مخالف ہیں اور خلاف کا سبب بھی بتاتے ہیں اور اسی طرح اس کتاب میں لکھتے ہیں جو ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلی کے خلاف میں لکھی ہے کیونکہ کبھی دونوں رایوں کے ذکر کے بعد ابن ابی لیلی کی رائی کی موافقت میں لکھتے ہیں اور محمدؒ اپنی کتاب میں امام کے اور ابو یوسف کے اور اپنے اقوال کو صراحت کے ساتھ اختلاف میں تحریر کرتے ہیں تو اگر ان لوگوں کی یہ رائے صحیح ہوتی جو

Marfat.com

بیان کرتے ہیں کہ یہ وہ رائیں ہیں جن سے ابو حنیفہؒ نے رجوع کر لیا تو یہ اختلاف روایت ہونا اختلاف رائے نہ ہوتا۔ حالانکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو جب اہل حجاز کی احادیث کا علم ہوا تو امام ابو حنیفہؒ کی بہت سی آراء سے رجوع کر لیا۔ چنانچہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ جن ائمہ حنفیہ کا ذکر ہم نے ابو حنیفہؒ کے بعد کیا ہے وہ ان کے مقلد نہیں تھے اس لئے کہ تقلید تو مسلمانوں میں اس وقت تک رائج بھی نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ فتویٰ دینے میں مستقل مفتی تھے اور خود اپنے دلائل کی بنیاد پر فتویٰ دیتے تھے اور اپنے دلائل ہی کی روشنی میں وہ اپنے اساتذہ کی مخالفت یا موافقت کرتے تھے اور ابو یوسفؒ و محمدؒ کی نسبت ابو حنیفہؒ کے ساتھ ایسی ہی تھی جیسی شافعیؒ کی مالکؒ کے ساتھ

اور ابو حنیفہؒ کے اصحاب کے وہ شاگرد جنھوں نے ان کی کتابیں نقل کی وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابراہیم بن رستم مروزی جنھوں نے محمدؒ بن حسن سے فقہ حاصل کیا اور مالکؒ سے احادیث سنی جن کے بہت سے نادر مسائل ہیں جن کو انھوں نے امام محمدؒ سے سن کر لکھا ۲۱۱ھ میں وفات پائی۔

(۲) احمد بن حفص جو ابی حفص کبیر بخاری کے نام سے مشہور ہیں محمدؒ بن حسن سے فقہ حاصل کیا اور ان کی کتابیں ان سے روایت کیں اور محمدؒ کی کتاب مبسوط جس کو میں نے دیکھا ہے وہ انہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

(۳) بشر بن غیاث مریسی جنھوں نے ابو یوسفؒ سے فقہ حاصل کیا اور ان کے مخصوص اصحاب میں سے تھے اگرچہ وہ زاہد و متورع تھے لیکن علم فلسفہ میں ان کی شہرت کی وجہ سے لوگ ان سے اعراض کرتے تھے اور خود ابو یوسفؒ ان کی مذمت کیا کرتے تھے اور ان سے منہ پھیر لیا کرتے تھے۔ ۲۲۸ھ میں وفات پائی ان کی بہت سی تصانیف ہیں امام ابو یوسفؒ سے بہت روایتیں انھوں نے لکھی ہیں اور مذہب میں انھوں نے بڑی عجیب و غریب باتیں لکھی ہیں جن میں سے گدھے کے کھانے کا جواز ہے ان کے اور شافعیؒ کے درمیان اکثر مناظرے ہوا کرتے تھے انہیں کی طرف مرجیہ کا ایک فرقہ بھی منسوب ہے جس کو مریسیہ کہا جاتا ہے۔

(۴) بشر بن ولید کندی جنھوں نے ابو یوسفؒ سے فقہ حاصل کیا اور ان سے ان کے کتابوں کی اور ان کی املا شدہ کاغذات کی روایت کی، معتصم کے زمانہ میں قضاء بغداد کے والی ہوئے ۲۳۸ھ میں وفات پائی، محمدؒ بن حسن سے بغض رکھتے تھے اور حسن بن مالک ان کو اس سے منع کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ محمدؒ نے تو بہت کتابیں تصنیف کیں تم ایک مسئلہ تو بتا دو، اچھے فقیہ اور عبادت گزار تھے۔

Marfat.com

(۵) عیسی بن ربان بن صدقہ قاضی محمدؒ اور حسنؒ بن زیاد سے فقہ حاصل کیا اور محدث تھے سنہ ۲۲۱ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

(۶) محمد بن سماعہ تمیمی، لیث بن سعد اور ابو یوسف و محمد رحمہم اللہ سے حدیث کی روایت کی اور آخر الذکر دونوں حضرات اور حسن بن زیاد سے فقہ حاصل کیا اور ابو یوسفؒ و محمدؒ سے نادر مسائل لکھے سنہ ۱۳۰ھ میں ولادت ہوئی اور سنہ ۲۳۳ھ میں وفات پائی۔ مامون کے زمانہ میں بغداد کے قاضی ہوئے اور جب انتقال ہوا تو یحیی بن معین نے کہا کہ اہل رائے سے فقہاء کا پھول چلا گیا۔

(۷) محمد بن شجاع ثلجی، حسن بن زیاد سے فقہ حاصل کیا اور علم میں کمال حاصل کیا اپنے وقت میں فقیہ عراق اور فقیہ و حدیث میں سب سے مقدم متورع و عابد تھے سنہ ۲۶۶ھ میں انتقال ہوا ان کی کتاب تصحیح الآثار، اور کتاب النوادر اور کتاب المضاربہ وغیرہ تھی مذہب معتزلہ کی طرف مائل تھے اہل حدیث کے نزدیک وہ ضعیف الروایۃ تھے اور ان پر بہت جرح کی ہے۔

(۸) ابو سلیمان موسی بن سلیمان جوزجانی، محمدؒ سے فقہ حاصل کیا اور مسائل اصول و امالی کی کتابیں لکھیں سنہ ۲۰۰ھ کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

(۹) ہلال بن یحیی بن مسلم الرائے بصری، وسعت علم اور کثرت فہم کی بناء پر ان کا نام ہی رائے پڑ گیا جیسے کہ ربیعۃ الرای کہا جاتا ہے ابی یوسفؒ و زفرؒ سے فقہ حاصل کیا ان کی ایک تصنیف شروط اور احکام وقف میں ہے سنہ ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) ابو جعفر احمد بن عمران قاضی دیار مصریہ، محمد بن سماعہ سے فقہ حاصل کیا ابی جعفر طحاوی کے استاذ ہیں سنہ ۲۸۰ھ میں وفات پائی ایک کتاب تصنیف کی جس کو حج کہا جاتا ہے۔

(۱۱) احمد بن عمر بن مہیر المشہور بہ خصاف اپنے باپ سے علم حاصل کیا انھوں نے حسن بن زیاد سے علم حاصل کیا علم فرائض کے ماہر حساب داں امام ابی حنیفہؒ کے مذاہب کے عالم تھے مہتدی باللہ کے لئے "کتاب خراج" تصنیف کی اور ایک کتاب کتاب الحیل ہے ایک کتاب الوصایا اور ایک کتاب کتاب الشروط و کتاب الوقف وغیرہ ہے سنہ ۲۶۱ھ میں وفات پائی

(۱۲) بکار بن قتیبہ بن اسد القاضی مصری، بصرہ میں سنہ ۱۸۲ھ میں ولادت ہوئی اور ہلال الرائے سے فقہ حاصل کیا اور مذہب میں اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے بڑے فقیہہ تھے کتاب شروط، کتاب محاضر، سجلات، کتاب الوثائق والعہد تصنیف کی۔ اور ایک بہت بڑی کتاب امام شافعیؒ کے رد میں اس کتاب کے جواب میں لکھی جو انھوں نے امام ابو حنیفہؒ پر اعتراض میں

Marfat.com

لکھی تھی ۲۹۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) ابوخازم عبدالحمید بن عبدالعزیز قاضی، عیسیٰ بن ابان اور ہلال سے فقہ حاصل کیا اور ان کی تصانیف میں کتاب محاضر، اور سجلات ہے اور ایک کتاب ادب القاضی اور کتاب الفرائض ہے ۲۹۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) ابوسعید احمد بن حسین بروعی، اسماعیل بن حماد بن ابوحنیفہ سے فقہ حاصل کیا انھوں نے اپنے باپ سے انھوں نے ان کے دادا سے حاصل کیا تھا نیز ابی علی دقاق سے جنھوں نے موسیٰ بن نصیر سے فقہ حاصل کیا اور انھوں نے محمد سے واقعہ قرامطہ میں حجاج کے ساتھ ۳۱۷ھ میں مقتول ہوئے، داؤد بن علی امام اہل ظاہر سے انکا ایک مناظرہ ہوا تھا۔

(۱۵) اس زمانہ کے متاخرین کے امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ ازدی طحاوی بہت بڑے امام ہیں ۲۳۰ھ میں ولادت ہوئی اولاً مزنی سے تعلیم پائی جو امام شافعی کے شاگرد اور ان کے ماموں ہیں پھر ابی جعفر احمد بن ابی عمران قاضی کے پاس گئے اور ان سے فقہ حاصل کیا پھر شام میں ابوخازم سے ملے جو وہاں کے قاضی القضاۃ تھے اور احادیث و اخبار میں امام تھے اور اپنی تصانیف کی وجہ سے اپنے معاصرین پر فائق ہو گئے تھے عنقریب ان کا ذکر کیا جائے گا

امام ثانی مالک، ان کا اسم گرامی مالک بن انس ابن مالک ابن ابی عامر ہے ان کا نسب یمن کے ذی اصبح قبیلہ تک پہونچتا ہے آپ کے اجداد میں سے ایک صاحب مدینہ آئے اور وہیں مقیم ہو گئے آپ کے دادا ابوعامر اصحاب رسول اللہ میں سے تھے جو بجز بدر کے آپ کے ساتھ تمام غزوں میں شریک ہوئے تھے۔ امام مالک مدینہ میں ۹۳ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

علماء مدینہ کے پاس آپ نے طالب علمی کی اور سب سے پہلے وہ عبدالرحمٰن بن ہرمز کی خدمت میں گئے اور ان کے ساتھ ایک مدت طویلہ تک رہے اور ان کے سوا اور کسی سے نہیں ملے اور حضرت ابن عمر کے مولی نافع اور ابن شہاب زہری سے علم حاصل کیا، فقہ میں آپ کے شیخ ربیعہ بن عبدالرحمٰن ہیں جو ربیعۃ الرائے کے نام سے مشہور ہیں، اور جب آپ کے شیوخ نے ان کو حدیث و فقہ کی شہادت دیدی تو روایت اور فتویٰ کی مسند پر بیٹھے امام مالک فرماتے ہیں کہ میں اس وقت تک اس منصب قضا پر نہیں بیٹھا جب تک کہ ستر اہل علم شیوخ نے میرے لئے یہ شہادت نہ دیدی کہ میں اس کا اہل ہوں۔

اس پر تمام لوگ متفق ہیں کہ آپ حدیث میں امام اور اپنی صدق روایت کی بنا پر ثقہ ہیں اپنے

Marfat.com

اساتذہ وہمعصروں اوران کے بعد آنے والوں کے نزدیک قابل اعتبار ہیں حتی کہ بعضوں نے تو یہ تک کہدیا کہ سب سے زیادہ صحیح وہ احادیث ہیں جو مالکؒ، نافعؒ سے روایت کریں اور وہ ابن عمرؓ سے یا مالکؒ زہریؒ سے اور وہ سالمؒ سے وہ ابن عمرؓ سے پھر مالکؒ کی ابی الزنادؒ سے وہ اعرجؒ سے وہ ابی ہریرہؓ سے۔

واقدی وغیرہ نے کہا ہے کہ امام مالکؒ کی مجلس وقار وہم کی مجلس تھی صاحب ہیبت تھے رعب وداب والے تھے ان کی مجلس میں شور وشغب ہوتا تھا نہ ہنگامہ اور نہ آواز بلند ہوتی جب کسی بات کا آپ سے سوال کیا جاتا تو سائل کو جواب دیدیتے اور وہ سائل یہ تک نہ پوچھتا تھا کہ اس مسئلہ کا ماخذ کیا ہے۔ آپ کے پاس ایک کاتب حبیب نامی تھے جو آپ کی کتابیں لکھتے اور لوگوں کو پڑھکر سنایا کرتے تو حاضرین میں سے کوئی نہ ان کے قریب آتا اور نہ ان کی کتاب میں دیکھتا اور نہ کوئی ان کی ہیبت کی وجہ سے اُن سے کچھ دریافت کرتا البتہ اگر حبیب کہیں غلطی کرتے تو خود امام مالکؒ ان کو بتاتے اور ان کی عادت تھی کہ وہ اپنی کتابیں کسی کو پڑھ کر نہیں سناتے تھے لیکن یحییٰؒ بن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے مؤطا امام مالکؒ سے چودہ بار سنی ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ اکثر مرتبہ تو خود امام مالکؒ نے پڑھا ہے اور بعض مرتبہ خود یحییٰ بن بکیرؒ نے پڑھا ہے۔

بڑے بڑے محدثین نے ان سے حدیث سنی ہے اور کثیر تعداد میں فقہار نے ان کا اتباع کیا ہے کیونکہ امام مالکؒ میں دو صفتیں تھیں ایک تو یہ کہ وہ محدث تھے دوسرے یہ کہ مفتی تھے اور مجتہد تھے پہلی صفت کی بنار پر تو خود ان کے بڑے بڑے شیوخ نے ان سے روایت کی ہے جیسے ربیعہ اور یحییٰ بن سعید اور موسیٰ بن عقبہ وغیرہم نے اور ان سے ان کے ہمعصروں نے روایت کی ہے جیسے سفیان ثوری اور لیث اور اوزاعی اور سفیان بن عیینہ اور ابو یوسف شاگرد امام ابو حنیفہؒ اور ان کے بڑے شاگردوں نے جیسے محمد بن ادریس شافعی اور عبداللہ بن مبارک اور محمد بن حسن شیبانی وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

اور دوسری صفت کی بنار پر ان سے ان کے مذہب کے بڑے علمار نے ان سے مسائل کو لیا ہے عنقریب ان کا ذکر آئے گا۔

امام مالکؒ اپنے فتاویٰ میں اولاً اعتماد کرتے تھے کتاب اللہ پر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ان کے نزدیک ثابت ہوا اور اس بارہ میں ان کا اعتماد علمار حجاز کے بڑے محدثین پر تھا اور اہل مدینہ کو جس چیز پر عمل کرتے ہوئے پاتے اس کو بڑی اہمیت دیتے خصوصاً ائمہ

Marfat.com

کے تعامل کو جن میں مقدم عمران تھے اور کبھی حدیث کو اس بنا پر چھوڑ دیتے تھے کہ اس پر عمل نہیں ہوا اس بارہ میں اکثر شہروں کے فقہاء نے ان سے بحث کی ہے اور ہم نے اس سلسلہ میں اس سے قبل لیث بن سعد کا خط ان کے نام درج کر دیا ہے اور امام شافعیؒ نے اپنی کتاب "ام" میں اور اسی طرح ابو یوسف شاگرد امام ابوحنیفہ نے اُن کی تردید کی ہے پھر وہ قیاس پر اعتماد کرتے تھے جبکہ کتاب یا سنت کی نص نہ ہو ان کی طرف "مصالح مرسلہ پر عمل" منسوب کیا گیا ہے جیسے حنیفہ کی طرف استحسان کا قول منسوب ہے اور انہی مصالح مرسلہ کو استصلاح بھی کہتے ہیں اور مصالح مرسلہ کا مطلب وہ مصلحتیں ہیں جن کی شریعت سے نہ بطلان کی کوئی دلیل ملتی ہے اور نہ باعتبار نص کے کوئی اعانت ملتی ہے اور اس پر عمل کرنا اس وقت موجب نزاع ہو سکتا ہے جبکہ وہ کسی دوسری دلیل سے ٹکرائے یا کسی نص اور قیاس کے مخالف ہو اور اس کی مثال چوری کا اقرار کرانے کے لئے کسی شخص کو سزا دینے کی ہے جس کے جواز کے امام مالکؒ قائل ہیں لیکن دوسرے لوگ ان کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ یہ ایسی مصلحت ہے کہ جس کی دوسری مصلحت معارض ہے اور وہ اس شخص کی مصلحت ہے جس کو مارا جائے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ بری ہو اور گناہگار کو مارنا ایک بری شخص کو مارنے سے آسان ہے کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس طرح مال برآمد کرنا دشوار ہوگا تو اس طرح ایک بری کو سزا دینے کا دروازہ کھل جائے گا اور اسی طرح مفقود الخبر کا مسئلہ ہے کہ جب اس کے موت وحیات کی خبر معلوم نہ ہو اور وہ کئی سال انتظار کر لیا اور شوہر کی علیحدگی سے نقصان اٹھا لیا اور وہ عورت جس کا حیض کئی سال سے بند ہے اور نکاح کے لئے اس کی عدت رک گئی اور نکاح نہ کر سکی تو امام مالکؒ نے ان دونوں صورتوں میں حضرت عمرؓ کی رائے کو لیا کہ مفقود الخبر کی بیوی خبر نہ ملنے کے چار سال کے بعد نکاح کرلے اور دوسری عورت مدت حمل گزرنے کے بعد تین ماہ عدت میں بیٹھے جو نو ماہ ہیں تو مجموعہ ایک سال ہوا، پہلی صورت میں بیوی کی مصلحت کا خیال رکھا اور غائب شوہر کی مصلحت کا خیال نہ رکھا اور دوسری میں بھی زوجہ کی ہی مصلحت کا خیال رکھا اور جو دیکھو یہ اس نص صریح کی مخالفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء۔ — مطلقہ عورتیں ایام ماہواری تک انتظار کریں۔

اور وہ ابھی سن یاس کو نہیں پہونچی کہ مہینوں کے حساب سے عدت کرے۔

خلاصہ یہ کہ مصلحۃ مرسلہ ایسی مصلحت ہے جو مقصود شرعی کی حفاظت کی طرف رجوع کرتی ہو

Marfat.com

جس کا مقصود شرعی ہونا کتاب یا سنت یا اجماع سے معلوم ہو مگر یہ کہ کوئی اصل معین اس کے اعتبار کی شہادت نہ دے اور اس کا مقصود شرعی ہونا کسی ایک دلیل سے نہیں بلکہ جملہ ادلہ و احوال کے قرینوں اور متفرق علامتوں سے معلوم ہو اور اسی لئے اس کا نام مصلحت مرسلہ رکھا گیا ہے اور اس کے اختیار کرنے میں اختلاف نہیں ہے بجز اس کے کہ دوسری مصلحت اس کی معارض ہو اور ایسی صورت میں کسی ایک مصلحت کو ترجیح دینے میں اختلاف ہوگا جیسا کہ ہم نے اس کو استحسان کے مسئلہ میں بیان کیا ہے (مصالح مرسلہ کی بحث مستصفی غزالی میں دیکھو کہ اس میں بہت نفیس بحث ہے)

اور ہم کچھ مسائل امام مالکؒ کے اس وقت ذکر کریں گے جبکہ ہم ان کے جب ہم امام مالک کی کتابوں پر بحث کریں گے۔ اس وقت ان کے مسائل کا ذکر کریں گے۔

امام مالکؒ مدینہ میں قیام پذیر رہے وہاں سے کسی دوسرے شہر کو نہ گئے اسی لئے ان کی اکثر حدیثیں وہی ہیں جن کو حجازیوں نے روایت کیا ہے اور اسی لئے موطا میں ان کو حجازیوں کے سوا اور لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے کم پاؤ گے لوگ ان کے پاس آتے جاتے رہتے تھے ان سے علم حدیث اور مسائل سیکھتے تھے انھوں نے ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔

ان کے پاس جانے والوں میں اکثریت مصریوں اور مغربی یعنی اہل افریقہ و اندلس تھے اور یہی لوگ پورے شمالی افریقہ اور اندلس میں ان کے مذہب کو پھیلانے کا ذریعہ بنے اس کے علاوہ بصرہ و بغداد و خراسان میں اُن علماء کے ذریعہ اُن کا مذہب پھیلا جن کا ہم عنقریب ذکر کرینگے۔

جو مصری ان کے پاس گئے اور ان کے مذہب کے ستون ثابت ہوئے تھے حسب ذیل ہیں

(۱) ابو محمد عبداللہ بن وہب بن مسلم قرشی ان کے آزاد کردہ غلام تھے مالکؒ اور لیث بن سعد اور سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری وغیرہم سے روایت کی جو امام مالکؒ کے طبقہ میں تھے اور امام مالکؒ و لیثؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور امام مالکؒ کے پاس ۱۴۸ھ میں پہونچے اور ان کی صحبت میں ان کی وفات تک رہے اور امام مالکؒ ان کو جب خط لکھتے تو یوں لکھتے "عبداللہ بن وہب فقیہ مصر ابی محمد مفتی" وہ اس طرح کے الفاظ ان کے سوا اور کسی کو نہیں لکھتے تھے۔ اور ان کے بارہ میں فرماتے کہ ابن وہب بڑے عالم ہیں اور ابن عبدالحکم کہتے ہیں کہ وہ امام مالکؒ کے مذہب میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور ثقہ ہیں اور وہ ابن القاسم سے زیادہ فقیہ ہیں لیکن وہ تقویٰ کی وجہ سے فتویٰ نہیں دیتے تھے اور اصبغ کہتے ہیں کہ ابن وہب امام مالکؒ کے اصحاب میں سنن و آثار کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں لیکن انھوں نے ضعیف راویوں سے روایت کی ہے وہ

Marfat.com

دیوان علم کہلاتے تھے اور کوئی ایسا نہیں ہے جس کو امام مالکؒ نے توبیخ نہ کی ہو بجز ابن وہب کے کہ وہ ان کی تعظیم کرتے تھے اور ان کو بہت عزیز رکھتے تھے اور ابن وہب نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے مالکؒ اور لیثؒ کے ذریعہ نجات نہ دیتا تو میں گمراہ رہتا' ان سے پوچھا گیا یہ کیسے؟ تو کہا کہ میں نے کثرت سے حدیثیں روایت کی ہیں جس سے میں حیران رہ گیا لیکن میں یہ احادیث امام مالکؒ اور لیثؒ کے سامنے پیش کیا کرتا تو وہ کہا کرتے کہ اس کو اختیار کرلو اور اس کو چھوڑ دو ۱۲۵ھ میں ولادت ہوئی اور مصر میں ۱۹۷ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابو عبداللہ عبدالرحمٰن بن قاسم عتقی جوان کے آزاد کردہ غلام تھے امام مالک اور لیث اور ابن ماجشوں اور مسلم بن خالد وغیرہم رحمہم اللہ سے حدیث کی روایت کی' ابن وہب کے پاس دس بارہ سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد امام مالکؒ کے پاس گئے اور ان کی صحبت میں مدت دراز تک رہے اور امام مالکؒ کے علم کو دوسروں کے علم سے مخلوط نہ ہونے دیا حتیٰ کہ وہ اس میں سب سے زیادہ ثابت قدم ہو گئے' امام مالکؒ سے ان کے اور ابن وہب کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ ابن وہب عالم ہیں اور ابن القاسم فقیہ' ابن وہب نے ابی ثابت سے کہا کہ اگر تم امام مالکؒ کی فقہ چاہتے ہو تو تم ابن قاسم کے پاس جاؤ کہ وہ اس میں منفرد ہیں اور ہم دوسرے اور امور میں مشغول ہو گئے' اور یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ابن القاسم ان سب سے زیادہ مالکؒ کا علم جانتے ہیں اور ان سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں انھوں نے مصر میں ۱۹۱ھ میں وفات پائی۔

(۳) اشہب بن عبدالعزیز القیسی العامری الجعدی' امام مالکؒ اور لیثؒ وغیرہ سے حدیث کی روایت کی اور امام مالکؒ اور مدنی مصری مشائخ سے فقہ حاصل کیا' سحنونؒ سے دریافت کیا گیا کہ ابن قاسم اور اشہب میں سے کون سب سے زیادہ فقیہ ہے' امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اشہب سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں پایا اور ابن قاسم کے بعد مصر کے وہی مقتدا مانے گئے اور سحنونؒ سے دریافت کیا گیا کہ ابن القاسم اور اشہب میں سب سے زیادہ فقیہ کون ہے تو فرمایا کہ وہ مثل ریس کے دو گھوڑوں کے ہیں کبھی یہ بڑھ گیا وہ رہ گیا اور کبھی وہ بڑھ گیا یہ رہ گیا اشہب ۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور مصر میں ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابو محمد عبداللہ بن عبدالحکم بن اعین بن لیث امام مالکؒ اور لیث بن سعد اور ابن عیینہ و ابن لہیعہ وغیرہم سے حدیث سنی بہت ہی صالح ثقہ اور مذہب مالکؒ کے محقق فقیہ

Marfat.com

اور راستباز عاقل وحلیم تھے اور اشہب کے بعد انہی کو مصر کی پیشوائی ملی‘ اور بنی عبدالحکم کو مصر میں وہ مرتبہ اور ترقی حاصل ہوئی جو اور کسی کو نہیں حاصل ہوئی تھی اور امام شافعیؒ کے دوست تھے اور جب آئے تو انہی کے پاس ٹھیرے انھوں نے ان کی بڑی عزت اور خاطر داری کی انہی کے پاس ان کا انتقال ہوا امام شافعیؒ سے حدیث کی روایت کی اور ان کی کتابیں اپنے اور اپنے بیٹے کے لئے لکھیں اور اپنے لڑکے محمد کو اُن کی خدمت میں چھوڑا اور ابن قاسم و ابن وہب و اشہب نے ابن عبدالحکم کے لئے وصیت کی ۱۵۵ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۱۴ھ میں مصر میں وفات پائی۔

(۵) اصبغ بن فرج اموی ان کے آزاد کردہ غلام تھے مدینہ کا سفر کیا تا کہ امام مالکؒ سے سماعت حدیث کریں لیکن جس دن وہ شہر میں داخل ہوئے عین اسی دن ان کی وفات ہوئی اس کے بعد ابن قاسم و ابن وہب و اشہب سے علم حاصل کیا اور ان سے سماعت حدیث کی اور انہی سے فقہ حاصل کیا اُن کا شمار ابن وہب کے بزرگترین اصحاب میں تھا اور ان کے کاتب اور مخصوص لوگوں میں تھے‘ اشہب سے پوچھا گیا کہ اپنے بعد ہمارے لئے کسے چھوڑے جاتے ہو تو کہا اصبغ بن الفرج کو‘ اور ابن الباد نے فرمایا کہ مجھے فقہ کا راستہ اصبغ ہی کے اصولوں سے ملا اور اشہب اپنے اساتذہ کے ساتھ فتویٰ دیا کرتے تھے اور ابن معین فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کی رائے کو اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ جاننے والے اصبغ تھے کیونکہ وہ اُن کا ایک ایک مسئلہ جانتے تھے۔

(۶) محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم‘ انھوں نے اپنے والد اور ابن وہب و اشہب و ابن القاسم وغیرہم اصحاب مالکؒ سے حدیث سنی اور امام شافعیؒ کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے بہت کچھ حاصل کیا اور ان کی کتابیں لکھیں ان کے والد نے ان کے پاس چھوڑتے وقت حکم دیا تھا کہ شافعیؒ اور اشہبؒ کے پاس رہ کر تعلیم حاصل کریں اور محمدؒ ان دونوں کے علوم کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے ابن حارث کہتے ہیں کہ وہ علماء فقہاء میں کامل اہل نظر سے تھے اور جس بات کو وہ کہتے تھے اور جس مذہب کی وہ تقلید کرتے تھے اس پر وہ مناظرہ اور بحث بیان کیا کرتے تھے اور ان کے پاس لوگ مغرب اور اندلس سے علم و فقہ حاصل کرنے آیا کرتے تھے اور مصر کے پیشوا مانے گئے مصر میں ۱۸۲ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۲۶۸ھ میں وفات پائی۔

(۷) محمد بن ابراہیم بن زیاد اسکندری المشہور بہ ابن مواز‘ ابن ماجشون اور ابن عبدالحکم سے

Marfat.com

فقہ حاصل کیا اور اصبغ پر اعتماد کیا اور ابن القاسم سے بچپن میں روایت کی' مصر میں ان کے قول پر اعتماد کیا جاتا تھا فقہ اور فتوی میں ان کو رسوخ حاصل تھا سنہ ۱۵۰ھ میں ولادت ہوئی اور دمشق میں ۲۶۹ھ میں وفات پائی۔

افریقہ و اندلس میں امام مالکؒ کے حسب ذیل شاگرد تھے۔

(۱) ابوعبداللہ زیاد بن عبدالرحمٰن قرطبی الملقب بہ شبطون' امام مالکؒ سے موطا سنی اور فتاویٰ میں ان سے سن کر کتاب سماع پر سماع زیاد کے نام سے مرتب کی جو کافی مشہور ہے' وہ ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں جس میں لیث بن سعد اور ابن عیینہ شامل ہیں اور زیاد نے ہی سب سے پہلے اندلس میں موطا امام مالکؒ کو فقیہانہ حیثیت سے درس میں داخل کیا پھر یحییٰ بن یحییٰ نے ان کا اتباع کیا اہل مدینہ زیاد کو فقیہ اندلس کہا کرتے تھے امام مالکؒ کے پاس وہ دو مرتبہ سفر کر کے گئے تھے سنہ ۱۹۳ھ میں وفات پائی۔

(۲) عیسیٰ بن دینار اندلسی حدیث کی سماعت کے لئے سفر کیا اور ابن القاسم کے پاس آئے ان سے تعلیم حاصل کی اور ان پر اعتماد کیا اور اندلس واپس گئے اور مشرق سے فتاویٰ انہی کے پاس جاتے تھے ان کے زمانہ میں قرطبہ میں ان سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا اور قرطبہ کی پیشوائی انہی کو ملی ابن القاسم ان کی تعظیم کرتے تھے اور ان کو جلیل القدر عالم سمجھتے تھے فقہ و ورع میں ان کی تعریف کیا کرتے تھے اندلس میں ان کے ہمعصروں میں کوئی فقیہ ان سے بڑھکر نہیں تھا اور ابن ایمن کہتے ہیں کہ انھوں نے ہی ہمارے شہر میں اہل مصر کے مسائل سکھائے۔ اور یحییٰ کی جلالت اور شان و شوکت کے باوجود وہ ان سے زیادہ فقیہ تھے اور جب وہ واپس لوٹنے لگے تو ابن القاسم نے ان کی تین کوس تک مشایعت کی لوگوں نے ان پر اعتراض کیا تو فرمایا کیا تم مجھ کو اس بات پر ملامت کرتے ہو کہ میں نے ایسے شخص کی مشایعت کی جس کے بعد اس سے بڑھ کر فقیہ اور اس سے زیادہ زاہد نہ ہوگا' طلیطلہ میں سنہ ۲۱۲ھ میں وفات پائی۔

(۳) یحییٰ بن یحییٰ کثیر اللیثی ان کے آزاد کردہ غلام تھے ابتداء میں زیاد بن عبدالرحمٰن سے موطا امام مالکؒ پڑھی پھر (۲۸) سال کی عمر میں سفر کیا اور امام مالکؒ سے دوبارہ موطا پڑھی کتاب الاعتکاف کے چند ابواب میں ان کو کچھ شک پیدا ہوا تو اس کو زیاد سے روایت کیا امام مالکؒ سے انھوں نے سنہ ۱۷۹ھ میں ملاقات کی اور یہی ان کے انتقال کا سال ہے اس کے بعد دوسرا سفر کیا جس میں صرف ابن القاسم سے ملاقات کی اور ان سے فقہ حاصل کیا اور

Marfat.com

اندلس علم کثیر لے کر واپس آئے عیسی بن دینار کے بعد فتاوی ان کی رائے اور یحیی کی رائے سے جاری ہوتے اور عیسیٰ کے ذریعہ ہی اندلس میں امام مالکؒ کا مذہب پھیلا یحیی اپنے عمل سے اُن کے علم پر فضیلت رکھتے تھے اور ابن سیابہ نے کہا ہے کہ فقیہ اندلس عیسی ابن دینار ہیں اور اس کے عالم ابن حبیب اور اس کے عاقل یحیی ہیں علم میں اندلس کی پیشوائی انہی کو ملی ۲۱۲ھ میں وفات پائی۔

(۴) عبدالملک بن حبیب بن سلیمان سلمی، یہ طلیطلہ کے رہنے والے ہیں ان کے دادا سلیمان قرطبہ چلے گئے تھے اور ان کے والد فتنۃ الربض میں بیرہ آ گئے تھے اندلس میں تعلیم پائی اور ۲۰۸ھ میں سفر کیا' اور ابن ماجشون و مطرف و عبداللہ بن عبدالحکم اور اسد بن موسیٰ وغیرہم سے سماعت حدیث کی اور ۲۱۶ھ میں اندلس گئے اور علم عظیم حاصل کیا پھر بیرہ آئے تو علم و روایت میں ان کا شہرہ ہوا جس پر امیر عبدالرحمن ابن الحکم نے ان کو قرطبہ بلایا اور وہاں کے مفتیوں کے طبقہ میں ان کو شامل کیا یہاں پر یحیی بن یحیی کے ساتھ جو وہاں کے مشاورہ و مناظرہ کے سردار تھے' رہے اور دونوں کے درمیان بہت اچھے تعلقات قائم ہو گئے یحیی کا انتقال ان سے پہلے ہو گیا ان کے بعد یہ اکیلے مقتدا بن گئے' عبدالملک امام مالکؒ کے مذہب کی فقہ کے ماہر اور حافظ تھے مگر ان کو حدیث کا علم نہ تھا اور وہ صحیح و سقیم حدیث سمجھتے نہ تھے' فقہ میں امامت کے ساتھ ادب میں بھی ان کو معرفت حاصل تھی ابن مواز نے علم و فقہ میں ان کی تعریف کی ہے کتاب واضحہ فی السنن والفقہ کے وہ مؤلف ہیں اور اس کے علاوہ بھی ان کی اور مؤلفات ہیں ۲۳۸ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابوالحسن علی بن زیاد تونسی' امام مالکؒ و ثوری و لیث ابن سعد وغیرہم سے حدیث سنی ان کے زمانہ میں افریقہ میں ان کا مثل نہ تھا ان سے اسد بن فرات اور سحنون وغیرہ نے حدیث سنی امام مالکؒ سے موطا اور دیگر کتب سنیں اور فقہ میں وہ سحنونؒ کے معلم تھے افریقہ میں سحنونؒ سے کوئی بڑھ کر نہیں تھا اور قیروان میں اہل علم جب کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تو علی بن زیاد کو لکھتے تاکہ ان کو صحیح مسئلہ بتائیں' سحنونؒ فرماتے ہیں کہ اگر علی بن زیاد کو اتنی علم کی طلب ہوتی جتنی مصریوں کو ہے تو نہ کوئی ان میں سے چھوٹتا اور نہ کوئی ان کے ساتھ رہتا ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔

(۶) اسد بن فرات نیشاپور کے ایک خاندان سے تعلق رکھتے تھے بحران میں پیدا ہوئے جو دیار بکر سے تھا اور تونس میں جوان ہوتے پلے اور بڑے ہوتے وہاں علی بن زیاد سے فقہ حاصل کیا پھر مشرق

Marfat.com

کی طرف سفر کیا اور امام مالکؒ سے ان کی موطا سنی پھر عراق گئے اور ابو حنیفہؒ کے شاگردوں ابو یوسف اور محمد بن حسن اور اسد بن عمرو سے ملاقات کی اور ان سے فقہ حاصل کیا اور ابو یوسفؒ نے ان سے موطا امام مالکؒ پڑھی انھوں نے "مدونہ" کی تالیف کی جس کا عنقریب ذکر آئے گا، محاصرۂ سرقوسہ میں ۲۱۳ھ میں وفات پائی جب کہ وہ اس کے امیر فوج اور قاضی تھے۔

(۷) عبد السلام ابن سعید تنوخی ملقب بہ سحنونؒ اصل ان کی شامی ہے حمص کے رہنے والے ہیں ان کے والد حمص کی فوج میں شامل آئے تھے قیروان میں وہاں کے مشائخ سے علم حاصل کیا خصوصاً علی بن زیاد سے کیونکہ ان کے پاس تونس سے سفر کر کے گئے تھے پھر مصر گئے اور ابن القاسم وابن وہب وغیرہما علماء مصر سے حدیث سنی جو امام مالکؒ اور بلاد مغرب کے طلبہ کے درمیان بڑا واسطہ تھے پھر مدینہ کی طرف سفر کیا اور امام مالکؒ کی وفات کے بعد وہاں کے علماء سے ملاقات کی اور ۱۹۱ھ میں افریقہ واپس لوٹے۔

ابو العرب کہتے ہیں کہ سحنونؒ ثقہ حافظ علم اور اچھے فقیہ تھے نہیں کئی خصلتیں ایسی جمع ہو گئی تھیں جو ان کے علاوہ کسی میں نہیں تھیں، اچھا فقہ، سچا تقویٰ، اور حق میں جرأت اور دنیا میں زہد اور کھانے پینے میں سادگی اور جوانمردی، سلطان سے کوئی چیز قبول نہ کرتے اور بسا اوقات وہ اپنے شاگردوں کو تیس تیس دینار یا اس کے مثل دیتے تھے اور ابن القاسم کہا کرتے تھے کہ افریقہ سے سحنونؒ کے مثل ہمارے پاس کوئی نہیں آیا اور جب وہ افریقہ آئے تو لوگوں نے ان کی طرف نظر کی اور ان کے گرویدہ ہو گئے نئی زندگی اور نئے زمانہ کا آغاز ہوا ان کے شاگرد اہل قیروان کے چراغ تھے انھوں نے ہی "مدونہ" تصنیف کی جس پر اہل قیروان کو اعتماد ہے ۲۳۴ھ میں افریقہ کے قاضی مقرر ہوئے اس وقت انکی عمر (۷۴) سال کی تھی زندگی کے آخری لمحہ تک قاضی رہے اور اپنے لئے سلطان سے نہ کوئی روزینہ لیتے تھے نہ صلہ البتہ اپنے مددگاروں اور کاتبوں اور قاضیوں کے لئے اہل کتاب کے جزیہ میں سے لیتے تھے اور اگر کسی نے کسی شخص کو کسی بات سے اذیت پہونچائی یا گواہوں کو بھڑکایا تو اس کو سزا دیتے اور کہتے کہ جب گواہوں کو بھڑکایا گیا تو وہ کیسے گواہی دیں گے اور اگر فریق نے گواہ پر کوئی عیب لگایا یا جرح کی یا اس نے یہ کہا کہ مجھ سے گواہوں کے بارے میں دریافت کیجئے کہ وہ کیسے ہیں تاکہ وہ ان کی جرح کے بارے میں ان سے سوال کرے تو اس کو تنبیہ کرتے تھے اور مدعی سے فرماتے میں تجھ سے زیادہ اس بات کا خیال رکھتا ہوں اور وہ تجھ سے بڑھ کر میرے ذمہ ہے۔ طلاق وعتاق کے بارے میں ناجائز قسموں پر تادیب کیا کرتے تھے۔

Marfat.com

تاکہ وہ اللہ عزوجل کے سوا کسی اور کی قسم نہ کھائیں اور فسق پر لوگوں کو تنبیہ کیا کرتے تھے اور جو اس کا مجرم ہوتا اس کو بازار سے نکال دیا کرتے تھے لوگ اپنے نام رقعوں میں لکھ کر دیدیتے تھے جنکو وہ اپنے سامنے رکھ لیا کرتے اور ایک ایک کرکے نمبرواران کو بلاتے بجز اس کے کہ کوئی مجبور یا ستم رسیدہ آجاتا ۲۴۰ھ میں وفات پائی اللہ ان پر رحم کرے۔

یہ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے بلاد مغرب میں امام مالکؒ کے مذہب کو پھیلایا لیکن بلاد مشرق میں کوئی ایسا شخص نہیں ہوا جس نے امام مالکؒ کو دیکھا ہو اور ان سے فقہ حاصل کیا ہو البتہ ایسے لوگ تھے جنھوں نے امام مالکؒ کو نہ دیکھا اور نہ سُنا۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) احمد بن معذل بن غیلان عبدی فقیہ متکلم جو عبدالملک بن ماجشون اور محمد بن مسلمہ کے شاگردوں میں سے بہترین ادیب۔ فصیح اور مناظر تھے مالکؒ کے مذہب کے فقیہ تھے صاحب فضیلت و تقویٰ اور دین دار و عبادت گزار تھے امام مالکؒ کے لئے ان سے بڑھ کر اور ان سے اعلیٰ درجہ کا اور اہل حجاز کے مذہب کا ان سے بڑھکر کوئی عالم نہ تھا اور انہی سے امام مالکؒ کا مذہب بلاد مشرق میں پھیلا۔

(۲) ابو اسحاق اسماعیل بن اسحاق بن اسماعیل بن حماد بن زید قاضی بصرہ میں نشوونما پائی اور بغداد کو وطن بنایا اور وہیں حدیث کی سماعت کی اور ابن معذل سے فقہ حاصل کیا وہ کہتے تھے کہ میں بصرہ میں دو شخصوں پر فخر کرتا ہوں' ابن المعذل پر جس نے مجھے سکھایا اور ابن المدینی پر جس نے مجھے حدیث سکھائی اور اہل عراق نے انہی سے فقہ' مالکی حاصل کیا ابوبکر بن الخطیب کہتے ہیں کہ اسماعیل فاضل عالم ہر فن مولی مالکی مذہب کے فقیہ تھے ان کے مذہب کی شرح بیان کی ان کی طرف سے بحثیں کیں اور مسند و علوم قرآن میں کئی کتابیں تصنیف کیں مالکؒ اور یحیی بن سعید انصاری اور ایوب سختیانی کی حدیثیں جمع کیں ابو الولید باجی مجتہدین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ مختلف علوم کے جامع تھے اور امام مالکؒ کے بعد اس درجہ پر بجز اسماعیل قاضی کے کوئی نہیں پہونچا' بغداد کے قاضی ہوئے اور ایک ہی وقت میں ان کے پاس تمام علوم جمع ہوئے ان سے قبل کسی کو یہ جامعیت حاصل نہ ہوئی وہ مداین اور نہروانات کے بھی قاضی ہوئے اور آخر میں قاضی القضاۃ ہوگئے' ابو عمرو دانی کہتے ہیں کہ اسماعیل (۲۲) سال منصب قضاء پر متمکن رہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پچاس یا کچھ زائد سال قاضی رہے ان کی کئی تالیفات ہیں جن میں سے بعض کا ذکر کیا جائے گا ۲۰۰ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۸۲ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

اہل مدینہ میں امام مالکؒ کے بڑے شاگرد

ابو مروان عبدالملک بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمۃ الماجشون جو قریش میں بنی تیم کے آزاد کردہ غلام تھے ماجشون یہ فارسی کلمہ ہے جس کے معنے "گلاب کے پھول یا گلابی کے ہیں" آپ کا یہ نام اس لئے پڑ گیا کہ ان کے چہرہ میں سرخی جھلکتی تھی عبدالملک فقیہ و فصیح تھے ان کے ابتدائی زمانہ سے موت تک مسند فتویٰ پر رہے ان سے پہلے ان کے والد کے پاس تمام فتاویٰ آتے تھے جو اپنے زمانہ میں اہل مدینہ کے مفتی تھے اپنے باپ اور امام مالکؒ سے فقہ حاصل کیا' اور جب امام شافعیؒ اور وہ آپس میں مذاکرہ کیا کرتے تھے تو لوگ اکثر ان کی بات نہ سمجھتے تھے کیونکہ امام شافعیؒ نے دیہات میں ہذیلؒ کے پاس ادب کی تعلیم پائی تھی اور عبدالملک نے اپنے ماموؤں کے پاس بنی کلب میں بدوؤں سے ادب کی تعلیم حاصل کی تھی' یحییٰ بن اکثم کہتے ہیں کہ قاضی عبدالملک ایک دریا کی طرح ہیں جس کو ڈول مکدر نہیں کر سکتے اور سحنون نے ان کی تعریف کی اور فضیلت بیان کی ہے اور کہا کہ میں نے ارادہ کیا کہ ان کے پاس جاؤں اور ان پر ان کتابوں کو پیش کروں کہ وہ اجازت دیں اس کو جائز رکھوں اور جس کو وہ ادا کر دیں میں بھی رد کر دوں' اور ابن حبیب نے ان کی بہت تعریف بیان کی ہے عقل اور سمجھ میں اکثر اصحاب مالک پر ان کو بلند قرار دیتے تھے' ان سے ایک بڑی جماعت اور جلیل القدر ائمہ نے جیسے کہ احمد بن معذل اور ابن حبیب و سحنون نے فقہ حاصل کیا ۲۱۲ھ میں وفات پائی۔

یہ حضرات امام مالکؒ کے جلیل القدر شاگرد اور ان کے مذہب کی اشاعت کرنے والے تھے ان کی نسبت امام مالکؒ کے ساتھ ایسی تھی جیسی شاگرد کی استاد کے ساتھ اور راوی کی استنباط کرنیوالے کے ساتھ لیکن وہ ان کی مخالفت بہت کم کرتے تھے اور اگر کہیں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے تو وہ اختلاف خود امام مالکؒ کی روایت کے اختلاف کی بناء پر ہوگا یا ان سے روایت کردہ نصوص کے سمجھنے میں اختلاف کی بناء پر' بعض کبھی ابن وہب اور ابن قاسم ان سے اختلاف کرتے تھے لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا بہت کم امور ہیں۔

تیسرے امام امام شافعیؒ

اُن کا نسب' ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع شافعی مطلبی بنی المطلب بن عبد مناف سے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی اور امام شافعیؒ کی نویں پشت میں تھے

Marfat.com

امام شافعیؒ کی ماں یمنی قبیلہ ازد سے تھیں اور فطرۃً بہت ذکی و ذہین تھیں۔

شافعیؒ عسقلان کے مضافات میں غزہ میں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے غزہ اُن کے اجداد کا وطن نہ تھا بلکہ ان کے والد ادریس وہاں کسی ضرورت سے گئے تھے وہیں ان کا انتقال ہوا اور وہاں ان کے لڑکے محمد پیدا ہوئے ان کے پیدا ہونے کے دو سال کے بعد ان کی ماں ان کے جدی وطن مکہ لے آئیں اور وہیں اپنی ماں کے آغوش عاطفت میں بحالت یتیمی پرورش پائی اور بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا پھر دیہات میں ہذیل کے پاس گئے جو عرب کا فصیح ترین قبیلہ تھا وہاں ان کے اشعار خوب یاد کئے جب وہاں سے لوٹے تو فصاحت وادب میں خوب ماہر ہو چکے تھے پھر مسلم بن خالد زنجی جو حرم کے شیخ اور وہاں کے مفتی تھے ان سے علم حاصل کیا حتی کہ انھوں نے ان کو اجازت دیدی کہ فتوی دیا کریں آپ نے ان سے درخواست کی کہ وہ امام مالکؒ بن انس امام دار الہجرۃ اور وہاں کے دوسرے محدثین کو لکھیں چنانچہ انھوں نے ان کو خط لکھدیا اس کو لے کر مدینہ منورہ پہونچے اور امام مالکؒ کے پاس حاضر ہوئے اور موطا کو حفظ کیا ان کو پڑھ کر سنایا امام مالکؒ سن کر تعجب کرنے لگے اور بہت پسند فرمایا

امام شافعیؒ نے اس مدت میں مسلم بن خالد سے فقہ اور دو عظیم المرتبت انسان یعنی سفیان بن عیینہ محدث مکہ اور مالکؒ بن انس محدث مدینہ سے حدیث کی تعلیم حاصل کی اور یہ ان کے سب سے بڑے شیوخ میں سے ہیں لیکن ان کے سوا اور لوگوں سے بھی روایت کی ہے۔

امام شافعیؒ مالدار نہ تھے جس کی وجہ سے وہ ایسے کام کی تلاش پر مجبور ہوئے جس سے وہ رزق حاصل کر سکیں مصعب بن عبد اللہ قرشی قاضی یمن کی معاونت سے ایک کام میں لگ گئے اور اس میں ترقی حاصل کرتے رہے، یہ اس خلیفہ ہارون رشید کا زمانہ تھا اور آل عباس اور آل علی کے درمیان سخت دشمنی تھی اور رشید علویوں کی اور ان کے معاونین کی حرکات سے بہت ڈرتا اور محتاط رہتا تھا اور ان کو معمولی شبہ پر پکڑ لیتا تھا امام شافعیؒ پر بھی تشیع کی تہمت لگائی گئی اور بلاد یمن اس وقت ان شیعوں کا مرکز بنا ہوا تھا جو بنی عباس کی گھات میں لگے ہوئے تھے اور افراد قوم میں شیعوں کی دعوت کو پھیلا رہے تھے چنانچہ ان شیعوں کا معاملہ ہارون رشید کے پاس پیش کیا گیا امام شافعیؒ بھی ان کے ساتھ تھے ان کو بھی رشید کے پاس جانے کا حکم دیا چنانچہ وہ اُس کے پاس بھیجے گئے یہ ۱۸۴ھ کا واقعہ ہے اور کہا جاتا ہے کہ اُن پر یہ تہمت مطرف بن مازن قاضی صنعاء نے لگائی تھی حماد بربری والی یمن ان کو رشید کے پاس شہر میں لے گئے۔

امام شافعیؒ کو اس تہمت سے شدید خطرہ لاحق ہوا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدافعت کیلئے

Marfat.com

رشید کے دربان فضل بن ربیع کو کھڑا کر دیا اس نے ان کی طرف سے مدافعت کی حتیٰ کہ ان کی برأت ثابت ہوگئی امام شافعیؒ نے رشید سے اپنی شیعہ تہمت کی مدافعت میں جو کہا یہ تھا کہ کیا میں اس کو چھوڑ دوں گا جو اپنے کو ان کا چچازاد بھائی کہتا ہے (یعنے رشید) اور اس کو قبول کر لوں گا جو اپنے کو ان کا غلام کہتا ہے (یعنے امام شیعہ) اس کلمہ کا رشید کے دل پر بہت بڑا اثر پڑا ان کو چھوڑنے کا اور ان کو انعام دینے کا حکم کیا۔

اس فرصت میں امام شافعیؒ محمد بن حسن شیبانی سے ملے جو امام ابی حنیفہؒ کے شاگرد تھے اور فقہاء عراق کی کتابوں پر مطلع ہوئے اور اس پر طریقۂ اہل حدیث پہ معلومات کا اضافہ کیا اور انھوں نے محمد بن حسن سے کئی مناظرات کیے جس کی اطلاع رشید کو ملی جس سے وہ بہت خوش ہوا اور شافعیؒ کی کتابیں ان مناظرات سے بھری ہوئی ہیں، شافعیؒ عراق سے حجاز کی طرف لوٹے اور مکہ میں مستقل طور پر رہنے لگے۔ اور مدت دراز تک افادہ و استفادہ کا سلسلہ جاری رہا کیونکہ مکہ مکرمہ تمام ملکوں کے علماء کے آمد و رفت کا مقام تھا امام شافعیؒ ان سے ملتے اور ان سے مناظرہ کیا کرتے تھے اور یہ ان سے حاصل کرتے اور وہ لوگ ان سے حاصل کیا کرتے حتیٰ کہ دوبارہ ۱۹۵ھ میں عراق آنے کا ارادہ کیا یہ رشید کی وفات اور عبداللہ الامین کی حکومت کا زمانہ تھا چنانچہ وہاں پر گئے اور اس مرتبہ ان کے آنے پر علماء عراق کی ایک جماعت نے ان سے علم حاصل کیا اور وہاں انھوں نے اپنی وہ کتابیں جو عراقی مذہب یا قدیم مذہب کے بارہ میں تھیں لکھوائیں اور اس مرتبہ جب وہ واپس آئے تو محمد بن ابی حسان زیادی کے پاس اترے اور دو سال تک وہاں مقیم رہے اس دوران محمد بن حسن کی وفات ہو چکی تھی اور ابی حنیفہؒ کے شاگردوں میں اس وقت حسن بن زیاد مولوی تھے لیکن امام شافعیؒ جس طرح محمد بن حسن سے مناظرہ کیا کرتے تھے اُن سے نہیں کیا پھر حجاز کی طرف لوٹے اس وقت تک بغداد میں ان کی شہرت پھیل چکی تھی اور وہاں کے اکثر علماء ان کا طریقہ قبول کر چکے تھے پھر ۱۹۸ھ میں تیسری مرتبہ عراق آئے اور وہاں کئی مہینے ٹھیرے اور عراق سے مصر کے لئے سفر کیا اور فسطاط میں عبداللہ بن عبدالحکم کے پاس معزز مہمان کی حیثیت سے ٹھیرے اس وقت رہا امام مالکؒ کا طریقہ تمام مصریوں میں پھیلا ہوا تھا اکثر علمائے مصر اس کے متبع تھے امام مالکؒ کے شاگردوں میں سے جنھوں نے ان کا کلام سنا تھا عبداللہ بن عبدالحکم اور اشہب باقی رہ گئے تھے جو ان سے روایت کیا کرتے تھے۔

مصر میں امام شافعیؒ کی قابلیت اور قدرت کلام کا خوب اظہار ہوا اور وہاں اپنے مصری شاگردوں

Marfat.com

کو اپنی جدید کتابوں کا املا کرایا اور یہ ان کا مصری مذہب یا جدید طریقہ تھا اور پھر وہ اپنی وفات تک وہیں رہے ۲۰۴ھ میں ان کی وفات ہوئی اور مقبرہ بنی عبدالحکم میں مدفون ہوئے اور مصریوں نے ان کو زندگی میں اور وفات کے بعد جلیل القدر مانا اور حجازی ہونے کے باوجود وہ مصری شمار ہونے لگے اور امام شافعیؒ ہی وہ امام ہیں جنھوں نے بنفس نفیس اپنے مذہب کو پھیلانے کے لئے سفر کئے اور اپنی کتابیں اپنے ہاتھ سے خود لکھیں اور اپنے شاگردوں کو لکھوائیں اماموں میں ان کے سوا کسی کو یہ بات حاصل نہیں تھی۔

اور مذہب شافعیؒ کی بنیادی باتیں ان کے رسالہ اصولیہ میں درج ہیں کہ اولاً وہ ظواہر قرآن سے حجت کرتے ہیں حتیٰ کہ کسی دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ اس سے ظاہر قرآن مراد نہیں ہے اس کے بعد وہ سنت لیتے ہیں اور خبر واحد پر عمل کرنے کے متعلق بہت کافی حمایت کرتے ہیں بشرطیکہ اس کا راوی معتبر اور ثقہ ہو اور حدیث کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو اس کے سوا انھوں نے کوئی عمل تائید حدیث کے لئے شرط قرار نہیں دیا جیسا کہ مالکؒ نے شرط لگائی ہے اور نہ شہرت کی شرط جیسے اہل عراق نے لگائی ہے اور اس حمایت حدیث سے اہل حدیث کے نزدیک انھوں نے بڑا درجہ حاصل کر لیا حتیٰ کہ اہل بغداد ان کو "ناصر السنہ" کہنے لگے اور وہ سنت صحیحہ کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں جس نظر سے وہ قرآن کو دیکھتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک واجب الاتباع ہے حدیث کے بعد پھر اجماع پر عمل کرتے ہیں اور اجماع کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ اس کے خلاف کا علم نہ ہو اس لئے کہ ان کی نظر میں اجماع کا علم ناممکن ہے جیسا کہ ہم نے اس کے پہلے بیان کیا ہے اور جب کوئی منصوص دلیل نہ ملے تو پھر قیاس کی طرف رخ کرتے ہیں اور اس شرط پر عمل کرتے ہیں کہ اس کے لئے کوئی اصل معین ہو اور جس کو عراقی استحسان اور مالکی استصلاح کہتے ہیں اس کی شدت سے تردید کرتے ہیں البتہ وہ استدلال پر اور جو اس سے قریب ہو عمل کرتے ہیں اور چونکہ شافعیؒ حجازیوں اور عراقیوں کی فقہ کے اور بدوؤں کی فصاحت کے جامع تھے اس لئے وہ مناظرہ اور حسن تحریر میں یگانہ تھے ان کی تحریریں اس زمانہ کے بلیغ ترین شخص حافظ اور اس جیسے لوگوں سے کم نہ تھی۔

شافعیؒ کے شاگرد اور انکے مذہب کے راوی

شافعیؒ کے شاگرد عراق کے بھی ہیں اور مصر کے بھی۔

Marfat.com

عراقی شاگرد حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابو ثور ابراہیم بن خالد بن یمان کلبی بغدادی ان کی فقہ کا مدار رائے پر تھا۔ اور شافعیؒ کے آنے سے قبل اہل عراق کے قول پر عمل کرتے رہے جب شافعیؒ بغداد آئے تو ان کے پاس آنے لگے اور ان سے علم حاصل کیا اور وہ ایمہ فقہار شافعیہ میں گنے جانے لگے اگرچہ وہ شافعیؒ کی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ جب ان کو دلیل مل جاتی تو وہ ان کی مخالفت کیا کرتے تھے انھوں نے اپنے لئے چند آرار منتخب کرلی تھیں اور ان کا ایک خاص ہے مذہب اور ان کے ماننے والے بھی ہیں لیکن یہ مذہب زمانہ دراز تک باقی نہ رہا' ابو عمر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ وہ بالغ النظر اور انہی روایات میں ثقہ تھے لیکن بعض شاذ مسائل میں انھوں نے جمہور سے اختلاف کیا ہے لوگوں نے ان کو ائمہ فقہار میں سے شمار کیا ہے اور وہ مسائل جس میں انھوں نے جمہور یا امام شافعیؒ سے اختلاف کیا ہے یہ ہیں۔

(۱) تمام فقہار کے نزدیک دین وصیت پر مقدم ہے مگر ابو ثور وصیت کو اللہ تعالیٰ کے ظاہر قول کی بنار پر مقدم رکھتے ہیں۔

من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین۔ وصیت یا قرض کے بعد۔

(۲) کسی عیب کی بنار پر چیز کے لوٹانے کا اختیار اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ کلام سے رضامندی یا ایسا فعل نہ ہو جس کو لغت میں "رضا" سمجھا جائے اور مذہب شافعیؒ میں رد بالعیب کا اختیار فوراً ہو جاتا ہے۔

(۳) جب کوئی دو شخص قبلہ کی سمت کے بارے میں اجتہاد کریں اور ایک کا اجتہاد دوسرے کے خلاف ہو تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کی اقتدا جائز ہے اور ہر ایک اپنے قبلہ کی طرف رُخ کرے لیکن یہ ان کے علاوہ اور لوگوں کے مخالف ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے۔

ابو ثور کا انتقال ۲۴۰ھ میں ہوا' ابن خلکان کے قول کے مطابق ۲۴۶ھ میں۔

(۲) احمد بن حنبل اور ان کا ذکر عنقریب ان کے ذکر میں کیا جائے گا۔

(۳) حسن بن محمد بن صباح زعفرانی بغدادی جو مذہب قدیم کے راویوں میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور ثقہ ہیں کتاب عراقی انہی کی طرف منسوب ہے اور شافعیؒ کی مجلس میں قرأت کے ذمہ دار نہی ہوتے تھے اور انہی کی قرأت سے احمد اور ابو ثور اور کرابیسی نے حدیث سنی وہ سواد کے ایک گاؤں کی طرف جس کا نام زعفرانیہ ہے سے منسوب ہیں پھر بغداد کے بعض راستوں میں بیٹھے تو وہ

Marfat.com

راستے ان کی طرف منسوب ہو گئے۔

زعفرانی نے سفیان بن عینیہ اور شافعی وغیرہ سے حدیث سنی ان سے بخاری وغیرہ ائمہ حدیث نے روایت کی ہے بجز مسلمؒ کے، اور شافعیؒ ان کی فصاحت کی بہت تعریف کرتے تھے حتیٰ کہ ان کے بارے میں یہ فرمایا کہ میں نے بغداد میں ایک ایسے نبطی کو دیکھا جو عربی معلوم ہوتا تھا اور میں اُس کے مقابلہ میں نبطی ۲۶۰ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابو علی حسین بن علی کرابیسی اولاً عراقیوں کے مذہب پر فقہ حاصل کیا پھر شافعیؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی ان سے اور ان کے علاوہ دوسروں سے بھی حدیث سنی اور ان کو شافعیؒ نے زعفرانی کے کتابوں کی اجازت دی اور لوگوں نے ان سے حدیث کی روایت کرنے سے پرہیز کیا ہے کیونکہ امام احمد بن حنبل نے ان پر طعن کیا تھا کیونکہ مسئلہ لفظ کی بنا پر یعنے ان کے اس کہنے پر کہ "میرا قرآن کے الفاظ" پڑھنا مخلوق ہے اور یہ عجیب ہے، محمد بن عبداللہ صبرفی شافعی اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ عبرت پکڑو اس حسین کرابیسی اور ابو ثور سے کہ حسین کے علم اور حفظ کے مقابلہ میں ابو ثور دسواں حصہ بھی نہیں ہے لیکن امام احمدؒ نے ان کے بارے میں لفظ کی بنا پر طعن کیا تو وہ لوگوں کی نظر سے گر گیا اور ابی ثور کی تعریف کی تو وہ بڑھ گیا۔

(۵) احمد بن یحییٰ بن عبدالعزیز بغدادی متکلم جو شافعیؒ کے بڑے شاگردوں میں سے تھے پھر احمد بن ابی داؤد کے شاگردوں میں شامل ہوئے اور ان کی رائے کا اتباع کرنے لگے، ابو عاصم نے کہا ہے کہ وہ ان حفاظ میں سے ایک تھے جو زاہد بھی تھے اور مفتی بھی اور شافعیؒ نے ان کو اپنی کتابیں پڑھنے سے منع کر دیا تھا کیونکہ ان کی آنکھوں میں کچھ خرابی تھی، اور معتزلہ کے آراء کے اتباع نے ان کے درجہ کو گرا دیا، ابن سبکی نے کہا کہ وہ بہت سے قابل اعتراض مسائل کے قائل تھے چنانچہ وہ کہتے تھے کہ طلاق صفات سے نہیں پڑتی اور دلیل یہ تھی کہ جب نکاح متعہ اس لئے جائز نہیں کہ وہ ایسا عقد ہے جو ایک صفت سے متعلق ہے تو اسی طرح طلاق بالصفت بھی عقد معلق ہے اس کے بعد ابن سبکی نے کہا کہ یہ قول بالکل باطل اور اجماع کے خلاف ہے اور وہ ظاہریہ کے قول کے مثل ہے جیسا کہ ابن حزم نے محلی میں صراحت کی ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ جب مہینہ کی ابتدا ہو تو تجھ پر طلاق ہے یا کوئی اور وقت کا ذکر کیا تو اس کے اس کہنے سے نہ اس وقت طلاق ہوگی اور نہ جب مہینہ شروع ہوگا غالباً یہ ان مسائل میں سے ایک ہے جس میں ظاہریہ منفرد ہیں۔

Marfat.com

اور شافعیؒ کے عراقی شاگرد جنھوں نے فقہ حاصل کیا

(۱) داؤد بن علی امام اہل ظاہر ہیں جن کا بیان ہم علیحدہ عنقریب کریں گے۔

(۲) ابوعثمان بن سعید انماطی، جنھوں نے مزنی اور ربیع سے علم حاصل کیا اور یہ وہی ہیں جن سے بغداد میں امام شافعیؒ کی کتابیں مشہور ہوئیں اور انہی سے ابن سریج نے فقہ حاصل کیا۔ ۲۸۸ھ میں وفات پائی۔

(۳) ابوالعباس احمد بن عمر بن سریج، حسین زعفرانی وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی اور ابی القاسم انماطی سے فقہ حاصل کیا اور ان کو شافعیؒ کے تمام شاگردوں پر حتیٰ کہ مزنی پر ترجیح دیتے تھے، شیخ ابوحامد اسفرائنی کہتے ہیں کہ ہم ظاہر فقہ میں ابی العباس کے ساتھ چلتے ہیں لیکن دقائق فقہ میں نہیں اور وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مناظرہ کا دروازہ کھولا اور لوگوں کو جدال کا طریقہ سکھایا اور ان کی بہت سی تصنیفات ہیں جن کی تعداد (۴۰۰) تک پہونچتی ہے اور ان کے اور داؤد بن علی ظاہری کے اور ان کے لڑکے محمد کے درمیان بہت سے مشہور مناظرے ہوئے ۳۰۶ھ میں وفات ہوئی۔

(۴) ابوالعباس احمد بن ابی احمد طبرانی جو ابن القاص کے نام سے مشہور تھے، ابن سریج سے فقہ حاصل کیا اور وہ صاحب تصانیف مشہورہ تھے جو تلخیص و مفتاح و ادب القاضی وغیرہ ہیں اور اصول فقہ میں ان کی ایک تصنیف ہے امام جلیل تھے ۳۳۵ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابوجعفر محمد بن جریر طبری ہم عنقریب ان کا ذکر مخصوص طور پر علیحدہ کریں گے۔

امام شافعیؒ کے مصری شاگرد حسب ذیل ہیں۔

(۱) یوسف بن یحیی بویطی مصری جو مصر میں شافعیؒ کے بڑے شاگردوں میں سے تھے شافعیؒ سے فقہ حاصل کیا اور ان سے اور عبداللہ بن وہب وغیرہما سے حدیث روایت کی اور ان کی ایک مشہور کتاب مختصر ہے جس کو شافعیؒ کے کلام سے مرتب کیا ہے، امام شافعیؒ فتاوی میں ان پر اعتماد کیا کرتے تھے اور کوئی مسئلہ ان کے پاس آتا تو ان کے پاس بھیجا کرتے تھے اور اپنی موت کے بعد اپنے شاگردوں پر ان کو خلیفہ بنایا جن کی تعلیم و تربیت سے بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے جو مختلف شہروں میں پھیلے اور امام شافعیؒ کا علم اطراف عالم میں پھیلایا فتنۂ خلق قرآن کے زمانہ میں بغداد میں قید کی حالت میں ۲۳۱ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

(۲) ابو ابراہیم اسماعیل بن یحیی مزنی مصری ۱۷۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور جب جوان ہو کر علم حاصل کیا اور حدیث کی روایت کی یہاں تک کہ جب امام شافعیؒ ۱۹۹ھ میں مصر آئے تو ان سے فقہ حاصل کیا ابو اسحاق شیرازی کہتے ہیں کہ زاہد عالم مجتہد اور مناظر تھے صاحب حجت اور معانی دقیقہ پر غور کرنے والے تھے' انہی کے حق میں شافعیؒ کہتے ہیں کہ مزنی میرے مذہب کا ناصر ہے اور انھوں نے ایسی کتابیں تالیف کیں جس پر شافعیؒ مذہب کا مدار ہے اور انہی سے اکثر علماء خراساں و عراق و شام نے علم حاصل کیا ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

بعض اوقات مزنی اپنے استاد کی مخالفت بھی کرتے اور اپنے لئے کوئی نئی راہ اختیار کرتے لیکن شافعی حضرات ان اختیارات کو مذاہب میں جدید اقوال کی حیثیت نہ دیتے تھے اور یہ کچھ زیادہ بھی نہیں ہیں۔

(۳) ربیع بن سلیمان بن عبد الجبار مرادی ان کے آزاد کردہ غلام۔ جو جامع عتیق میں موذن تھے ۱۷۴ھ میں پیدا ہوئے امام شافعیؒ کی خدمت میں رہے اور ان سے بہت علم حاصل کیا اور ان سے حدیث روایت کی اور یہ ان کی کتابوں کے راوی ہیں اور ان سے جو روایت کرتے ہیں ان میں ثقہ اور قابل اعتماد ہیں حتی کہ ان میں اور مزنی میں کسی روایت میں اگر تعارض ہو جائے تو اصحاب امام شافعیؒ ربیع کی روایت کو مزنی پر ترجیح دیتے ہیں اور اطراف عالم سے لوگ ربیع کے پاس امام شافعیؒ کی کتابیں پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔

(۴) حرملہ بن یحیی بن عبد اللہ التجیبی ۱۶۶ھ میں ولادت ہوئی جلیل القدر اور رفیع الشان امام تھے ان کی اکثر حدیثیں ابن وہب سے روایت کردہ ہیں اور شافعیؒ سے فقہ حاصل کیا اور ان کے مذہب میں کتابیں لکھیں اور اشہب ان کے بارہ میں کہا کرتے تھے کہ یہ اہل مسجد کے بہترین لوگوں میں سے ہے ۲۴۳ھ میں وفات پائی۔

(۵) یونس بن عبد الاعلی صدفی مصری ۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور سفیان بن عیینہ و ابن وہب وغیرہم سے حدیث سنی اور امام شافعیؒ سے فقہ حاصل کیا۔ اور مصر میں علم کی پیشوائی حاصل کی امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مصر میں کوئی شخص یونس بن عبد الاعلی سے زیادہ عقلمند میں نے نہیں دیکھا ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

(۶) ابو بکر محمد بن احمد المشہور بابن حداد ان کی ولادت مزنی کے انتقال کے دن ہوئی حفظ قرآن میں یگانۂ روزگار اور فقہ میں امام عصر لغت میں دریا ذخار' معانی دقیقہ میں غور کرنے والے

Marfat.com

اور فروع کے لئے اس کے حسن استخراج میں کمال رکھنے والے اس پر لوگوں کا اتفاق ہے کہ وہ ان علوم میں یکتائے روزگار تھے کوئی ان تک نہیں پہونچا اور ان کی ایک کتاب فقہ میں الباہر ہے اور ایک کتاب ادب القضاء ہے وہ مصر کی زینت اور علم قضاء میں ماہر تھے ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔

جن لوگوں کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ براہ راست شافعیؒ کے مشہور شاگردوں میں سے تھے اور جن سے لوگوں نے ان کی تالیفات وتصنیفات کے ذریعہ علم حاصل کیا ان کی بھی بہت بڑی تعداد ہے اور امام مالکؒ کے شاگردوں کی طرح ان لوگوں نے بھی امام شافعیؒ کی بہت کم مخالفت کی ہے۔

چوتھے امام احمد بن حنبلؒ

احمد بن حنبل بن ہلال ذہلی شیبانی مروزی ثم البغدادی ہیں ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے بزرگ محدثین میں سے ہیں اور ہشیم اور سفیان بن عیینہ کے طبقہ اور بزرگ ائمہ سے حدیث سنی اور ان سے بخاری ومسلم اور ان کے طبقہ کے لوگوں نے روایت کی اور حدیث کے حاصل کرنے اور اس کے یاد کرنے میں خوب محنت کی حتی کہ اپنے زمانہ میں امام اہل حدیث ہوئے شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں بغداد سے نکلا تو وہاں کوئی شخص احمد بن حنبل سے بڑھ کر عالم وفقیہ وافضل عالم کسی کو نہیں چھوڑا، امام احمدؒ نے امام شافعیؒ سے جس وقت وہ بغداد آئے علم فقہ حاصل کیا اور وہ ان کے بغداد کے شاگردوں میں سب سے بڑے شاگرد ہیں پھر وہ خود مجتہد ہو گئے اور یہ اہل حدیث کے ان مجتہدوں میں سے ہیں جو بلاشرط خبر واحد پر عمل کرتے ہیں جبکہ اس کی سند صحیح ہو جیسے شافعیؒ کا طریقہ ہے اور اقوال صحابہ کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں اور احمدؒ کا شمار علمائے حدیث کی بہ نسبت فقہاء میں زیادہ ہوتا ہے مسند کی تصنیف کی جس میں تقریباً (۴۰) ہزار احادیث ہیں ان سے ان کے بیٹے عبداللہ نے روایت کی ہے اور اصول میں ان کی ایک کتاب "طاعت رسول" ہے اور ایک کتاب ناسخ ومنسوخ ہے اور کتاب العلل ہے۔

امام احمد بن حنبل سے ان کے مذہب کی جن مشہور لوگوں نے روایت کی ہے وہ مندرج ذیل ہیں۔ ابوبکر احمد بن محمد بن ہانی ہیں جو "اثرم" کے نام سے مشہور ہیں اپنی کتاب سنن کو جو فقہ میں ہے امام احمدؒ کے مذہب پر تصنیف کیا ہے اور اس میں حدیث سے دلائل لائے ہیں اور اسحاق بن ابراہیم

Marfat.com

ہیں جو ابن راہویہ مروزی کے نام سے مشہور ہیں اور یہ امام احمدؒ کے مشہور شاگردوں میں سے ہیں انھوں نے بھی فقہ میں کتاب السنن لکھی ہے۔

اور صرف امام احمدؒ بن حنبل ہی تھے جو خلق قرآن کے مسئلہ میں ثابت قدم رہے صرف کیونکہ اکثر اہل حدیث نے مامون رشید کی دعوت خلق قرآن کو قبول کر لیا تھا لیکن وہ ثابت قدم رہے اور لغزش نہ کھائی ۲۱۸ھ سے جس میں مامون کی دعوت شروع ہوئی ۲۳۲ھ تک جس میں متوکل نے اس دعوت کو ختم کر دیا اور لوگوں کو اپنے مسلک کے اختیار کرنے اور اپنے اعتقاد پر قائم رہنے کی اجازت و آزادی دی اس سے قطع نظر کہ ان کی رائے صائب تھی یا غلط یہ ثابت قدمی امام احمد بن حنبل کو بزرگی عطا کرتی ہے اور علماء کے سامنے ان کے درجہ کو بڑھاتی ہے کہ انھوں نے اپنے اعتقاد کی حفاظت کے لئے مصیبتوں کو اس خندہ پیشانی سے برداشت کیا جو انسان کے شرف کا بہترین زیور ہے ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

یہ چاروں ائمہ جمہور اسلام کے ائمہ ہیں جن سے ان کے مذاہب مشہور اور مدون ہوئے اور باقی رہے۔

ائمہ شیعہ

اس دور میں شیعوں کے دو مذہب مشہور ہوئے اور وہ شیعہ زیدیہ اور شیعہ امامیہ ہیں زیدیہ کی نسبت زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کی طرف ہوتی ہے جنھوں نے کوفہ میں ہشام بن عبد الملک پر خروج کیا اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے خلافت کی طلب میں بنی امیہ و بنی عباس کے خلاف بغاوت اور خروج کیا بعض نے بلاد طبرستان و بلاد یمن میں کچھ کامیابی بھی حاصل کی۔ اور اس مذہب کے اصول کی رو سے ان کے ائمہ میں اجتہاد کی شرط ضروری ہے اور اسی لئے ان میں ائمہ مجتہدین فقہ میں رائے رکھنے والے زیادہ ہوئے اور اس دور میں ان کا سب سے بڑا مجتہد جو مانا گیا وہ داعی الی اللہ امام ناصر حق حسن بن علی بن حسن بن زید بن عمر بن علی بن حسین بن علی ہیں جنھوں نے مذہب زیدیہ پر بہت سی کتابیں لکھیں جو فقہی ابواب پر مرتب ہیں جیسے کتاب الطہارۃ کتاب الاذان وغیرہ۔

اور انہی اماموں میں سے ایک امام داعی الی الحق حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن حسن بن علی ہیں اور یہ حسن جید علماء میں سے تھے اور بلاد طبرستان میں انھوں نے بغاوت کی

Marfat.com

اور سنہ ۲۵۰ھ میں اس پر قابض ہوگئے اور وفات تک یعنے سنہ ۲۷۰ھ تک اس پر قابض رہے انھوں نے فقہ میں ایک کتاب الجامع اور کتاب البیان وغیرہ لکھی ہیں۔

اور انہی میں سے قاسم بن ابراہیم علوی یرسی صاحب صعدہ ہیں جو بلاد یمن میں سے ہے ان کا زمانہ سنہ ۲۴۶ھ سے سنہ ۲۸۰ھ تک ہے زیدیہ قاسمیہ انہی کی طرف منسوب ہیں ان کی تصانیف کتاب الاشربہ اور کتاب الایمان والنذور وغیرہ ہیں۔

اور انہی میں سے ہادی یحیی بن حسن بن قاسم بن ابراہیم امام صعدہ ہیں سنہ ۲۸۰ھ سے سنہ ۲۹۸ھ تک رہے انہی کی طرف زیدیہ ہادویہ منسوب ہیں ان کی ایک کتاب جامع فقہ میں ہے اور اس دور کے بہت سے علماء اور محدثین مذہب زیدیہ کو امامت میں حق سمجھتے تھے۔

اور بلاد یمن کی اکثریت شیعہ زیدیہ ہے اور یہ فرقہ شیعوں کے تمام فرقوں سے جمہور کے مذاہب کے زیادہ قریب ہے اس لئے کہ زیدیہ شیخین کی تنقیص نہیں کرتے اگرچہ یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ امامت کے معاملہ میں ان سے بہتر تھے۔

شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کے اس زمانہ میں سب سے بڑے امام ابوعبداللہ جعفر صادق ہیں سادات اہل بیت میں سے تھے اور ہر بات سچ کہنے کی وجہ سے وہ صادق مشہور ہوئے سنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ان سے امام مالکؒ بن انس اور امام ابوحنیفہؒ اور اکثر علماء مدینہ نے روایت کی ہے مگر امام بخاریؒ نے ان سے کوئی حدیث نہیں لی۔ اور ان کے والد ابوجعفر محمد باقر ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا اور ان دونوں بزرگوں پر ہی شیعہ امامیہ کے فقہ کا دارومدار ہے اور اس دور میں ان کے سب سے بڑے مؤلف ابوالنضر محمد بن مسعود عیاشی اور ابوعلی محمد بن احمد بن الجنید ہیں اور جن کو شہرت عظیم حاصل ہے وہ زرارہ بن اعین ہیں جو فقہ وحدیث ومعرفت کلام اور تشیع کی بنا پر شیعہ حضرات میں سب سے بڑے امام ہیں جو ابی جعفر باقر کے شاگردوں میں سے ہیں اور ان کے لڑکے حسین بن زرارہؒ اور حسن بن زرارہ ہیں جو ابی عبداللہ جعفر صادق کے شاگردوں میں سے ہیں۔

اس فرقہ کی بنیاد ان امور پر ہے کہ ائمہ معصوم ہیں اور علی رضی اللہ عنہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں کہ ان کو شریعت کا ظاہر اور مخفی سب کچھ بتادیا اور انھوں نے یہ سب باتیں ان کو پہنچا دیں جو امامت میں ان کے جانشین تھے اور اسی لئے ائمہ کے اقوال ایسے ہیں جیسے شارع کے نصوص اور یہ کہ احکام رائے اور اجتہاد سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ امام معصوم کی طرف سے حاصل ہوتے ہیں اور اسی لئے ان کے یہاں اجماع تمام اور قیاس کے اصول

Marfat.com

نہیں ہیں، اجماع کا تو اس لئے کہ ان کے نزدیک اس شخص کے کہنے کا کوئی اثر ہی نہیں جو ائمہ میں سے نہ ہوا اور قیاس اس لئے کہ وہ رائے کا نام ہے اور دین رائے سے حاصل نہیں ہوتا ہے اور یہ لوگ تقیہ کے قائل ہیں، اور تقیہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اعتقاد کے سوا اور بات کا اظہار کرے اس شر سے بچنے کے لئے جو اس کو اس کے مخالفین سے پہونچنے کا اندیشہ ہو اسی لئے ان کی کتابوں میں جب اماموں کی روایتوں میں اختلاف ہوتا ہے تو جو امور جمہور کی رائے کے موافقت میں اس کے متعلق کہدیتے ہیں کہ یہ بطور تقیہ کے کہا گیا ہے اور ایسا جب ہوتا ہے جب ان پر اعتراض کیا جاتا ہے۔

ان کے استنباط احکام میں سیاست نے جو اثرات ڈالے ہیں اس کا ثبوت یہ ہے کہ شیعہ امامیہ میراث کے بارے میں اس بات پر متفق ہیں کہ حقیقی چچازاد بھائی علاتی چچا پر مقدم ہے باوجودیکہ ان سب کا قول یہ ہے کہ وراثت کا مدار قربیت پر ہے پس جس قدر انسان کا میت سے قریبی رشتہ ہوگا وہ میراث پانے کا دور کے قرابت والوں سے زیادہ مستحق ہوگا اور اسی لئے چچا زاد بھائی وراثت میں ماموں سے متاخر ہے لیکن وہ اس کو چچا سے بڑھا دیتے ہیں اور یہ صرف اس لئے کہ حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت میں حضرت عباسؓ پر مقدم کرنا چاہتے ہیں، اسی طرح ان کی اور رائیں جس میں وہ جمہور کی مخالفت کرتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) بھانجی کا نکاح اس کی خالہ پر اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور خالہ سے نکاح بھانجی پر اس کی اجازت کے بغیر کیا جا سکتا ہے اسی طرح پھوپھی اور بھتیجی کا حال ہے۔

(۲) نصرانیہ اور یہودیہ سے نکاح حرام سمجھتے ہیں اور وہ نص جس سے یہ نکاح حلال ہے اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے منسوخ قرار دیتے ہیں۔

ولا تمسکوا بعصم الکوافر۔

(۳) مریض کو طلاق دینے کا حق نہیں لیکن اس کو نکاح کرنے کا حق ہے اور اگر اس نے نکاح کرلیا اور اس سے صحبت کرلی تو جائز ہوگیا اور اگر صحبت نہ کی حتی کہ اسی مرض میں اس کا انتقال ہوگیا تو اس کا نکاح باطل ہوگیا اور اس عورت کو نہ مہر ملے گا نہ میراث۔

(۴) رضاعت کی حرمت اسی وقت ہوگی جبکہ ایک دن اور ایک رات دودھ پیا ہو یا ایک عورت جس نے ایک ہی مرد کے نطفہ سے بچہ جنا ہو اس سے پورے پندرہ مرتبہ اس طرح دودھ پئے کہ اس میں اس کے سوا کسی عورت سے دودھ نہ پئے۔

Marfat.com

(۵) طلاق جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حکم دیا اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابت ہے یہ ہے کہ جب عورت کو حیض آئے اور اس کے بعد وہ اپنے حیض سے پاک ہو تو اس سے صحبت سے پہلے اس کو دو عادل گواہوں کے سامنے ایک طلاق دے اس صورت میں جب تک کہ تین حیض پورے نہ ہوں اس سے رجعت کر سکتا ہے اگر اس نے اس کو لوٹا لیا یعنی رجعت کر لی تو وہ اس کے پاس رہے گی اس کے بعد اس کو پھر دو طلاق دینے کا حق حاصل رہے گا اور اگر تین حیض گزرنے تک رجوع نہیں کیا تو وہ اپنے نفس کی مالک ہے پھر اگر وہ منگنی کے اور خواستگاروں کے ساتھ خود بھی منگنی کا خواستگار ہو کرنا چاہے تو کرے اور اگر اس سے نکاح کر لیا تو اب اس کے پاس رہے گی اور اس کو دو طلاق کا حق رہے گا اور اس کے سوا طلاق کا کوئی طریقہ نہیں۔

(۶) جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے یا اس کو طلاق بائن یا طلاق بتہ دی یا اس کو "بریہ" یا "خلیہ" کہا تو یہ سب کچھ نہیں بلکہ طلاق یہ ہے کہ اس سے عدت سے قبل جبکہ وہ حیض سے پاک ہو جائے صحبت سے پہلے کہدے کہ تو مطلقہ ہے یا تو عدت گزار اور اسے طلاق سمجھ اور اس پر دو عادل گواہی دیں۔

(۷) تین طلاق ایک مجلس میں ایک ہی سمجھی جائے گی۔ اس کے علاوہ اور بھی آراء ہیں جس کو وہ اپنے ائمہ کے اقوال کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

فنا شدہ مذاہب

فقہاء کے مذاہب میں بعض ایسے بھی مذاہب ہیں جن کے ماننے والے تھے اور ایک مدت تک اسی پر لوگ چلتے رہے پھر ان پر اور مذاہب کا اثر پڑنے سے ختم ہو گئے اور اس کے ماننے والے رخصت ہو گئے ان مذاہب کے مشہور ائمہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابو عمرو عبدالرحمن بن محمد اوزاعی، اور اوزاع یمن کے قبیلہ ذی الکلاع کی ایک شاخ ہے پا کر دمشق میں ایک گاؤں ہے جو باب الفرادیس کے راستہ پر واقع ہے ان میں آکر ابو عمرو نے قیام کیا تھا ورنہ ان کا اصل خاندان بنی علی بن الثمر سے تعلق رکھتا ہے اور وہ خود بعلبک میں ۸۸ھ میں پیدا ہوئے اور جب جوان ہو کر حدیث پڑھنا شروع کیا چنانچہ عطاء بن ابی رباح اور زہری اور ان دونوں کے طبقہ سے حدیث پڑھی اور خود ان سے اکابر محدثین نے حدیث کی روایت کی

Marfat.com

اوزاعی انشا پرداز ادیب تھے اور ان کے رسائل بہت مشہور ہیں' ولید بن مرثد نے کہا ہے کہ میں نے کوئی بہتر کلمہ ایسا نہیں سنا کہ اس کے سننے والے کو اس کی سند ان سے لینے کی احتیاج نہ ہوئی ہو' اور میں نے ان کو کبھی قہقہہ مارتے ہوئے ہنستے نہیں دیکھا اور یہ انہی کا قول ہے کہ جب اللہ تعالے کسی قوم کی برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو ان پر جنگ وجدل کا دروازہ کھول دیتا ہے اور عمل سے ان کو روک دیتا ہے' اور یہ بھی انہی کا قول ہے کہ وہ فقہا قابل افسوس ہیں جو عبادت کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لئے فقہ حاصل کرتے ہیں اور شبہ کی وجہ سے جو چیزیں حرام ہیں انھیں حلال کر دیتے ہیں اور ان کی مشہور استقامت وہ گفتگو ہے جو عبداللہ بن علی سے انھوں نے کی جب وہ شام آئے اور بنی امیہ کو قتل کیا اور یہ وہ وقت تھا کہ وہ اپنی فوج میں تھے جن کی تلواریں برہنہ تھیں اس وقت اوزاعی کو بلا کر ان سے پوچھا کہ بنی امیہ کے قتل کے بارے میں تمہارا کیا فتویٰ ہے آپ نے جواب دیا کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ تھا جس کا پورا کرنا تم کو لازم تھا تو اس نے کہا تجھ پر افسوس ہے ایسا فتویٰ دے فرض کیجئے کہ ان کے اور ہمارے درمیان کوئی معاہدہ نہ تھا کہتے ہیں کہ مجھے کچھ ڈر ہوا اور قتل ہو جانے سے گھبرایا مگر پھر میں نے اللہ کے سامنے اپنے کھڑے رہنے کا خیال کیا اور زبان سے کہہ دیا کہ "ان کے خون تجھ پر حرام ہیں" اس پر وہ غضبناک ہوا اور اس کی آنکھیں اور رگیں پھول گئیں اور کہنے لگا تو ہلاک ہو یہ کیوں؟ تو میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان آدمی کا خون بجز تین صورتوں کے جائز نہیں ایک یہ کہ شادی شدہ شخص زنا کرے دوسری یہ کہ جان کے بدلہ میں جان لینا اور تیسری یہ کہ کوئی شخص دین کو چھوڑ دے اس نے کہا کہ تجھ پر افسوس ہو کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ ہماری حکومت دینی ہے میں نے کہا وہ کیسے؟ تو کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رض کے لئے وصیت نہیں کی تھی میں نے کہا کہ اگر ان کے لئے وصیت کی ہوتی تو دونوں حکم اس کا فیصلہ نہ کرتے" اس پر خاموش ہو گیا حالانکہ غصہ سے بھرا ہوا تھا اور مجھے اندیشہ ہو رہا تھا کہ عنقریب میرا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا پھر اس نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کر کے حکم دیا کہ اس کو نکال دو' تو میں نکال دیا گیا۔

امام اوزاعیؒ ان اصحاب حدیث میں سے تھے جو قیاس کو برا سمجھتے تھے اور اہل شام ان کے طریقہ پر عمل کرتے تھے اور اوزاعی قاضی شام تھے پھر اوزاعیؒ کا مذہب بنی امیہ کی نسلوں کے ساتھ اندلس میں منتقل ہو گیا پھر شام میں امام شافعیؒ کے مذہب کے مقابلے میں اور اندلس میں

Marfat.com

امام مالکؒ کے مذہب کے مقابل سامنے تیسری صدی کے نصف میں اوزاعی کا مذہب ختم ہوگیا اوزاعیؒ کا انتقال ۱۵۷ھ میں ہوا۔

(۲) ابوسلیمان داؤد بن علی بن صف اصبہانی جو ظاہری کے نام سے مشہور تھے کوفہ میں ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور اسحاق بن راہویہ اور ابی ثور وغیرہما سے علم حاصل کیا یہ امام شافعیؒ کے بڑے حامی تھے اور ان کے فضائل اور تعریف میں دو کتابیں لکھیں۔ اور بغداد میں انہی کو علم کی مقتدائیت ملی پھر انھوں نے اپنے لئے ایک خاص مذہب بنالیا جس کی بنیاد ظاہر کتاب وسنت پر عمل کرنا ہے جب تک کہ ان دونوں سے یا اجماع سے کوئی دلیل ایسی نہ مل جائے جس سے ظاہر کے سوا اور کوئی چیز مراد نہ ہو اور جس بات میں کوئی نص نہ پائی جائے اجماع پر عمل کیا جائے گا اور قیاس کو بالکل چھوڑ دیا اور کہتے تھے کہ کتاب وسنت کی عام نصوص میں ہر ایک کا جواب موجود ہے۔

داؤد نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بعض کتابیں ان کی فقہ میں ہیں اور بعض اصول میں ایک کتاب تقلید کے رد میں اور ایک کتاب قیاس کے رد میں۔ ایک کتاب خبر واحد' کتاب الخبر موجب العلم۔ کتاب الحجہ' کتاب خصوص وعموم' کتاب مفسر ومجمل وغیرہ ان کے لڑکے محمد جو فاضل ادیب شاعر اخباری اور ظریفوں اور دستورین میں سے تھے اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے انھوں نے اپنے باپ سے علم حاصل کیا اور اُن کے مذہب پر چلے۔

داؤد کے متبعین میں۔ اور ان کے مذہب کے مطابق مؤلفین میں ابوالحسن عبداللہ بن احمد ابن محمد بن الغلس تھے اور ان کے زمانہ میں داؤدیوں کی ریاست انہی کو ملی اور ان کے بعد ان کا کوئی مثل نہیں نکلا فاضل عالم جید ثقہ سچے اور تمام لوگوں کے نزدیک مقدم تھے۔ ۳۲۴ھ میں وفات پائی۔

داؤد کا مذہب پانچویں صدی کے نصف تک چلتا رہا پھر وہ مضمحل ہوگیا اور ان کی بہت سی رائیں ہیں جن میں انھوں نے جمہور کی مخالفت کی ہے جو قیاس' رائے کے چھوڑنے اور ظاہر کتاب وسنت پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے اور میں نے ابی محمد علی بن احمد ابن سعید ابن حزم الاندلسی (جو ۴۵۶ھ میں فوت ہوئے) کی کتاب محلی میں اس قسم کے مسائل بہت سے دیکھے ہیں جن میں سے یہاں چند ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) طلاق تین الفاظ اور اُن کے مشتقات سے پڑتی ہے۔ طلاق۔ تسریح۔ فراق جبکہ

Marfat.com

اس سے طلاق کی نیت لی جائے اور اگر وہ ان میں سے کوئی لفظ کہکر یہ کہے کہ میں نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا تو فتویٰ میں اسی کا کہنا مانا جائے گا اور طلاق اور اس کے مشتقات کے متعلق قضاء میں اعتبار نہ ہوگا اور ان تمام میں قضاء میں بھی اعتبار ہوگا اور ان الفاظ کے سوا اور الفاظ سے طلاق واقع ہی نہ ہوگی مطلقاً اس سے طلاق کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو نہ فتاویٰ میں نہ قضاء میں جیسے کہ کہدے تو خلیہ ہے بریہ ہے مبرأۃ ہے میں نے تجھ کو بری کردیا' تیری رسی تیری گردن پر ہے' میں نے تجھے تیرے خاندان کو ہبہ کردیا یا غیر خاندان کا ذکر کرے اور تحریم وتخییر وتملیک میں۔

(۲) طلاق میں وکالت جائز نہیں۔

(۳) کسی غائب شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو طلاق نہ ہوگی اور وہ اس کی اسی طرح بیوی رہے گی جیسے پہلے تھی اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور تمام زوجیت کے حقوق دونوں میں برابر رہیں گے اس سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو تین طلاق دے یا کم یہانتک کہ خبر اس عورت کے پاس پہونچ جائے جب خبر اس کے پاس پہونچ جائے اور وہ تصدیق کرے یا اس کی گواہی فیصلہ میں قبول ہوجائے تو اس وقت اس پر طلاق واقع ہوگی خواہ وہ حاملہ ہو یا اس طہر میں جس میں اس کے ساتھ صحبت کی ہو۔

(۴) جس شخص نے طلاق دیدی لیکن اس کا قصد طلاق کا نہ تھا محض زبان کی غلطی سے ایسا کہدیا۔ اگر اس پر گواہ قائم ہوگئے تو طلاق کا فیصلہ کیا جائیگا اور اگر گواہ قائم نہ ہوں بلکہ وہ فتویٰ طلب کرنے آیا تو اس کو طلاق لازم نہ ہوگی۔

(۵) طلاق کے لئے قسم لازمی نہیں چاہے پورا کرے یا نہ کرے اس سے طلاق واقع نہ ہوگی طلاق صرف اُسی طرح ہوگی جس طرح کہ اللہ عزوجل نے رسول اللہ کے ذریعہ حکم دیا ہے اور قسم بھی وہی ہے جیسے کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حکم دیا ہو۔

(۶) طلاق بالصفت بھی طلاق بالیمین کے مثل ہے اور ان سب سے طلاق نہیں ہوسکتی طلاق اسی طرح ہوگی جس طرح کہ اللہ عزوجل نے اس کا حکم دیا اور اس کی تعلیم دی اور وہ یہ ہے کہ طلاق کا ارادہ کیا جائے اس کے سوا سب باطل ہے اور حدود اللہ سے تجاوز ہے۔

(۷) جس نے اپنی عورت سے کہا کہ جب مہینہ کی ابتدا ہوگی تو تجھ کو طلاق ہے یا اور کسی وقت کا ذکر کیا تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی نہ اب اور نہ اس وقت جب مہینہ کی ابتدا ہوگی۔

(۸) جس نے اپنی عورت کو اس کا اختیار دیدیا کہ وہ خود کو طلاق دے لے تو اس کو طلاق

Marfat.com

دینا لازم نہ ہوگا اور خواہ وہ اپنے کو طلاق دے یا نہ دے اس کو طلاق نہ ہوگی۔

(۹) جب عورت کو اپنے شوہر سے ناگواری ہو اور اس کو خوف ہو کہ وہ اس کا حق پورا نہ کرے گا یا اس کا خوف ہو کہ وہ اس سے بغض رکھے گا اور بوجہ بغض کے اس کا حق پورا نہ کرے گا تو اس کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ فدیہ ادا کر کے اس سے علیحدہ ہو سکتی ہے اور اگر شوہر راضی ہو تو وہ اس کو طلاق دے سکتا ہے ورنہ طرفین کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان دونوں کی رضامندی سے ہی معاملہ طے ہو سکتا ہے اور فدیہ بجز دونوں مذکورہ وجہوں میں سے کسی ایک کے یا دونوں وجہوں کے جائز نہیں اگر ان کے علاوہ کسی اور وجہ سے ہو تو وہ باطل ہے اور جو اس عورت سے مرد نے لیا ہے وہ اس کو واپس کیا جائے گا اور وہ اسی طرح اس کی بیوی رہے گی جیسے پہلے تھی اور فقط شوہر کو اس پر ظلم سے منع کیا جائے گا اور اس کو حق حاصل ہے کہ اپنے جمیع مال سے فدیہ ادا کرے اس طرح طلاق رجعی ہو گی بجز اس کے کہ وہ تین بار طلاق دے یا تین کے آخری ہو یا اس سے صحبت نہ کی ہو اور اگر عدت میں اس سے رجوع کرے تو جائز ہے وہ پسند کرے یا نہ کرے اور جو کچھ مرد نے اس عورت سے لیا ہے وہ اس عورت کو واپس کر دے۔

(۱۰) طلاق اور رجوع بغیر دو عادل گواہوں کی گواہی کے صحیح نہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغداد میں رائے اور استنباط کی علماء کو پوری آزادی تھی اور وہ اس سے پوری طرح فائدہ اٹھاتے تھے اور ان کو اپنے علاوہ دوسرے فقہاء کی مخالفت سے کوئی ایذا نہیں پہونچتی تھی لیکن اندلس میں علماء کو یہ آزادی نہ تھی اسی لئے ابن حزم کو ان کے شہر کے فقہاء کی ناراضی کی بناء پر جو ان کی آراء کی وجہ سے ان کے مذاہب کی مخالفت میں تھی تکلیف پہونچی اور انھوں نے امراء کو ان کی مخالفت پر ابھارا اور ان سے امراء کو ڈراتے تھے تو امراء نے ان کو دھمکایا لیکن وہ کسی سے نہ ڈرے نہ اپنی رائے سے ہٹے کیونکہ وہ ایک عظیم المرتبت انسان تھے اور عظیم المرتبت انسان اپنے معتقدات کے سلسلے میں بڑی سے بڑی مصیبتوں کو جھیل لیتا ہے لیکن ہم یہاں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ ان کی رائے صحیح تھی یا غلط بلکہ ہم گزشتہ زمانوں کی ایک تصویر آپ کو دکھا رہے ہیں۔

میں نے ابن سبکی کی طبقات شافعیہ میں ایک فصل ظاہریہ کے آراء کی دیکھی ہے کہ فروع میں ان کی رائے کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں تین قول نقل کئے ہیں ایک تو یہ کہ مطلقاً انکا اعتبار کیا جائے گا اور وہی صحیح ہے اور دوسرا یہ کہ مطلقاً ان کا اعتبار نہ کیا جائے اور استاذ ابو اسحاق نے اس رائے کو جمہور کی طرف کیا ہے اور تیسرا یہ کہ اعتبار کیا جائے بجز ان امور کے جن میں قیاس

Marfat.com

جلی کی مخالفت ہو اور ابن سبکی نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ وہ قیاس جلی کا انکار نہ کرتے تھے بلکہ صرف خفی کا انکار کرتے تھے اور ابن سبکی نے داؤد کے ایک رسالہ سے جس کا نام اصول تھا ایک عبارت نقل کی ہے جو حسب ذیل ہے۔

"اور قیاس سے حکم لگانا واجب نہیں اور استحسان ناجائز ہے۔ پھر کہا اور جائز نہیں کہ جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کہہ دیا ہو تو کوئی شخص اسی کے مشابہ کسی چیز کو حرام کردے اور جس کو آپ نے حرام نہ کیا ہو بجز اس کے کہ وہ یہ بتادے کہ اس کے حرمت کی علت کیا ہے مثلاً یہ کہہ دے کہ گیہوں کے بدلے گیہوں اس لئے حرام ہے کہ وہ تولا جاتا ہے اور اس کپڑے کو دھو اس لئے کہ اس میں خون ہے یا اس کو مار ڈال کہ یہ سانپ ہے تو اس سے معلوم ہوگا کہ جس وجہ سے حکم دیا ہے وہ بتا بھی دیا اور جو حکم ایسا نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی تعمیل ضروری ہے اور جو اس سے تجاوز کر جائے تو اس سے خاموشی اختیار کی گئی اور وہ معافی کے باب میں داخل ہے گویا جس کلمہ کی علت بیان کردی گئی اس کو قیاس نہیں کہتے۔

(۳) ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید طبری ۲۲۴ھ میں طبرستان کے علاقہ آمل میں پیدا ہوئے علم حاصل کیا اور شہروں کی خوب سیاحت کی اور اس قدر علوم جمع کئے جس میں ان کے زمانہ والے ان کے شریک فن نہ ہوسکے۔ حافظ قرآن اصحاب اور تابعین کے اصول سے واقف لوگوں کا زمانہ اور ان کی تاریخ سے واقف تھے اُن کی تصانیف میں اُن کی مشہور تاریخ ہے عربی تاریخوں میں اس سے بہتر کوئی تاریخ نہیں اور ان کی ایک کتاب تفسیر ہے جس کی مثل کوئی تفسیر نہیں ان کی ایک کتاب تہذیب آثار ہے جس کو وہ مکمل نہ کرسکے اور ان کی ایک کتاب اختلاف فقہاء ہے ان کا ایک حصہ مصر کے کتب خانہ میں ہم نے محفوظ دیکھا تھا جو ان کے وسیع علم اور زیادتی عقل کی دلیل ہے۔

ابتداءً انھوں نے مصر میں مذہب شافعیؒ کے مطابق ربیع بن سلیمان سے فقہ حاصل کیا اور مالکؒ کی فقہ یونسؒ بن عبدالاعلی اور بنی عبدالحکمؒ سے حاصل کیا اور رے میں ابی مقاتل سے اہل عراق کا فقہ سیکھا یہاں تک کہ اُن کا علم اس قدر وسیع ہوا کہ اجتہاد نے انہی کتب فقہیہ میں اپنا ایک مستقل مذہب اختیار کرلیا اُن کی تصانیف میں ایک کتاب لطیف القول ہے اور اس میں ان کے منتخب اقوال درج ہیں ایک کتاب خفیف ہے جس کو مکتفی وزیر کی فرمائش پر لکھا اس کے بعد کتاب بسیط لکھنا شروع کی جس میں کتاب الطہارۃ اور اکثر احکام نماز لکھے اور اسی میں کتاب الحکام ومحاضر سجلات مرتب کیں۔

Marfat.com

اوران کے شاگرد جنھوں نے ان کے منصب کے مطابق فقہ حاصل کیا حسب ذیل ہیں۔

(۱) علی بن عبدالعزیز بن محمد بن دولابی ہیں جن کی متعدد تصانیف ہیں ان میں سے ایک کتاب داؤد بن مفلس جو داؤدؒ کے شاگرد ہیں کے رد میں لکھی اور ایک کتاب افعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

(۲) محمد بن احمد بن محمد بن ابی الثلج کاتب ہیں۔

(۳) ابوالحسن احمد بن یحیی منجم متکلم ہیں ان کی تصانیف المدخل الی مذہب الطبری ونصرۃ مذہبہ اور کتاب الاجماع فی الفقہ علی مذہب الطبری اور کتاب الرد علی المخالفین ہیں۔

(۴) ابوالحسن دقیق حلوانی ہیں۔

(۵) ابوالفرج معافی بن ذکریا نہروانی ہیں جو ابوجعفر کے مذہب اور ان کی کتابوں کے حفظ کرنے میں یگانہ روزگار ہیں اور ان علوم کے علاوہ بہت سے علوم میں ماہر و یکتا ہیں اور انتہائی ذکی اور بہترین حافظ اور حاضر جوابی میں مشہور ہیں فقہ میں بہت سی کتابیں طبری کی مذہب پر لکھی ہیں۔

اور یہ مذہب پانچویں صدی کے نصف تک مشہور اور معمول بہ رہا۔

یہ وہ مشہور مذاہب ہیں جن پر ایک زمانہ تک عمل ہوتا رہا پھر اس کے بعد ان کے جاننے والے ختم ہو گئے اور صرف کتابوں میں ان کا نام باقی رہ گیا۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ائمہ ہیں کہ وہ خود اجتہاد کرتے تھے لیکن ان کے مذہب کے پھیلانے والے ان کو میسر نہ ہوئے جیسے لیثؒ بن سعد امام اہل مصر اور امام مالکؒ کے دوست جن کے بارے میں امام شافعیؒ کا قول ہے کہ وہ امام مالکؒ سے زیادہ فقیہ ہیں لیکن ان کے شاگردوں نے ان کو بلند نہیں کیا اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ ہیں جن کے حالات لکھنے کی یہ کتاب متحمل نہیں۔

اور خلاصہ یہ کہ یہ دور اجتہاد کا دور تھا اس میں تقلید کا کچھ اثر نہ تھا اور خصوصاً طبقہ اولیٰ کے ائمہ کے شاگردوں کے دور میں تقلید بالکل نہ تھی بعد کے طبقات میں تقلید شروع ہو چکی تھی لیکن اجتہاد استنباط کے مقابلہ میں جلد ہی ختم ہو جاتی تھی اس زمانہ میں آزادی رائے وسعت سے تھی ہم عنقریب ایک فصل میں چاروں طریقہ کی اشاعت اور جمہور اسلام کا ان پر عمل کے اسباب بیان کریں گے۔

مسائل کی جزئیات

اس دور سے پہلے فقہ بالکل سادہ تھی کیونکہ جن مسائل کا روزمرہ واسطہ رہتا تھا انہی پر حکم

Marfat.com

رکھا نے تک محدود تھی اور فقہار فرضی مسائل پر اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا کرتے تھے۔

لیکن اس دور میں فقہار نے کثرت سے مسائل ایجاد کئے اور ان کے احکام مرتب کئے اس معاملہ میں اہل عراق سب سے آگے تھے کہ انھوں نے قوت تخیل پر اعتماد کرکے لوگوں کے لئے ہزار ہا مسائل نکالے جن میں سے کچھ تو ایسے تھے جن کا وجود ممکن تھا اور بعض وہ ہیں کہ جن کے وجود کی اہمیت محسوس کرنے کے لئے مدتیں درکار ہیں مختلف شہروں کے وہ ائمہ جو قیاس کو فقہ میں ایک اصول سمجھتے تھے اس معاملہ میں وہ فقہار عراق کے زیر نگرانی تھے۔

اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ انھوں نے تین موضوع کو سینکڑوں مسائل کی بنیاد قرار دیا اور اُن کے جوابات نکالنے میں بہت مشقت اٹھائی اور وہ تین جز و یہ ہیں غلام اور اس میں تصرف بیوی اور اس کی طلاق۔ قسم اور قسم شکنی۔

چونکہ غلام ان کے پاس زیادہ تھے اس لئے ان کے خیالات و توجہات اس مسئلہ میں زیادہ مبذول ہوئیں اسی لئے تم ابواب معاملات میں کوئی باب ایسا نہ پاؤ گے کہ غلام اور لونڈی کے احکام پر مشتمل نہ ہو ل بیع۔ اجارہ۔ شراکت۔ رہن۔ وصیت۔ آزادی وغیرہ سب میں ہی ان کے متعلق مسائل ضرور ہیں۔

لیکن بیوی اور اس کی طلاق کے مسائل کی اصل وجہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان مسائل کی طرف کس بات نے ان کے افکار کو متوجہ کیا کہ طلاق کے مسائل انھوں نے وضع کئے بہت غور کے بعد بھی اصل وجہ معلوم کرنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ اور اگر یہ مسائل جن کے وقوع کا تصور اگرچہ کسی ہذیانی سے آدمی سے ہو سمجھ میں آتا تو ہم یہ سمجھتے کہ اتفاقیہ پیش آنے والے واقعات کا جواب دینے کی تیاری کرتے تھے تا کہ کسی مفتی یا قاضی سے اس قسم کا سوال کیا جائے تو وہ متردد نہ ہو لیکن وہ ایسے مسائل ہیں جن کا تصور بھی مشکل ہے تو تعجب اور افسوس اور زیادہ ہوتا ہے اس وقت پر جو ان مسائل پر صرف کیا گیا۔

میں نے امام محمد بن حسن کی کتاب جامع کبیر میں پڑھا ہے "اگر کسی شخص کی تین بیویاں ہیں ان میں سے کسی سے صحبت نہیں کی ہے ان میں سے ایک کا نام زینب دوسری کا عمرہ اور تیسری کا حمادہ ہے۔ اور اس نے زینب سے کہا کہ اگر میں تجھ کو طلاق دیدوں تو عمرہ کو طلاق ہو جائے گی اور اس کے بعد عمرہ سے کہا کہ اگر میں تجھ کو طلاق دیدوں تو حمادہ کو طلاق ہو جائے گی اور حمادہ سے کہا اگر تجھے طلاق دوں تو زینب کو طلاق ہو جائے گی تو زینب کو تو اس کے طلاق دینے سے طلاق واقع

Marfat.com

ہو جائے گی لیکن عمرہ کو طلاق اس کی قسم شکنی سے ہو گی اور ان دو کے سوا کسی پر طلاق نہ ہو گی۔ اور اگر اس نے زینب کو طلاق نہیں دی اور عمرہ کو طلاق دی تو عمرہ اس طلاق سے جو اس نے دی طلاق پائے گی اور قسم شکنی سے حمادہ کو طلاق ہو گی اور زینب کو مطلقاً طلاق نہ ہو گی اور اگر اس نے عمرہ کو طلاق دی لیکن حمادہ کو طلاق دی تو حمادہ کو وہ طلاق ہو جائے گی جو اس نے دی اور زینب قسم شکنی کی وجہ طلاق پائے گی اور عمرہ کو بھی دوسری طلاق پڑ جائے گی قسم شکنی کی بنا پر کیونکہ اس نے زینب میں عہد شکنی کی تو عمرہ کو طلاق ہو گی زینب میں قسم شکنی کی بنا پر' اور اگر اس نے ان میں سے کسی عورت کو طلاق نہیں دی لیکن یہ کہا کہ تم میں سے ایک کو طلاق ہے پھر قبل اس کے کہ وہ یہ بتائے کہ ان میں اس نے کس کو طلاق دی مر جائے تو عمرہ کو نصف مہر ملے گا اور اس کو میراث نہ ملے گی اور زینب و حمادہ کو مہر ملے گا ایک مہر پورا اور چوتھائی جو دونوں میں نصف نصف تقسیم ہو جائے گا اور ان کو نصف میراث بھی ملے گی جو دونوں میں نصف نصف تقسیم ہو گی اور نصف میراث دوسرے ورثار کو ملے گی کیونکہ عمرہ کو تو ہر حالت میں طلاق ہو گی اور زینب و حمادہ کو ایک حال میں تو دونوں کو طلاق ملے گی اور ایک حالت میں ان میں سے ایک کو طلاق ملے گی تو ان دونوں کو ایک حالت میں تو مہر ملے گا اور ایک حالت میں پورا مہر و نصف ملے گا اسی لئے ان کو پورا مہر اور نصف مہر ملے گا اور رہی میراث تو ایک حالت میں تو ان دونوں میں سے ایک کو ملے گی اور ایک حالت میں دونوں کو نہ ملے گی اسی لئے ان دونوں کو نصف میراث دی جائے گی جو ان دونوں میں نصف نصف تقسیم کی جائے گی۔

پھر دوسرے مسائل میں انہی بیویوں کا یہ حساب بھی کیا گیا کہ اگر وہ ان میں سے کسی کے ساتھ صحبت نہ کرے اور وہ چار ہیں تو حساب اور کسور کی اس میں زیادتی ہے۔

اور میں نے امام محمد بن ادریس شافعی کی کتاب الام میں دیکھا ہے۔

طلاق بالحساب

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے ایک اس کے پہلے ایک ــــ یا ایک اس کے بعد ایک' تو یہ دو طلاقیں ہوں گی' اور اگر اس نے کہا کہ میرا ارادہ صرف ایک طلاق کا تھا اور قبل یا بعد کی طلاق سے میں نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا تو حکم میں اس کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان اعتبار کیا جائے گا' اور اگر اس نے

Marfat.com

اس کو ایک طلاق دی پھر اس سے رجوع کر لیا پھر کہا تجھے طلاق ہے ایک اس کے پہلے ایک پھر کہا میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اس کے پہلے ایک طلاق دے چکا تھا تو اس کو قسم دی جائے گی اور فیصلہ میں اس کی بات مان لی جائے گی اور اگر کہا تجھے طلاق ہے ایک اس کے بعد ایک پھر خاموش رہا پھر کہا میں نے ارادہ کیا تھا اس کے بعد ایک طلاق تجھ کو دوں گا یا تجھ کو صرف اسی وقت کے بعد دوسری طلاق دونگا تو فیصلہ میں اس کی بات نہ مانی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے اور اس کے درمیان مانی جائے گی، اور اگر مرد نے اپنی عورت سے کہا کہ تیرا بدن یا تیرا سر یا تیرا پاؤں یا تیرا ہاتھ یا اس کے جسم سے کسی عضو کا نام لیا یا اس کی انگلی یا اس کا ایک طرف تو اس کو طلاق ہے اور اگر یہ کہا کہ تیرے بعض حصوں کو طلاق ہے یا کہا کہ تیرے جزء کو طلاق ہے یا ہزار جزء میں سے ایک جزء کا نام لیا تو اس کو طلاق ہو جائے گی اور طلاق کے حصے نہیں ہوتے اور اگر عورت سے کہا کہ تجھے طلاق ہے نصف طلاق تو اس کو ایک ہی طلاق ہوگی بجز اس کے اس نے دو کا ارادہ کیا ہو یا کہے کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ نصف واقع ہو جائے اس کے حکم سے جو ہو گیا اور نصف اس کے حکم سے ہوگا جو بعد میں دیگا تو دو طلاقیں پڑ جائیں گی اور اگر اس سے کہا کہ تجھے ایک طلاق میں سے تین تہائی طلاق ہے یا ایک طلاق میں سے چار تہائی طلاق ہے تو ان میں سے ہر ایک ایک طلاق ہو جائے گی کیونکہ ہر ایک طلاق دو نصف یا تین تہائی یا چار چوتھائی کا مجموعہ ہوتی ہے الا اینکہ وہ اکثر کی نیت کرے تو لفظ کے ساتھ نیت کے اعتبار سے پڑے گی، اور اگر اس نے کسی عورت کے ساتھ اپنی عورت کو دیکھا اور یہ کہا کہ تم میں سے ایک کو طلاق ہے تو مرد کا قول اس بارہ میں معتبر ہوگا اگر اس نے اپنی بیوی کا ارادہ کیا تھا تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور اگر اجنبی عورت کا ارادہ کیا تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی اور اگر وہ کہے کہ میں نے اجنبی عورت کا ارادہ کیا تھا تو قسم دی جائے گی اور اس کی عورت اپنی حالت پر رہے گی اور اس کو طلاق نہ ہوگی اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے دو میں ایک تو اس سے پوچھا جائے گا کہ "دو میں" سے اس کی کیا مراد ہے اگر اس نے کہا کہ اس سے میری مراد کچھ نہ تھی تو اس کو صرف ایک طلاق ہوگی، اسی طرح اور خیالی نادر صورتیں ہیں حالانکہ کتاب الام کا اکثر حصہ خیالی مسائل سے دور ہے۔

اور کتاب المدونۃ جو امام مالکؒ سے منقول ہے طلاق کے معاملات اکثر ان مسائل سے بعید نہیں ہے کیونکہ اس کی اصل محمدؒ بن حسن کی کتب ہیں۔

اب رہا قسموں اور نذروں کا معاملہ تو وہ ایک دریائے ناپیدا کنار ہے اس میں ایسی اقسام

Marfat.com

نظر آئیں گی جن میں حیرت انگیز تنوع ہے گویا قسموں میں سے ہر وہ چیز جو خیال میں آ سکتی ہے فقہا نے سامنے رکھ کر اس کا ذکر کیا ہے پھر اس کا جواب لکھا حالانکہ اس میں بہت سی اشیاء ایسی ہیں جس میں اختلاف بلاد کے لحاظ سے معمول مختلف ہوتا ہے۔ کاش میں سمجھ سکتا کہ قسموں اور آزادی اور طلاق کے بارے میں مسائل کی یہ کھینچا تانی کیوں ہوئی، ہو سکتا ہے کہ اس بیعت پر قسم لینے کا طریقہ کو جو قرن اول کے آخر میں پیدا ہوا یہ اسی کا اثر ہو جیسا کہ قرن ثانی کے ایک معاہدہ میں ہے جس کا ایک نمونہ یہ ہے۔

"اگر تم نے ان معاہدوں میں سے کسی کو بدلا یا اس میں تغیر پیدا کیا یا معاہدہ کی خلاف ورزی کی یا تم نے اس حکم کے خلاف کیا جو تم کو امیر المومنین دیں یا تم پر اس خط میں میں جو ان کی طرف سے ہے تم پر مشروط کیا ہے تو تم سے اللہ کا اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ ختم ہو گیا اور تمام مومنین اور مسلمانوں کے ذمے ختم ہو گئے اور ہر وہ مال جو آج تمہارے ہر شخص کے پاس ہے یا وہ اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے وہ پچاس سال تک مسلمانوں پر صدقہ ہے اور تم میں سے ہر شخص پر بیت اللہ الحرام تک جو مکہ میں ہے پیدل پچاس حج نذر واجب ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو بغیر پورا کرنے کے اس سے کسی چیز کو قبول نہیں کرے گا اور تم میں سے ہر شخص کا غلام یا جو آئندہ پچاس سال تک وہ کسی غلام کا مالک ہو گا آزاد ہے اور اس کی ہر عورت کو تین طلاق قطعی ہیں کہ جس میں کوئی استثناء نہیں ہے"

اسی طرح دوسرے اقرار نامہ کے یہ الفاظ تھے۔

کہ اگر میں بدل دوں الخ تو اللہ عز وجل سے اور اس کی دلالت سے اور اس کے دین سے بری اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہوں اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کافر مشرک ہونے کی حالت میں ملوں اور ہر وہ عورت جو آج میری ہے یا جس سے میں آئندہ تیس سال کی مدت تک شادی کروں اس پر طلاق ہے تین طلاق قطعی" الخ

کیا یہ امور بیوی اور غلام اور مال اور نذروں کو بیعت کے قسموں میں داخل کرنے کی وجہ ان ابواب میں زیادتی مسائل کے باعث نہیں ہیں، اس قسم کی قسمیں دلانے والوں نے جملہ ائمہ سے اپنے اغراض میں کوئی مدد نہیں پائی بلکہ امام مالکؒ بن انس نے اور اہل حجاز نے تو یہ کہکر کہ "مجبور کردہ شخص پر قسم کا پورا کرنا واجب نہیں" ان سے جنگ کی گو ابوجعفر منصور کے عہد میں ان کو سزا دی گئی اور یہ یقینی ہے کہ ان کو مارنے کا اصلی سبب یہی تھا، اور امام شافعیؒ نے تو اپنے اس قول سے

Marfat.com

ان سے جنگ کی کہ کسی ایسی عورت کے طلاق دینے کی قسم جس سے اس نے نکاح نہیں کیا اس کا کوئی اثر نہیں اور ہم کو اس کا کوئی علم نہیں کہ ان کو اس کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچی ہو کیونکہ ان کے زمانہ میں ابی جعفر کے مثل کوئی ظالم نہ تھا اور داؤدؒ نے تو ان سے یہ کہکر جنگ کی کہ غیر اللہ کی قسم کی نہ کوئی قیمت ہے نہ اس کا کوئی اثر اور دوسروں نے بھی یہ کہکر ان سے جنگ کی کہ قسم میں استثنار جائز ہے اگرچہ چند دنوں کے بعد ہی ہوا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ قسم کھانے کے بعد انشاءاللہ کہدے تو قسم کی پھر کوئی قیمت نہیں رہتی اور ایک وقت ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ منصور سے کہا گیا کہ ابو حنیفہ تمہارے دادا ابن عباس کی مخالفت کرتے ہیں اس استثنار کی تجویز میں جو قسم میں کی جائے تو ابو جعفر نے ان سے اس بارے میں سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ جو شخص قسم میں استثنار کو جائز رکھتا ہے وہ دراصل یہ کہتا ہے کہ اس کی گردن میں بیعت کا پتہ نہیں ہے کیونکہ وہ تمہارے سامنے تو قسم کھاتے ہیں پھر وہ باہر نکل کر استثنار کر دیتے ہیں پھر ان کو قسم کا پورا کرنا لازم نہیں رہ جاتا ابو جعفر، ابو حنیفہؒ کی اس بات سے بہت خوش ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب سے بیعت کو دیکھو اور اس کلام سے مقابلہ کرو جس کا نام انھوں نے بیعت رکھا ہے تو امت کی دونوں زمانوں کی روح میں بہت فرق پاؤ گے کہ پہلے زمانہ میں صرف یہ کلمہ کہ "میں تم سے بیعت کر رہا ہوں" ہر چیز کو شامل ہوتا تھا اور بیعت کرنے والا اس کے بعد توڑنے کی مجال نہیں رکھتا تھا یا مخالفت کا تصور ہی نہیں کرتا تھا اس لئے کہ وہ شریف اور اس نے اپنے شرف کو وفا پر رہن رکھدیا ہے اور حجاج اور منصور کے زمانہ میں بیعت کرنے والے ایک ایسی قوم تھی کہ نہ ان کے عہد پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا نہ عقد پر بجز اس کے کہ ان کے اموال کے ضائع ہونے اور عورتوں کے طلاق اور غلاموں کی آزادی سے مدد لی جائے اور اس کے باوجود عجیب وغریب بات یہ ہے کہ ان بیعتوں کا بڑا حصہ جس میں ان مسائل کو استعمال کیا گیا ان کے کرنے والوں نے پورا نہیں کیا اور اصحاب شرط کے ایسے حیلے ان کے پاس موجود تھے جو ان کو اس تنگی سے نکالتے جو ان کو تکلیف دے رہے تھے۔

تم ان مسائل کو دیکھو گے کہ عبادات کے ابواب تک پہونچے ہوئے تھے اس میں اکثر ایسی صورتیں پاتے ہیں جن کا عقل انکار کرتی ہے اور ان کے وجود کی تصدیق نہیں کرتی مگر انھوں نے اللہ ان پر رحمت کرے اپنے بعد والوں کو آرام دینے کی طرف توجہ کی کہ فکر میں نہ پڑیں تو انھوں ان کے لئے مسائل کا تصور کر کے ان کے جوابات لکھدئے۔

Marfat.com

کتاب مبسوط جو محمد رحمہ اللہ کی ہے جو تقریباً چھ جلدوں میں ہے اور ہر جلد کے اوراق پانچ سو ہیں اور جو بڑی تقطیع پر ہے اور ان سب میں مسائل کی تفصیل ہے تو غور کرنا چاہیے تو اس کے مسائل کی کتنی تعداد ہوگی جبکہ مختصر قدوری میں جیسا کہ لوگ کہتے ہیں بارہ ہزار مسئلے ہیں تو مبسوط میں کس قدر مسائل ہوں گے حالانکہ مختصر قدوری اس کے دسویں حصہ کے بھی برابر نہیں ہے حق تو یہ ہے کہ یہ بہت بڑی تعداد ہے اور اس سے ان حضرات کی کوشش اور جدوجہد کا پتہ چلتا ہے۔

میں نے امام محمدؒ کی مبسوط اور امام شافعیؒ کی کتاب ام کا ایک جزء ایک ہی موضوع کے بارے میں اپنے سامنے رکھا اور دونوں کے ایک ایک نظر دیکھنے سے جو نتیجہ نکالا وہ میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں" شافعیؒ لکھتے ہیں تو پڑھنے والوں سے یہ چاہتے ہیں کہ جس اصول سے استنباط کیا ہے وہ اس اصول کو سمجھیں اور ان باتوں کی مدافعت کے طریقے بتاتے ہیں جن پر مجتہد اپنے اجتہاد سے پہونچتا ہے اسی لئے تم دیکھو گے کہ پڑھنے والا اس کے مطالعہ کی طرف زیادہ راغب رہتا ہے جبکہ اس کی غرض جواب کی معرفت نہیں رہتی اور بس لیکن امام محمدؒ شاگرد کے لئے لکھتے ہیں اور اس کو مسائل کے جواب لکھواتے ہیں جس سے وہ فرعی مسائل کی معرفت میں دریا رذخار بن کر نکلتا ہے ان کے دل میں کسی طرح کا تصور نہیں آتا جس کو وہ لکھا ہوا نہ پائے اور اس کا جواب اس کی نظر سے نہ گزرے اور اسی لئے اس میں پڑھنے والے کا زیادہ وقت نہیں لگتا صرف اتنا ہی وقت لگتا ہے جس میں جتنا کہ اس کے مسئلہ کا جواب مل جاتے میں یہاں ان فقہی فروع کی زبانی کے سلسلہ میں کسی پر صحیح یا غلط کا حکم نہیں لگا رہا بلکہ میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ مسائل کی شاخیں نکالنا اس دور کے خواص میں سے ایک خاصیت ہے اور یہ کہ یہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی شان نہیں تھی اور وہ اس کو برا جانتے تھے کسی ایسے مسئلہ کے متعلق جواب دینا جس کا وقوع نہ ہوا ہو تم اس کا نتیجہ آنیوالے دوروں میں دیکھو گے۔

مسائل الحیل

تاریخ کا یہ عجیب وغریب واقعہ ہے کہ ایک مذہبی مسائل مرتب کرنے والا ایسے فرضی مسائل بنائے جس میں لوگوں کو بتائے کہ احکام شرعیہ سے کیسے چھٹکارا پا سکتا ہے ایک وکیل کے متعلق جو انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کا پابند ہے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کیونکہ وہ مجرم کو چھڑانے کے لئے قانونی حیلوں سے ترکیب نکال لیتا ہے اور کبھی اس کو اس کا کمال سمجھا جاتا ہے لیکن جب

Marfat.com

اس میں اتنی وسعت ہوجائے اور لوگ قانونی حیلوں کے ذریعہ دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے لگ جائیں تو یہ اُس وکیل کی ذمہ داری کے ضعف کی دلیل ہوگی لیکن وہ بھی ایسی چیز کے باطل کرنے کے لئے حیلہ نہیں کریگا جس کو وہ دین سمجھے تو اس وقت ہمارا تاثر کیا ہوگا جب کوئی دیندار دین کے احکام کے ساتھ اس طرح کرے اس دور میں ایک ایسا شخص بھی ہے جس نے لوگوں کے لئے کتاب الحیل کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی اہل حدیث نے اس کا نہایت سختی سے جس کا مقابلہ کیا اور اس کے مصنّف کا نام شیطان تجویز کردیا اور اس کو فاسق و فاجر کہا۔ لیکن اس مصنّف کا اصل نام معلوم نہ ہوسکا۔ لوگوں نے یہ الزام اہل عراق میں سے کے بعض اصحاب الرائے پر لگایا لیکن وہ اس کا تعین نہ کرسکے کہ وہ کون ہے؟ اس کے بعض مسائل اس کے وضع کرنے والے کے ضعف دین پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ جو شخص زکوٰۃ جیسے فریضۂ دینی کے ترک کو آسان کردے اور اس کو یہ سکھائے کہ جب سال گزرنے کے قریب ہو تو اپنا مال اپنے بیٹے یا اپنی بیوی کو تھوڑی دیر کے لئے دیدے پھر اس سے اس مال کو واپس لے لے کیونکہ سال کم ہوجائے گا اور زکوٰۃ واجب نہ ہوگی ایسے شخص کے متعلق آپ کیا رائے قائم کرسکتے ہیں مسائل حیل میں جرم کی یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے اور اس میں ایسے ہی بہت سے مسائل ہیں اور شفعہ کا ساقط کرنے اور قسموں اور اس کے چھٹکارا کی مثالیں تو بہت ہی ہیں خدا کی قسم ایک ایسا مذہب جو مطلقہ عورت کو وراثت دلاتا ہے جس کا شوہر حالت مرض میں اس غرض سے طلاق دیتا ہے تاکہ اس کو وراثت نہ ملے حیلہ و فریب سے بالکل علیحدہ ہے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ مسائل کی زیادتی اور اس کے وضع کرنے میں مختلف طریقے نکالنا ہی اس بات کا سبب ہوا کہ دین میں کمزور لوگوں کو کھڑا کرے کہ انھوں نے حیلے تراشے اور اس میں ائمہ کے کلام ہی سے مدد لی کہ وہ اپنے مسائل کو ان اغراض یا ان کے مشابہ کاموں کے لئے اہمیت استعمال نہیں کیا کرتے تھے، ہم اپنے مقصد یعنی تاریخ سے ہٹ گئے کیونکہ یہ ایک عجیب چیز تھی اور اس کو بیان کئے بغیر اس سے گزر جانا ہمارے امکان سے باہر تھا' اور ابن قیم جوزیہ نے اس موضوع پر اپنی کتاب موسوم بہ "اعلام الموقعین عن رب العالمین" میں خوب بحث کی ہے اگر چاہو تو وہاں دیکھ لو۔

(۱۰) احکام میں کتابوں کی تدوین

یہ تمام ائمہ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے ان کی کتابیں مدون ہیں جن سے اُن کے مستنبط شدہ احکام معلوم ہوتے ہیں اور اکثر کتابیں ان کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد نے مدون کی ہیں اور خود

Marfat.com

ائمہ نے بھی بعض کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھوایا ہے یہاں ہم چند ان کتابوں کے نام لکھتے ہیں جو ان مذاہب کی بنیاد سمجھی جاتی ہیں۔

مذہب ابی حنیفہؒ کی کتب

ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے پہلے جس نے کتابیں لکھی ہیں وہ آپ کے عظیم شاگرد امام ابو یوسفؒ ہیں، ابن ندیم نے فہرست میں لکھا ہے کہ ان کی کتابوں میں سے اصول، اور امالی میں کتاب الصلاۃ اور کتاب الزکاۃ سے آخر کتب فقہ تک؛ اور ان کا ایک املاء ہے جس کو قاضی بشر بن ولید کا روایت کردہ ہے اور ابو یوسفؒ کی تفریعات پر (۳۶) جلدوں میں ہے، اس کے علاوہ حسب ذیل کتابیں اور ہیں۔ کتاب اختلاف امصار۔ کتاب الرد علی مالک بن انس (یعنی مالک بن انس کی رد میں) کتاب الخراج الی الرشید (یہ کتاب بطور خط کے ہے جو انھوں نے ہارون رشید کے نام لکھا ہے۔ کتاب الجوامع (جس کو یحییٰ بن خالد کے لئے لکھا ہے جو چالیس کتابوں پر مشتمل ہے جس میں لوگوں کا اختلاف اور معمول بہ رائے کا تذکرہ ہے۔

لیکن ان کی کتابوں میں ہم کو سوائے کتاب الخراج کے کوئی کتاب نہیں ملی یہ کتاب مصر میں چھپی ہے[۵] جس کے شروع میں لکھتے ہیں کہ۔

> "امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں ان کے لئے ایک کتاب لکھوں جو خراج وعشور صدقات وجزیہ وغیرہ مسائل میں غور و فکر کر سکیں اور وصولیابی میں عمل کر سکیں اور اس سے امیر المومنین مقصود اپنی رعیت پر سے ظلم کا دور کرنا ہے اور ان کے حالات کا سدھارنا ہے اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو توفیق دے اور ان کو ٹھیک راستہ پر چلائے اور جس بات کے وہ متولی ہیں اس میں ان کی مدد کرے اور جس سے وہ ڈرتے ہیں اور احتیاط کرنا چاہتے ہیں اس سے ان کو بچائے، اور مجھ سے انھوں نے یہ بھی درخواست کی ہے کہ جس بات کی انھوں نے خواہش کی ہے اس میں سے جس پر وہ عمل کرنا چاہیں اس کی وضاحت کروں اور تفسیر اور شرح کروں چنانچہ میں نے اس کی تفسیر اور شرح کردی ہے۔"

اور یہ کتاب ان کی جملہ کتابوں میں بہت عمدہ اور اچھا ہے اور وہ اس زمانہ کی یادگاروں میں سے ایک

---

[۵] اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی دارالاشاعت کراچی ملتان سے شائع کیا جارہا ہے ۱۲ منہ محمد رضی۔

Marfat.com

اچھا ذخیرہ ہے۔

اور ان کی کتابوں میں سے ایک کتاب ہم کو اور بھی ملی ہے جو کتاب اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلی ہے جس میں بہت سے ان مسائل کا ذکر کیا ہے جس میں ان دونوں ائمہ نے اختلاف کیا ہے وہ خود کبھی ابو حنیفہؒ کی موافقت کرتے ہیں اور کبھی ابن ابی لیلی کی رائے لیتے ہیں، اس کتاب پر امام شافعیؒ نے بھی بحث کی ہے کہ تینوں ائمہ ابو حنیفہؒ۔ ابن ابی لیلیؒ۔ ابو یوسفؒ کی رائے لکھنے کے بعد وہ اس میں سے جس رائے کو ترجیح دیتے ہیں لکھتے ہیں اور کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی رائے لکھنے کے بعد اپنی طرف سے کوئی اور رائے اس کے علاوہ بھی لکھ دیتے ہیں۔

اور اس کتاب سے چند مسائل ہم یہاں درج کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ استنباط جس کا مدار رائے پر ہے کیسے ہوتا ہے۔

کاریگر کا تاوان

(۱) ایک شخص نے درزی کو کپڑا دیا اور اس نے اس کی شیروانی سی دی کپڑے کے مالک نے کہا کہ میں نے تو تجھ کو قمیض سینے کے لئے کہا تھا اس پر درزی نے کہا کہ تو نے تو مجھے شیروانی سینے کو کہا تھا تو ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ کپڑے کے مالک کا کہنا معتبر ہے اور درزی کو کپڑے کی قیمت کا تاوان دینا پڑے گا ابو یوسفؒ بھی اسی رائے کو لیتے ہیں اور ابن ابی لیلی کہتے ہیں کہ درزی کا قول معتبر ہوگا۔

اور اگر کپڑا درزی کے پاس ضائع ہو گیا تو ابی حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اس پر تاوان نہیں ہے اور نہ دھوبی اور رنگریز پر اور اسی طرح جتنے کاریگر ہیں بجز اس کے کہ اس میں خود ان کی غلطی ہو۔ اور ابن ابی لیلی کہتے ہیں کہ جو چیز ان کے پاس ضائع ہو جائے وہ اس کے ضامن ہیں اگرچہ انھوں نے غلطی نہ کی ہو اور ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ وہ تاوان کے ذمہ دار ہوں گے لیکن ناگہانی صورت میں نہیں، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جو شخص مزدوروں سے تاوان دلواتا ہے تو اس سے عاریت پر بھی قیاس کر کے تاوان دلوایا جائے گا اور وہ فرماتے ہیں کہ عاریت میں تاوان اس لئے ہے کہ اس میں عاریت لینے والے کا فائدہ ہے اس لئے وہ اس کا ضامن ہے حتی کہ وہ اس کو صحیح سلامت واپس پہنچا دے اور وہ مثل قرض کے ہے اور قاضی شریحؒ بھی دھوبی سے تاوان دلانے کی طرف گئے ہیں کہ انھوں نے اس دھوبی کو ضامن قرار دیا جس کا گھر جل گیا اور جب اس نے پوچھا کہ آپ

Marfat.com

مجھ سے تاوان دلواتے ہیں حالانکہ میرا گھر جل گیا تو شریح نے کہا کہ تم دیکھو کہ اگر اس کا گھر جل جاتا تو کیا تم اس کو اپنی اجرت چھوڑ دیتے (یعنی کپڑے والے کا گھر جل جاتا تو کیا تو اپنی مزدوری نہ لیتا) اور جس نے ان لوگوں کو ضامن نہیں قرار دیا۔ انھوں نے اس کا قیاس امانت پر کیا ہے اور عطارؓ سے ثابت ہے کہ کاریگر اور مزدور پر تاوان نہیں ہے اور مزدور اور کاریگر نے اگر خود ضائع کر دیا ہو تو اس کے متعلق کوئی سوال نہیں ہے اور وہ ضامن ہے جیسے امانت رکھنے والا ضامن ہے جس کو خود اس نے ضائع کر دیا ہو اسی طرح یہ بھی ضمانت دیں گے اور غلطی کا جرم کسی سے معاف نہ ہوگا اسی طرح اگر انھوں نے تعدی سے کام لیا تو بھی ضامن ہوں گے، ربیع کہتے ہیں کہ جہاں تک میرا خیال ہے شافعیؒ کا بھی مذہب یہی ہے کہ کاریگر پر تاوان نہیں ہے بجز اس کے کہ ان سے غلطی سرزد ہوئی ہو لیکن کاریگروں کے خوف سے وہ اپنی رائے ظاہر نہیں کرتے تھے۔

زمانہ اختیار میں خریدار کے پاس فروخت شدہ چیز کا ضائع ہونا

(۲) اگر کسی شخص نے کوئی چیز اس طرح پر خریدی کہ بیچنے والے کو ایک دن تک واپس لینے کا اختیار ہے اور خریدنے والے نے وہ چیز لے لی پھر وہ چیز اس کے پاس سے ضائع ہو گئی تو امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ خریدار قیمت کا ضامن ہے کیونکہ اس نے خریدنے کی نیت سے وہ چیز لی ہے ابو یوسفؒ کی بھی یہی رائے ہے لیکن ابن ابی لیلیؒ فرماتے ہیں کہ وہ اس چیز کا امین ہے اور اگر اختیار خریدنے والے کو تھا اور چیز اس کے پاس ضائع ہوئی تو اس کا تاوان دونوں کے نزدیک اسی قیمت پر ہے جس قیمت پر اس نے خریدا اور شافعیؒ کہتے ہیں کہ وہ اصل قیمت کا ضامن ہے ہم اس کو ثمن کا ضامن اس لئے نہیں قرار دیتے کہ اس میں بیع کی تکمیل نہیں ہوئی ہے اور تاوان اس لئے اس پر نہیں قرار دیتے کہ اس نے اس کو بیع پر ہی لیا ہے کہ خریدار سے اس کا عوض لے گا تاہم فروخت شدہ چیز کا تاوان ہی دلوائیں گے اور اس میں اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کو امین قرار دیا جائے کیونکہ آدمی اس چیز کا امین ہو سکتا ہے جس کا مالک نہ ہو اور جس سے کوئی نفع فوری یا بدیر حاصل نہ کرے بلکہ وہ اس کا مالک ہے مالک کے فائدہ کے لیے نہ کہ اپنے نفع کے لئے اور خواہ اس میں اختیار بیچنے والے کا ہو کہ خریدنے والے کا کیونکہ اس میں بیع مکمل نہیں ہوئی اور چیز ضائع ہو گئی۔

Marfat.com

بیع جبری

(۳) جب آدمی قرض کے بارے میں قید ہو گیا اور قاضی نے اس کو مفلس قرار دیدیا اور جیل میں اس نے کوئی چیز بیچی اور خریدی اور آزاد کیا یا کوئی صدقہ خیرات کیا یا کوئی ہبہ کیا تو امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ جائز ہے اور کوئی چیز اس کے مال سے قرض میں نہیں لی جائے گی قاضی کے مفلس قرار دینے کے بعد اس پر کچھ واجب نہیں۔ کیونکہ کچھ پتہ نہیں کہ انسان کب مفلس ہو جائے اور کب مالدار اور ابن ابی لیلیٰؒ کہتے ہیں کہ تفلیس کے بعد نہ اس کی خرید و فروخت جائز ہے اور نہ ہبہ و صدقہ نہ آزاد کرنا کہ وہ کوئی مال بیچے اور قرضخواہوں کو دے اور ابو یوسفؒ کا قول مثل قول ابن ابی لیلیٰؒ کے ہے بجز آزاد کرنے کے اور شافعیؒ کہتے ہیں کہ جب قرضدار پر دعویٰ کیا جائے اور اس پر کوئی چیز ثابت ہوئی یا اس نے کسی چیز کا اقرار کیا تو قاضی کو چاہیئے کہ اس کا مکان روکدے اور کہدے کہ میں نے تیرا مکان اس وقت تک کے لئے روکدیا جب تک تو اس کا دین ادا کردے اور قاضی اس کو مفلس قرار دیدے پھر اس کے مال کا حساب کرے اور اس کو حکم دے کہ وہ حصہ اس کو فروخت کردے اور اس کو حکم دے جو اس کی قیمت لگائے پھر قاضی اس کو جس قدر زیادہ قیمت میں ممکن ہو فروخت کرے پھر اس سے اس کا قرض ادا کرے پھر مکان کی رکاوٹ اس سے اٹھالے۔

شفعہ کے مسائل

ایک شخص نے گھر خریدا اور اس میں کچھ عمارت بنائی پھر شفیع آیا اور اس کا شفعہ طلب کیا تو ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ شفیع گھر سے لے گا اور عمارت بنانے والا کھنڈر لے گا اور یہی ابو یوسفؒ کی رائے ہے اور ابن ابی لیلیٰ گھر اور عمارت دونوں شفیع کو دلواتے ہیں اور عمارت کی قیمت اور گھر کی قیمت جس قیمت پر اس نے خریدا ہے اس پر لازم قرار دیتے ہیں ورنہ اس کو شفعہ نہ ملے گا اور شافعیؒ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص گھر کا ایک حصہ خریدے پھر اس میں تقسیم کرلے اور نئی عمارت بنالے پھر شفیع نے شفعہ طلب کیا تو اس سے کہا جائے گا کہ اگر تو چاہتا ہے تو وہ قیمت جس قیمت پر اس نے یہ حصہ مکان خریدا اور عمارت بنائی تو جو قیمت آج کی ہوگی وہ ادا کر اور اگر چاہے تو شفعہ چھوڑدے اس کے سوا کوئی صورت نہیں کیونکہ اس نے عمارت کے بنانے میں تعدی سے کام نہیں لیا لہذا اسکی عمارت منہدم نہیں کرائی جاسکتی۔

Marfat.com

پڑوسی کا شفعہ

(۴) امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ شفعہ پہلے اس شریک کا ہے جس نے تقسیم نہیں کی ہے اس کے بعد اس کو ہے جس نے تقسیم کی ہے اور دونوں میں طریقہ ایک ہی ہے اس کے بعد اس پڑوسی کو جو متصل ہے اور اگر کئی پڑوسی جمع ہو جائیں اور ان کا اتصال برابر برابر ہو تو وہ سب شفعہ میں شریک ہوں گے اور ابن ابی لیلیٰؒ بھی ابو حنیفہؒ کی رائے سے متفق تھے مگر جب امیر المومنین ابو العباس نے ان کو لکھا کہ شفعہ کا حق اسی شریک کو دیں جس نے تقسیم نہیں کی ہے تو انھوں نے اس قول کو اختیار کرلیا اور اس کے بعد وہ فیصلہ اسی شریک کے حق میں کرتے تھے جس نے تقسیم نہیں کی ہے یہی قول اہل حجاز کا ہے اور یہی شافعیؒ کی رائے ہے۔

انکار کی صلح

(۶) ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ جب مدعی علیہ کسی بات کا انکار کر دے تو اس کے بعد بھی صلح جائز ہے اور ابو یوسفؒ کی بھی یہی رائے ہے اور ابن ابی لیلیٰؒ اس کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں، ابو حنیفہؒ کہتے تھے کہ کیوں جائز نہیں اور حالانکہ صلح انکار کی ہی حالت میں جائز ترین چیز ہے کہ جب اقرار ہو تو صلح کی ضرورت نہیں اور شافعیؒ کہتے ہیں کہ قیاس تو یہ ہے کہ یہ صلح باطل ہو اس وجہ سے کہ ہم صلح اسی وقت جائز قرار دیتے ہیں جبکہ بیوع میں جائز ہو حلال و معروف قیمتوں کے بارے میں تو اگر یہ ہو تو ہمارے نزدیک اسی طرح ہو گی اور جس نے انکار کی حالت میں صلح کو جائز قرار دیا ہے تو یہ عوض ہوگا اور عوض کل کا کل قیمت ہے اور عوض اس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتا جب تک کہ عوض دینے والا اور عوض لینے والا اس پر متفق نہ ہو جائیں بجز اس کے کہ اس میں کوئی حکم ہو جو لازم ہو تو اثر قیاس سے اولیٰ ہے اور میری نظر سے ایسی کوئی حدیث نہیں گزری جو اس جیسی بات کو لازم قرار دے[1]

کتب ظاہر روایت

ان میں پہلی کتاب جامع الصغیر ہے جس میں وہ مسائل درج ہیں جن کو امام محمدؒ سے ان کے

---

[1] اصل کتاب کے مصنف نے کئی صفحات میں کچھ اس قسم کے غیر دلچسپ اور طویل مسائل نقل کئے ہیں اسلئے یہاں چند صفحات کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ مترجم

Marfat.com

شاگرد علیٰی بن ابان اور محمد بن سماع نے روایت کئے ہیں اور یہ مسائل کتب فقہ کی چالیس کتابوں میں ہیں جن میں پہلی کتاب الصلوٰۃ ہے اور اس کی ہر کتاب میں الواب قائم نہیں کئے گئے تھے اور اس کتاب کو قاضی ابوطاہر محمد بن محمد باس نے لے کر اس کی تبویب و ترتیب کی تاکہ پڑھنے والوں کے لئے اس کا یاد کرنا اور پڑھنا سہل ہو جائے امام محمدؒ نے اس کتاب کے مسائل ابی یوسفؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابی حنیفہؒ سے اور اس کتاب میں دلائل سے کام نہیں لیا گیا ہے۔

۲۔ جامع کبیر وہ بھی پہلی جیسی ہے البتہ اس سے زیادہ طویل ہے۔

۳۔ کتاب مبسوط جو "اصل" کے نام سے مشہور ہے اور وہ محمدؒ کی تمام کتابوں میں بڑی اور طویل ہے جس میں ہزاروں وہ مسائل درج ہیں جن کے جوابات ابوحنیفہؒ کے استنباط کا نتیجہ ہیں جن میں سے بعض کی ابویوسفؒ اور محمدؒ نے مخالفت کی ہے اور اس کتاب میں انھوں نے یہ روش اختیار کی ہے کہ وہ ابتدائً ایک مسئلہ کے متعلق جس قدر احادیث ہوتی ہیں وہ درج کر دیتے ہیں پھر اس کے مسائل بیان کرتے ہیں اور اکثر اُن مسائل پر ختم کرتے ہیں جن میں ابوحنیفہؒ و ابن ابی لیلیٰؒ کا اختلاف ہے اور ان کے ایک شاگرد احمد بن حفص ہیں جنھوں نے اُن سے اس کتاب کی روایت کی ہے۔ اس میں احکام کی علت بیان نہیں کی گئی ہے۔

۴۔ کتاب سیر صغیر یہ کتاب جہاد کے مسائل میں ہے۔

۵۔ کتاب سیر کبیر اور یہ فقہ میں آخری تصنیف ہے اور اسی لئے اس کتاب کو ان سے ابو حفص احمد بن حفص نے روایت نہیں کیا ہے جو ان کی کتب کے راوی ہیں کیونکہ انھوں نے اس کتاب کو ابی حفص کے عراق سے جانے کے بعد تصنیف کیا ہے اور اسی لئے امام ابو یوسفؒ کا نام بھی اس کے کسی مسئلہ میں نہیں ہے کیونکہ یہ تصنیف اس وقت کی ہے جب ان دونوں میں سخت نفرت پیدا ہو چکی تھی اور جب کبھی ابو یوسفؒ سے کسی روایت کی ضرورت پڑی ہے تو یوں لکھا ہے کہ مجھ سے معتبر شخص نے بیان کیا اور جہاں اس طرح کے الفاظ بولتے ہیں اُس سے امام ابو یوسفؒ کی ذات مراد ہوتی ہے اور امام محمدؒ سے ابوسلیمان جوزجانی اور اسمٰعیل بن ثوریہ نے اس کتاب کی روایت کی ہے۔

چوتھی صدی کے اوائل میں ابوالفضل محمد بن احمد مروزی المعروف بہ حاکم شہید نے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام "کافی" ہے جس میں محمد بن حسن کی کتابوں کے معانی و مطالب ہیں اس میں سے مکرر مسائل کو حذف کر دیا یہ بہت عمدہ کتاب ہے جو کتب خانہ مصر میں قلمی موجود ہے۔

اور امام محمدؒ بن حسن کی ایک کتاب ہمیں ملی جس میں اہل مدینہ پر رد کیا گیا ہے اس کتاب کی روایت

Marfat.com

امام شافعیؒ نے کتاب "ام" میں کی ہے اور اس کے ہر مسئلہ پر یا تو اہل مدینہ کی مدد کے لئے اور یا ابی حنیفہؒ کے رائے کی موافقت کے لئے اعتراض کئے ہیں اس کتاب میں وہ مسائل درج ہیں جس میں ابو حنیفہؒ نے اہل مدینہ سے اختلاف کیا ہے جس کا ایک مسئلہ یہ ہے۔

باب اس شخص کے بارے میں جو کسی شخص کے لئے کسی شخص کو اسلئے پکڑے تاکہ وہ اس کو قتل کرے

ابو حنیفہؒ اس شخص کے بارے میں جو کسی شخص کو کسی شخص کے لیے اس لئے پکڑے کہ وہ ہتھیار سے اس کو قتل کردے، اور وہ اسی جگہ مر جائے کہتے ہیں کہ پکڑنے والے پر قصاص نہیں ہے بلکہ قصاص قاتل پر ہے لیکن پکڑنے والے کو سخت سزا دی جائے گی اور جیل میں رکھا جائے گا لیکن اہل مدینہ کہتے ہیں کہ اگر اس نے اس کو پکڑا اور وہ جانتا ہے کہ وہ اس کو قتل کرنا چاہتا ہے تو اس کے بدلے میں دونوں قتل کئے جائیں گے۔

محمد بن حسن کہتے ہیں کہ پکڑنے والے کو کیسے قتل کیا جائیگا جبکہ اس نے قتل نہیں کیا ہے۔ اور جبکہ اس نے اس کو پکڑا اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس کو قتل نہیں کریگا تو کیا تم پکڑنے والے کو قتل کروگے؟ اگر انھوں نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم تو اس کو اس وقت قتل کریں گے جبکہ وہ یہ گمان رکھے کہ وہ اس کو قتل کرنا چاہتا ہے، تو پھر ان سے کہا جائیگا کہ ایسی صورت میں تمہارے قول کے مطابق پکڑنے والے پر قصاص واجب نہیں ہے لیکن اس صورت میں کہ اگر اس کو گمان ہو اور گمان کبھی خطا کرتا ہے کبھی ٹھیک ہوتا ہے مثلاً تمہارے خیال میں اگر کسی شخص نے کسی شخص کا پتہ بتادیا اور اس نے اس کو قتل کردیا اور جس نے پتہ بتایا اس کو یقین تھا کہ وہ اگر اس پر قادر ہو گا تو اس کو قتل کردیگا تو کیا تم پتہ بتانے والے کو اسی طرح قتل کروگے جیسے کہ پکڑنے والے کو دیکھو اگر کسی شخص نے کسی کو کسی کے قتل کرنے کا حکم دیا اور اس نے اس کو قتل کردیا تو کیا قتل کرنے والا اور حکم دینے والا دونوں پکڑے جائیں گے؟ یا اگر کسی شخص نے کسی عورت کو روک رکھا تاکہ وہ اس کے ساتھ زنا کرے تو کیا دونوں کو حد لگائی جائے گی یا صرف اسی کو حد لگائی جائے گی جس نے کہ فعل کیا اور اگر وہ دونوں شادی شدہ ہیں تو کیا دونوں کو رجم کیا جائیگا اسی طرح اس شخص کو جو یہ کہتا ہے کہ پکڑنے والے کو قتل کیا جائے گا یوں کہنا چاہیئے کہ دونوں پر حد جاری کی جائے گی؟ یا اگر

Marfat.com

کسی شخص نے کسی کو شراب پلادی تو کیا دونوں پر شراب کی سزا جاری کی جائیگی یا صرف پینے والے پر حد جاری کی جائے گی؟ یا اگر کسی شخص نے کسی کو حکم دیا کہ کسی شخص پر بہتان باندھے اور اس نے اس پر بہتان باندھا تو کیا دونوں پر سزا جاری کی جائے گی یا صرف تہمت باندھنے والے کو سزا دی جائے گی؟ تمہارے قول کے مطابق تو دونوں کو سزا دی جانی چاہیئے۔

ہم کو اسمٰعیل بن عیاش حمصی نے خبر دی کہ عبدالملک بن جریج نے عطاء بن ابی رباح سے روایت بیان کی وہ کہتے ہیں کہ علیؓ بن ابی طالب نے اس شخص کے بارے میں جس نے کسی شخص کو عمداً قتل کیا اور دوسرے شخص نے اس کو پکڑا تھا یہ فرمایا تھا کہ قاتل کو قتل کیا جائے اور دوسرے کو جیل میں مرنے تک بند رکھا جائے۔

شافعیؒ کہتے ہیں کہ اللہ کی حد لوگوں پر نفس فعل پر ہے اور اسی میں قصاص بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

کتب علیکم القصاص فی القتلی	مقتولین کے سلسلہ میں تم پر قصاص فرض کیا گیا۔
ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا۔	جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہم نے اس کے ولی کو اقتدار عطا کر دیا۔

جو لوگ اس آیت کے مخاطب ہیں ان کے نزدیک یہ بات مسلم تھی کہ مقتول کے ولی کو صرف قاتل پر اقتدار حاصل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت ہے کہ جس شخص نے کسی مسلمان کا خون بہا کر قتل کیا اس کا قصاص خود اس کے ہاتھ میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ۔	زانی اور زانیہ دونوں کو ایک ایک سو کوڑے مارو۔

اور ارشاد فرمایا۔

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ۔	جو لوگ بغیر چار گواہ پیش کئے پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان کے اسی کوڑے مارے جائیں۔

لیکن میں نے مخلوق خدا میں کسی رہبر کو نہیں دیکھا کہ اس نے کسی ایسے شخص پر جس نے نہ وہ فعل کیا ہو نہ اقرار اس کے باوجود حد جاری کی ہے تو اگر کسی شخص نے کسی کو پکڑ رکھا کسی شخص کے لئے پھر اس نے اس کو قتل کر دیا تو اس کے بدلہ میں قاتل کو قتل کیا جائے گا اور روکنے والے کو سزا دیجائیگی

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں یہ تبدیلی جائز نہیں کہ جب قاتل کو قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے تو پکڑنے والے کو بھی پکڑنے کے جرم میں قتل کیا جائے حالانکہ پکڑنا اور قتل کرنا دو الگ چیزیں ہیں اور جس نے اس کو قتل کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم میں تبدیلی کر دی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ

کتب علیکم القصاص فی القتلی۔ مقتولین کے بارے میں تم لوگوں پر قصاص واجب ہے

تو قصاص تو یہی ہے کہ آدمی کے ساتھ وہی کام کیا جائے جو اس نے کیا۔ تو کیا اس نے قتل کیا ہے کہ اس کے بدلے میں قتل کیا جائے۔ اس نے تو پکڑا ہے اور پکڑنا ایسا گناہ ہے جس میں قصاص نہیں ہے بلکہ اس میں تعزیر کی جائے گی خواہ اس نے اس لئے اس کو پکڑا ہو کہ اس کو قتل کرے یا قتل نہ کرے۔ اور اگر پکڑنا قتل کا قائم مقام ہوتا جبکہ روکنے والا اس کی نیت کرے کہ محبوس قتل ہو تو کیا اگر اس نے اس کو قتل نہیں کیا تو ہم اس کو قتل کریں گے کیونکہ اس نے وہ فعل کیا ہے جو قتل کے قائم مقام ہے نیت کے ساتھ لیکن یہ قول ہمارے امام مالکؒ اور امام محمدؒ کے خلاف ہے اور امام محمدؒ بن حسنؒ نے جو ہمارے امام مالکؒ بن انسؒ پر اعتراضات کئے ہیں وہ عام طور پر خود ان پر وارد ہوتے ہیں لیکن امام محمدؒ بھی دوسرے موقع پر غافل نہیں رہتے جس کی وجہ اکثر وہ باتیں انہی پر وارد ہوتی ہیں جو وہ ہمارے امام پر کرتے ہیں تو وہ تمام اعتراضات جو وہ اس جگہ ہمارے امام پر کرتے ہیں انہی پر وارد ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی شخص کہے کہ اس کی دلیل کیا ہے تو جواباً کہا جائے گا کہ امام محمدؒ کا خیال ہے کہ اگر ایک جماعت نے ڈاکہ ڈالا اور قتل کیا اور ان کے مدد کرنے کے لئے ایک جماعت ہے جو آواز تو سنتی ہے لیکن ان لوگوں نے جو قتل کیا ہے اس کو نہیں دیکھتی تو قاتلوں کو تو قتل کرنے کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور مددگاروں کو اس لئے کہ ان کی قوت پا کر انھوں نے قتل کیا' شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ بن حسن سے پوچھا کہ کیا آپ نے اس بارہ میں کسی روایت کا ذکر ہے تو انھوں نے کسی روایت کو نہیں بیان کیا۔ تو میں نے ان سے کہا کہ دیکھئے اگر کسی طاقتور آدمی کو کسی کمزور شخص نے قتل کا ارادہ کیا اور ایک طاقتور شخص سے کہا کہ اگر میں کمزور نہ ہوتا تو فلاں کو قتل کرتا اس نے کہا میں اس کو تیرے لئے پکڑ دوں گا پھر اس نے اس کو پکڑ دیا اور اس کے سینہ پر بیٹھ کر اس کے گلے کو اٹھایا تاکہ اس کے نرخرہ کو نمایاں کر دے پھر ضعیف کو چھری دی اور اس نے اس کو ذبح کر دیا تو کیا آپ کا خیال ہے کہ صرف ذبح کرنے والے کو قتل کیا جائے کیونکہ وہی قاتل ہے اور اس شخص کی مدد کا کچھ خیال نہ کیا جائے گا جو اس قتل کا سبب ہے کیونکہ سبب غیر فعل ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کا فعل پر مواخذہ فرماتا ہے کیا یہ شخص اس کے قتل پر زیادہ مددگار

Marfat.com

تھا یا وہ زیادہ مددگار تھے جو راستہ سے گزر رہے تھے قتل پر پھر آپ ان مددگاروں کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو آواز کو نہ سنتے تھے لیکن وہ قاتلوں کو دیکھ رہے تھے اور ان کو قوت پہونچا رہے ہوں ان پر بجز تعزیر کے اور کچھ نہ ہوگا تو پھر ان پر حد کیوں جاری ہوگی جہاں سے وہ آواز سنتے ہوں تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ امام مالکؒ بھی اس مسئلہ میں میرے ساتھی ہیں کہ وہ بھی مددگاروں کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ وہ قتل کئے جائیں گے میں نے کہا کہ تمہارے لئے تو اس سے تمہارے غیر پر حجت آجاتی ہے اگر آپ کا قول حجت نہ ہو تو کیا ہمارے استاذ کا قول جس پر تم اعتراض کرتے ہو اس طرح حجت ہوگا؟ فرمایا تو پھر کیا تمہارا یہ قول نہیں ہے؟ میں نے کہا نہیں اور میں کسی عقلمند کو ایسا کہتے نہیں پاتا اور جس نے یہ کہا تو وہ قیاس معقول کے حکم سے نکل گیا اور اس پر بہت سے وہ اعتراضات وارد ہو جائیں گے جو تم کرتے ہو اور اگر تم نے کسی بارے میں استدلال کیا یا اُن پر نکتہ چینی کی اور خود اس سے بچ گئے تو یہ ہو سکتا ہے۔

شافعیؒ کہتے ہیں کہ علیؓ بن ابی طالب سے مروی ہے کہ قاتل کو قتل کیا جائے اور روکنے والے کو قید میں رکھا جائے حتیٰ کہ وہ مر جائے۔ لیکن امام محمدؒ اس کو عمر قید کی سزا نہیں دیتے اس لئے یہ اُن کے استدلال کے خلاف ہے۔

پوری کتاب اسی طرح دونوں فریقوں کے پُرزور دلائل سے بھری پڑی ہے اور وہ اس قابل ہے کہ قانون کے طالب علم اس کو پڑھیں اور امام محمدؒ کی ایک کتاب "کتاب الآثار" ہے جس کا ابن ندیم نے ذکر نہیں کیا ہے اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ مصر میں موجود ہے جس میں وہ تمام حدیثیں جمع کر دی ہیں جس سے ائمہ احناف استدلال کرتے ہیں ان کی بہت سی کتابیں ہیں جو "نوادر" کے نام سے مشہور ہیں اور یہ کتابیں قابل اعتماد طریقوں سے مروی نہیں ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) امالی محمد فقہ میں اور یہ کیسانیات کے نام سے مشہور ہے۔

(۲) کتاب الزیادات۔

(۳) کتاب زیادۃ الزیادات۔

(۴) کتاب النوادر

(۵) روایۃ ابن رستم

اور امام محمدؒ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے موطأ امام مالکؒ بن انس کی روایت کی ہے اور اس میں ان احادیث کو بیان کیا ہے جن پر احناف کا موافق یا مخالف عمل رہا ہے اور ان اسباب

Marfat.com

کو بھی بیان کیا ہے جس کی وجہ سے اختلاف ہے۔

اور امام ابی حنیفہؒ کے شاگردوں میں ایک مصنف حسن بن زیاد لولوی بھی ہیں جنھوں نے کتاب "مجرد" لابی حنیفہ روایۃ" اور کتاب ادب القاضی۔ کتاب الخصال، کتاب النفقات، کتاب الخراج، کتاب الفرائض، کتاب الوصایا، لکھی ہیں لیکن حسنؒ بن زیاد کی روایات اعتماد کے لحاظ سے محمدؒ بن حسن کی روایات سے مؤخر ہیں کیونکہ امام محمدؒ بن حسن پر پورا بھروسہ کیا جاتا ہے۔

اور انہی میں سے ایک عیسیٰ بن زبان ہیں جو امام محمدؒ بن حسن کے شاگرد ہیں ان کی تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

(۱) کتاب الحج۔

(۲) کتاب خبر واحد۔

(۳) کتاب الجامع۔

(۴) کتاب اثبات قیاس۔

(۵) کتاب اجتہاد الرائے۔

اور انہی میں ایک ہلال بن امیہ جو ہلال الرائی کے نام سے مشہور ہیں اور ابو عبداللہ محمد بن سماعۃ ہیں جنھوں نے امام محمدؒ بن حسن سے ان کی کتابوں کی روایت کی ہے۔

اور انہی میں سے ایک احمد بن عمر بن مہید ہیں جو خصاف کے نام سے مشہور ہیں جنھوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور ان کی کتابوں میں سے بہترین کتاب اوقاف میں ہے اور وہی مشہور و متداول ہے۔

اور اس دور کا اختتام ایک ماہر امام کبیر اور مصنف عظیم پر ہوا اور آپ کا نام نامی ہے ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمہ ازدی طحاوی مصری جنھوں نے اختلاف فقہاء میں ایک بہت بڑی کتاب لکھی ہے جس کو وہ تمام نہ کر پائے اور کتاب شرح مشکل احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو تقریباً ایک ہزار ورق کی ہے اور کتاب شرح معانی الآثار کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ وہ ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جس کو علم پر پوری دسترس حاصل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا حافظ ہے اور اسی کے ساتھ فقہاء کے اختیار کردہ مذہب اور اُن کے متعلق ان کے اقوال اور مسندوں سے پوری طرح واقف، ان کی اور کتابیں بھی ہیں جن کی تفصیل ابن ندیم نے اپنی فہرست میں دی ہے۔

Marfat.com

اس زمانہ میں بھی کتابوں کی تصنیف کا کام ہوا لیکن ان سب میں امام محمدؒ کی کتابیں ہیں جو ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے مذہب کی بنیاد ہیں اور انہی کتابوں کی علمائے حنفیہ نے آخری زمانہ میں شرح اور تفسیر کی ہے اور اسی پر ان کا اعتماد ہے اور اسی چشمہ سے وہ سیراب ہوئے۔

امام مدینہ مالک بن انسؒ کے مذہب کی کتابیں

امام مالکؒ نے اپنی کتاب موسومہ بہ مؤطا لکھی اور ان سے ان کے بہت سے شاگردوں نے اس کی روایت کی لیکن ان کی روایات میں کمی اور زیادتی کا اختلاف ہے موطا کی مشہور روایت یحییٰ بن یحییٰ لیثی کی ہے اور مصر کا چھپا ہوا یہ وہی نسخہ ہے جس کو آج کل ہم پڑھتے ہیں[۱] اور ایک موطا وہ ہے جس کی روایت امام محمدؒ بن حسن کرتے ہیں یہ بلاد ہند کا مطبوعہ ہے۔

اس کتاب میں امام مالکؒ کی عادت یہ ہے کہ موضوع کے مقدمہ میں جو کچھ احادیث ہیں اس کو درج کرتے ہیں پھر اس میں صحابہ اور تابعین سے جو منقول ہے اس کو درج کر دیتے ہیں اور غیر اہل مدینہ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں اور کبھی اس پر اہل مدینہ کے عمل اور اہل مدینہ کے متفق الیہ کا بھی ذکر کرتے ہیں چنانچہ ان کی کتابوں کا نمونہ یہ ہے۔

بیمار کی طلاق

مالک نے ابن شہاب سے روایت کی وہ طلحہ بن عبداللہ بن عوف سے روایت کرتے ہیں جنھوں نے بیان کیا جو اس مسئلے کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے بھی روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے مرض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق قطعی دیدی تو عثمانؓ بن عفان نے اس عورت کو اس کی عدت گزرنے کے بعد ان کا وارث قرار دے کر میراث دلائی۔

امام مالکؒ نے عبداللہ بن الفضل سے اور وہ اعرج سے روایت کرتے ہیں کہ عثمانؓ بن عفان نے ابن مکمل کی عورتوں کو وارث بنایا حالانکہ انھوں نے بحالت مرض ان کو طلاق دیدی تھی۔

---

[۱] موطا امام مالکؒ کے متعدد اصل نسخے اور شرح و حواشی کے ساتھ ہندو پاکستان میں بھی شائع ہو چکے ہیں یہاں پر زیادہ تر وہی رائج ہیں نیز اردو و فارسی ترجمے بھی چھپ چکے ہیں ۱۲ مترجم رضی۔

Marfat.com

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ انھوں نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف کی بیوی نے ان سے اپنی طلاق مانگی تو انھوں نے فرمایا کہ جب تجھے حیض آئے اور پھر تو پاک ہوجائے تو مجھے اطلاع دینا لیکن ان کو حیض عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے بیمار ہونے کے وقت حیض آیا پھر جب وہ پاک ہوئیں تو انھوں نے ان کو اس کی خبر دیدی پھر انھوں نے ان کو طلاق قطعی دیدی یا وہ ایک طلاق دی جو ان کی اس عورت پر باقی تھی اور عبدالرحمٰن اس وقت مریض تھے تو عثمانؓ بن عفان نے ان کو ان کی عدت پوری ہونے کے بعد ان کا ورثہ دلایا۔

امام مالکؒ یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں اور وہ محمد بن یحییٰ بن حبان سے کہ میرے دادا حبان کی دو بیویاں تھیں ایک ہاشمیہ ایک انصاریہ انھوں نے انصاریہ کو طلاق دیدی جو دودھ پلا رہی تھی اور اس پر ایک سال گزر گیا اس کے بعد وہ انتقال کر گئے لیکن اس وقت تک عورت کو حیض نہیں آیا اس لئے اس نے دعویٰ کیا کہ میں اس کا ورثہ لونگی کیونکہ مجھے حیض نہیں آیا دونوں عورتیں عثمانؓ بن عفان کے پاس گئیں آپ نے اس کے لئے ورثہ دینے کا حکم دیا اس پر ہاشمیہ نے عثمانؓ کو ملامت کی تو آپ نے فرمایا یہ فیصلہ تو تیرے چچازاد بھائی کا ہے آپ نے اس سے اشارۃً ہماری طرف کیا یعنی علی ابن ابی طالب پر (جو ہاشمی تھے)

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ انھوں نے ابن شہاب کو یہ کہتے سنا ہے کہ جب کوئی شخص بحالت بیماری تین طلاق دیدے تو وہ عورت اس کی وراثت میں حصہ دار ہوگی۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر اس نے بحالت مرض قبل صحبت طلاق دی ہے تو اس کو نصف مہر ملے گا اور میراث ملے گی اور اس پر عدت واجب نہیں اور اگر صحبت کرنے کے بعد طلاق دی تو اس کو کل مہر بھی ملے گا اور میراث بھی ملے گی اور اس پر عدت نہ ہوگی اور اگر اس کے ساتھ صحبت کی پھر اس کو طلاق دی تو اس کو کل مہر بھی ملے گا اور میراث بھی، اور اس معاملہ میں ہمارے نزدیک باکرہ و ثیبہ دونوں برابر ہیں، موطا دراصل ان احادیث کا مجموعہ ہے جو امام مالکؒ کے نزدیک صحیح ثابت ہوئیں اور وہ تقریباً پانچسو احادیث کا مجموعہ ہے۔

لیکن جن مسائل کا انھوں نے جواب دیا اُن کو ان کے شاگردوں نے مرتب کر دیا سب سے پہلے جس نے اس کو لکھا وہ اسدؒ بن فرات ہیں جنھوں نے ان مسائل کو مرتب کیا ہے جو انھوں نے امام محمدؒ بن حسن فقیہ عراق سے حاصل کئے جیسا کہ شیخ علیش نے متن خلیل پر جو شرح لکھی ہے اس میں درج کیا ہے پھر ان مسائل کے متعلق عبدالرحمٰنؒ بن قاسم سے پوچھا تو انھوں نے مالکؒ کی

Marfat.com

رائے کے مطابق جواب لکھا پھر اس تحریر کو قیرواں لائے تو اس کو ان سے سحنونؒ نے لکھا اور اس کا نام اسدیہ تھا پھر اس کو سحنونؒ ابن قاسمؒ کے پاس ۱۸۸ھ میں لائے اور ان مسائل کو ان پر پیش کیا انھوں نے مسائل کی اصلاح کی اور پھر قیروان ۱۹۱ھ میں واپس لے گئے اور اس کو کتابی شکل میں تو سب سے پہلے اسدؒ بن فرات نے اس طرح جمع کیا تھا لیکن مسائل غیر مرتب شکل میں تھے اور عنوانات کی تفصیل بھی نہ تھی پھر سحنونؒ نے اس کے اکثر مسائل کو مرتب کیا اور سحنونؒ نے اس کے بعض مسائل پر ان احادیث کی رو سے اعتراض کیا جو موطا ابن وہب وغیرہ کی روایت سے ان کو ملے تھے اور اس میں کچھ ایسے حصے باقی رہ گئے جن کو سحنونؒ مکمل نہ کر سکے۔ (یہ سب کچھ قاضی عیاض نے لکھا ہے)

اہل صلاح واہل بدعت کے پیچھے نماز کا مسئلہ

(کہا) اور مالکؒ نے فرمایا کہ قوم کی امامت جو ان میں سب سے زیادہ عالم ہو اور اس کی حالت اچھی ہو اور فرمایا کہ عمر کا بھی کچھ حق ہے تو میں نے کہا جو ان میں سب سے اچھا قاری ہو وہ کیسا ہے تو فرمایا کبھی یہ قاری ایسا ہوتا ہے کہ جو نہیں (اس نہیں سے انکا یہ مطلب تھا کہ اس کی حالت اچھی نہیں ہوتی) اور مالکؒ نے فرمایا اور کہا جاتا ہے کہ سواری پر آگے بیٹھنے کا مستحق سواری کا مالک ہے اور امامت کا مستحق گھر والا ہے جبکہ اس کے مکان میں نماز پڑھیں البتہ اگر وہ اجازت دیدے تو دوسرا بھی امام ہو سکتا ہے میں نے امام مالکؒ کو دیکھا کہ وہ اسی کو پسند کرتے تھے میں نے ابن قاسمؒ سے کہا کہ امام مالکؒ کا قول اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو غلط قرآن پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے حالانکہ وہ خود اچھا پڑھ سکتا ہے تو کہا کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ جب امام لوگوں کو نماز پڑھائے اور قرأت چھوڑ دے تو اس کی اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی بھی وہ نماز باطل ہو گئی دوبارہ نماز پڑھیں اگرچہ وقت چلا جائے اس کے بعد فرمایا تو جو شخص قرآن مجید اچھا نہیں پڑھتا اس کا معاملہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کہ کوئی اس کے پیچھے نماز پڑھے جو قرآن مجید کو اچھا نہیں پڑھتا پھر کہا کہ میں نے امام مالکؒ سے پوچھا قدریہ فرقہ کے امام کے پیچھے نماز کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو فرمایا کہ اگر تم کو یقین ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو میں نے کہا اور نہ جمعہ؟ فرمایا اگر تجھے یقین ہو تو نہ جمعہ انھوں نے کہا اور میں مناسب جانتا ہوں کہ اگر تجھے اس سے ڈر ہو اور اس سے اپنے نفس کی حفاظت مقصود

Marfat.com

ہو تو تو اس کے ساتھ نماز پڑھے لیکن احتیاطاً ظہر بھی ادا کر لو امام مالکؒ نے فرمایا کہ اہل بدعت بھی قدریہ کے مثل ہیں۔ اور کہا کہ میں نے امام مالکؒ کو دیکھا کہ جب اہل بدعت کے پیچھے نماز پڑھنے والے کو نماز کے اعادہ کے متعلق ان سے پوچھا گیا تو وہ توقف کرتے تھے اور اس کا کوئی جواب نہیں دیتے تھے، ابن قاسم کہتے ہیں کہ میں اس بارہ میں اسی وقت اعادہ کر لینا مناسب سمجھتا ہوں اور کہا کہ مالکؒ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو ابن مسعود کی قرآت سے پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے تو فرمایا کہ وہ نکل جائے اور اس کو چھوڑ دے اور اس کی اقتدا نہ کرے انھوں نے کہا کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اہل بدعت کے ساتھ نہ اپنی لڑکیوں کا نکاح کرے نہ ان کی لڑکیوں سے نکاح کرے اور نہ ان کو سلام کرے اور نہ ان کے پیچھے نماز پڑھے اور نہ ان کے جنازوں پر حاضری دے، اور کہا کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ جو شخص ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھے جو ابن مسعود کی قرآت پڑھتا ہے وہ نکل جائے اور اس کو چھوڑ دے میں نے کہا کہ کیا اگر وہ اس کے پیچھے نماز پڑھے تو کیا اس پر اعادہ واجب ہے بقول امام مالکؒ ابن قاسم نے کہا کہ جب انھوں نے یہ کہا ہے کہ نکل جائے تو میری رائے یہ ہے کہ وہ وقت میں بھی اور اس کے بعد بھی نکل جائے "مدونہ" کے مسائل چھتیس ہزار تک پہونچتے ہیں۔

اور یہی "مدونہ" امام مالکؒ کے متبعین کے نزدیک علم کی بنیاد ہے اور امام مالکؒ کے مقلدین میں سے لکھنے والے عبداللہ بن عبدالحکم مصری ہیں جنھوں نے مختصر کبیر تالیف کی ہے جس کے ذریعہ سے کتب اشہب کا اختصار کیا اور مختصر اوسط اور مختصر صغیر لکھی اور صغیر کو تو صرف موطا تک محدود رکھا اور اوسط کی دو قسمیں ہیں۔ جو قراطیسی کی روایت کردہ ہے اس میں آثار کی زیادتی ہے برخلاف اس کے جوان کے لڑکے محمدؒ اور سعیدؒ بن حسان کی روایت سے ہے کہا جاتا ہے کہ مختصر کبیر کے مسائل کی تعداد (۱۸۰۰۰) مسئلوں تک پہونچتی ہے اور اوسط میں (۴۰۰۰) اور صغیر میں (۱۲۰۰)

اور انہی میں سے ایک اصبغ بن فرج ہیں جنھوں نے کتاب اصول تصنیف کی اور ابن القاسم سے اپنے سماع کی (۲۲) کتابیں لکھیں، اور محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم نے کتاب احکام القرآن اور کتاب الوثائق والشروط اور کتاب آداب القضاۃ اور کتاب الدعوی والبینات تالیف کی۔

اور محمد بن احمد عتبی قرطبی نے مستخرجہ تالیف کی اور اس میں زیادہ تر وہ مسائل درج ہیں جو شاذ اور نادر ہیں اور ان کے پاس جب کوئی شاذ مسئلہ لایا جاتا اس میں جو مسئلہ ان کو پسند آتا فرماتے کہ اس کو مستخرجہ میں داخل کر لو ابن وضاح کہتے ہیں کہ مستخرجہ میں بہت اغلاط ہیں اور محمد بن حکم کہتے

Marfat.com

ہیں کہ اس کے مسائل اکثر جھوٹے ہیں اور ایسے مسائل ہیں جن کے کوئی اصول نہیں اور ابو محمد بن حزم ظاہری کے سامنے مستخرجہ کا ذکر کیا گیا تو کہا کہ افریقیہ میں اہل علم کے نزدیک اس کا درجہ بلند ہے اور بڑی شہرت ہے، یحیٰ بن عمر کنانی نے اس کا اختصار کیا ہے اور اس کا نام منتخبہ رکھا ہے۔

اور محمدؒ بن سحنون نے اپنی کتاب موسومہ "جامع" تالیف کی جس میں علم فقہ کی بہت سی شاخیں جمع کی ہیں اور اس میں بہت سی کتابیں ہیں جو تقریباً ساٹھ ہیں۔

اور محمدؒ بن ابراہیم بن عبدوس نے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام مجموعہ ہے جو امام مالکؒ اور ان کے متبعین کے مذہب کے مطابق ہے لیکن وہ اس کے مکمل کرنے سے قبل ہی انتقال فرما گئے۔

اور اس دور میں مذہب مالکیہ کے دو بڑے مصنفین تھے۔ مشرق میں قاضی اسمٰعیل بن اسحٰق ہیں جنھوں نے اپنی کتاب مبسوط فقہ میں لکھی اور ایک کتاب محمدؒ بن حسن اور ابی حنیفہؒ اور شافعیؒ کی رد میں لکھی اور دوسرے مصر میں محمدؒ بن ابراہیم بن زیاد اسکندری المعروف بہ ابن مواز ہیں جن کی کتاب فقہ میں بڑی زبردست کتاب ہے اور مالکی مذہب کی تمام کتابوں میں اس کو امتیاز حاصل ہے جس میں صحیح ترین مسائل درج ہیں جو کلام میں مبسوط ہے اور تمام مسائل پر حاوی ہے اور قابسیؒ نے اس کو تمام اصولی کتابوں پر مقدم رکھا ہے۔

امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے مذہب کی کتابیں

شافعیؒ ہی وہ امام ہیں جن کے متعلق یہ معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے بذات خود کتابوں کی تصنیف کیں لیکن جو ان کے مذہب کے ماننے والوں کے لئے بنیاد کا کام دیتی ہیں اور خود انھوں نے اس کو اپنے شاگردوں کو عراق و مصر میں لکھوایا اور عراق کی کتابیں ان کا مذہب قدیم ہیں اور مصر کی کتابیں ان کا معتدل جدید مذہب ہے اور ان کی کتابیں یہ ہیں۔

(۱) رسالہ اولہ احکام یہ اصولی رسالہ ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

(۲) کتاب الام اور یہ وہ عظیم کتاب ہے جس کے مثل اس کے زمانہ میں نہیں لکھی گئی عمدہ طرز تحریر اور دقت تعبیر اور قوت مناظرہ میں لاجواب کتاب ہے یہ کتاب ایسی نہیں ہے جس میں صرف مسائل بیان کرتے چلے جائیں جیسے کہ امام محمدؒ کے کتابوں کا طرز ہے بلکہ وہ ہر مسئلہ کے ساتھ اس کی دلیل بھی بیان کرتے ہیں اور اکثر اپنے مخالفین کا ذکر کرتے ہیں اور ان پر دلیل قائم کرتے ہیں اور اس کتاب کا نام "قدیم" بھی تھا اس کی تحریر کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

Marfat.com

نماز کے متعلق کلام

شروع میں تین حدیثیں مع ان کی سند کے روایت کرتے ہیں۔

(۱) عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ ہم حبشہ جانے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سلام کیا کرتے تھے اور آپ اس کا جواب حالت نماز میں دیا کرتے تھے پھر جب ہم حبشہ سے واپس آئے میں آپ کے پاس بغرض سلام حاضر ہوا تو میں نے آپ کو نماز پڑھتے پایا اور میں نے آپ کو سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا تو میرے دل میں بہت سے نزدیک و دور کے خیالات پیدا ہونے لگے میں بیٹھا رہا حتیٰ کہ آپ نے نماز پوری کر لی پھر میں آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں جو چاہے تبدیلی فرما دیتا ہے اور انہی امور میں سے جو اللہ تعالیٰ تبدیلی فرماتا ہے یہ بھی ہے کہ تم نماز میں بات نہ کیا کرو۔

(۲) ابی ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت پڑھکر واپس ہوئے تو آپ سے ذوالیدین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ذوالیدین سچ کہہ رہا ہے تو لوگوں نے عرض کیا ہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور دو آخری رکعتیں پڑھ لیں پھر آپ نے سلام کیا پھر تکبیر کہی پھر آپ نے سجدہ کے مثل سجدہ کیا یا کچھ طویل سجدہ کیا پھر سر اٹھایا پھر تکبیر کہی پھر آپ نے سجدہ کے مثل سجدہ کیا یا کچھ طویل پھر سر اٹھایا، اور ابی ہریرہ سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ عصر کی نماز تھی۔

(۳) عمرانؓ بن حصین سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی تین رکعتیں پڑھیں پھر کھڑے ہو گئے اور حجرہ میں داخل ہو گئے جس پر خرباقؓ کھڑے ہو گئے جن کے ہاتھ چوڑے تھے اور انھوں نے آواز دی یا رسول اللہ کیا نماز کم ہو گئی تو آپ غصہ کی حالت میں اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے پھر آپ نے پوچھا تو آپ کو خبر دی گئی پھر آپ نے وہ رکعت ادا کی جو آپ نے چھوڑ دی تھی پھر آپ نے سلام پھیرا پھر دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ہم ان سب احادیث کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لازمی ہے کہ کوئی شخص نماز میں عمداً کلام نہ کرے جبکہ اس کو یہ یاد ہو کہ وہ نماز کی حالت میں ہے اور اگر اس نے ایسا کیا تو اس کی نماز باطل ہو گئی اور اس کو دوسری نماز حدیث ابن مسعودؓ کی بناء پر پڑھنا چاہیئے میرے علم کے مطابق کسی اہل علم نے اس مسئلہ میں مخالفت نہیں کی اور جس شخص نے نماز میں بات کر لی اور اس کا

Marfat.com

خیال یہ رہا کہ نماز پوری ہو گئی ہے یا وہ بھول گیا کہ وہ نماز میں ہے تو وہ اپنی نماز پوری کرے اور سجدہ سہو کرلے کیونکہ ذی الیدین کی حدیث اسی کے مطابق ہے اور جس نے اس حالت میں بات چیت کرلی اور اس کا خیال تھا کہ وہ نماز کے علاوہ دوسری حالت میں ہے غیر نماز میں بات کرنا مباح ہے اور ابن مسعودؓ کی حدیث ذی الیدینؓ کے حدیث کی مخالف نہیں ہے اور ابن مسعودؓ کی حدیث کلام کے بارہ میں اجمالی ہے اور ذوالیدین کی حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمداً کلام کرنے اور بھول کے کلام کرنے والے کے بارہ میں فرق کیا ہے کیونکہ وہ نماز میں ہے یا بات کرنیوالا جو یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے نماز کو پورا کرلیا۔

شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے نماز میں کلام کرنے کے بارہ میں ہم سے اختلاف کیا ہے اور اس مسئلہ میں ہمارے مخالف اس قدر دلائل جمع کئے ہیں کہ اس کے سوا بجز مسئلہ یمین کے مع الشاہد کے کسی مسئلہ میں اس قدر دلائل جمع نہیں کئے چنانچہ میں نے ان کو یہ کہتے سنا ہے کہ ذوالیدین کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اس حدیث اور حدیث العجماء جبار سے زیادہ مشہور کوئی حدیث ثابت نہیں۔ لیکن ذوالیدین کی حدیث منسوخ ہے تو میں نے کہا کہ اس کو کس حدیث نے منسوخ کیا ہے تو کہا ابن مسعودؓ کی حدیث نے تو میں نے ان سے کہا کہ جب دو حدیثیں مختلف ہوتی ہیں تو ان میں سے آخری ناسخ ہوتی ہے۔ فرمایا ہاں تو میں نے ان سے کہا کہ آپ کو ابن مسعودؓ کی یہ حدیث یاد نہیں کہ ابن مسعودؓ مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے آپ کو صحن کعبہ میں پایا تھا اور ابن مسعودؓ نے پہلے ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مکہ کی طرف لوٹے تھے پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے اور بدر میں حاضر تھے تو فرمایا ہاں تو میں نے ان سے کہا کہ جب ابن مسعودؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت سے پہلے آئے پھر عمرانؓ ابن حصین روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد کے پچھلے حصہ میں ایک شہتیر کے پاس آئے تو کیا تم یہ نہیں جانتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد میں مکہ سے ہجرت کے بعد نماز پڑھی تو کہا کہ ہاں تو میں نے کہا تو عمران بن حصین کی حدیث تم کو یہ بتاتی ہے کہ ابن مسعودؓ کی حدیث اور ذوالیدین کے حدیث کی ناسخ نہیں ہے۔ اور ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی تو فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ ابی ہریرہؓ کی صحبت کتنی ہے اس پر میں نے کہا کہ ہم اتنا ہی زمانہ بیان کرتے ہیں جو اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے کافی ہو جو عمرانؓ کی حدیث میں بیان ہوا ہے تاکہ تم کو مشکل نہ پڑے کہ ابوہریرہؓ خیبر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کی صحبت میں آئے اور خود ابو ہریرہ رضؓ کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں تین یا چار سال رہا (ربیع کو شک ہے) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں کئی سال رہے سوا ان ایام کے جو مکہ میں ابن مسعود رضؓ کے آنے کے بعد آپ نے قیام کیا ابو ہریرہ رضؓ کی صحبت سے پہلے تو کیا یہ جائز ہے کہ ابن مسعود رضؓ کی حدیث اس کے بعد کے حدیث کی ناسخ ہو تو فرمایا نہیں امام شافعی رحؒ کہتے ہیں کہ پھر میں نے ان سے کہا کہ اگر ابن مسعود رضؓ کی حدیث ابی ہریرہ رضؓ و عمران رضؓ بن حصین کے حدیث کی مخالف ہوتی جیسا کہ تم کہتے ہو اور اس حالت میں عمداً کلام کرنا کہ تم جانتے ہو کہ تم نماز میں ہو بعینہ ایسا ہو کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ گویا تم نے نماز پوری کر لی یا تم نماز کو بھول گئے تو ابن مسعود رضؓ کی حدیث منسوخ ہو گی اور نماز میں بات کرنا مباح ہے لیکن نہ وہ ناسخ ہے نہ منسوخ بلکہ اس کی وجہ وہی ہے جو میں نے بیان کر دی اور وہ یہ کہ نماز میں یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ ہم نماز میں ہیں بات کرنا جائز نہیں ہے اور جب اس طرح ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر نسیان اور سہو سے بات کرلے اور وہ سمجھتا ہے کہ بات کرنا جائز ہے اس طرح کہ وہ خیال کرے کہ نماز کو اس نے پورا کرلیا ہے یا اس میں بھول گیا تو نماز فاسد نہ ہو گی تو فرمایا اور تم جانتے ہو کہ ذوالیدین بدر میں شہید ہو گئے تو میں نے کہا تم اس کو جیسے چاہو بنالو لیکن کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا مدینہ میں عمران بن حصین کی حدیث میں ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ نے مدینہ میں نماز پڑھی تھی اور مدینہ میں مسعود کی حدیث کے بعد ہے تو فرمایا کیوں نہیں تو میں نے کہا کہ پھر تمہارے لئے کسی قسم کی حجت قائم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ بدر کا واقعہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے کے چھ ماہ بعد ہوا تو فرمایا کہ کیا ذوالیدین جس سے تم روایت کرتے ہو وہی ہیں جو بدر میں شہید ہوئے تو میں نے کہا نہیں عمران ان کا نام خرباق بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ چھوٹے تھے یا بتاتے ہیں کہ دراز دست تھے اور بدر میں جو شہید ہوئے وہ ذوالشمالین تھے اور اگر دونوں ذوالیدین ہوں تو گویا ایک ایسا نام ہوا جو ممکن ہے کہ رسم کے موافق ہو گیا ہو جیسے کہ بہت سے لوگوں کے اسماء ایک ہو جاتے ہیں تو جو لوگ ان کے مذہب کو اختیار کئے ہوئے ہیں ان میں سے ایک نے کہا تو ہمارے لئے ایک دوسری حجت ہے ہم نے کہا وہ کیا تو کہا کہ معاویہ بن حکم کے متعلق مشہور ہے کہ انھوں نے نماز میں بات چیت کی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں انسان کی کوئی بات ٹھیک نہیں تو میں نے کہا کہ یہ دلیل تو تمہارے فائدہ کی نہیں بلکہ تمہارے نقصان کی ہے اور یہ بالکل ابن مسعود رضؓ کی طرح روایت کرتے ہیں اور وجہ اس میں وہی ہے جو میں نے بیان کیا ہے

Marfat.com

تو فرمایا کہ اگر تم کہو کہ یہ اس کے خلاف ہے میں نے کہا تو یہ تمہارے حق میں مفید نہیں ہے اور ہم تم سے اس حدیث کی بناء پر کلام کرتے ہیں اگر معاویہؓ کا معاملہ ذوالیدین سے پہلے ہو تو وہ منسوخ ہے اور تمہارے قول کے مطابق لازم آتا ہے کہ نماز میں بات کرنا ویسے ہی ٹھیک ہو جیسے غیر نماز میں خواہ اس کے ساتھ ہو یا اس کے بعد جیسا کہ تم بیان کرتے ہو انھوں نے بات کرلی اور ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ کلام کرنا نماز میں حرام نہیں ہے اور وہ یہ نہیں بیان کرتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز دہرانے کا حکم دیا ہو تو وہ ذوالیدین کی حدیث کے مثل ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس لئے کہ انھوں نے اپنی حدیث میں بیان کیا کہ انھوں نے عمداً کلام کیا البتہ وہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ایسی حالت میں بات کی کہ ان کو معلوم نہ تھا بات کرنا نماز میں حرام ہے تو فرمایا کہ یہاں حدیث میں وہی ہے جو تم نے بیان کیا تو میں نے کہا اگر جیسا کہ میں نے اس کو بیان کیا ہے ویسا ہی ہے تو تمہارے فائدہ کی نہیں بلکہ تمہارے نقصان کی بات ہے اگر ویسے ہی ہو جیسے کہ ہم نے بیان کیا وہ تمہارے لئے مفید نہیں تو فرمایا کہ پھر تم کیا کہتے ہو؟ تو میں نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ یہ ابن مسعود کی حدیث کے مثل ہے اور ذوالیدین کے حدیث کی مخالف نہیں ہے تو فرمایا کہ جس وقت تم نے ذوالیدین کے حدیث کی تفریع کی تو تم نے مخالفت کی میں نے کہا کہ کیا ہم نے ان کی مخالفت اصل میں کی ہے؟ تو فرمایا نہیں لیکن فرع میں۔ تو میں نے کہا کہ پھر آپ نے تو نص میں ان کی مخالفت کی اور جس نے نص میں مخالفت کی تو آپ کے نزدیک اس کا حال اس سے برا ہے جس کی نظر کمزور ہو اور تفریع میں غلطی کرے انھوں نے فرمایا ہاں اور ہر ایک معذور نہیں ہے تو میں نے ان سے کہا کہ پھر آپ نے تو اصل و فرع دونوں میں ان کی مخالفت کی لیکن ہم نے تو اس کی فرع اور اصل میں ایک حرف کی بھی مخالفت نہیں کی تو اس کے اختلاف کی تم پر ذمہ داری ہے اور تم جو یہ کہتے ہو کہ ہم نے اس میں ان کی مخالفت کی حالانکہ ہم نے ان کی مخالفت نہیں کی تو انھوں نے فرمایا کہ میں تم سے ایک سوال پوچھتا ہوں تاکہ مجھے علم ہو جائے کہ تم نے اس کی مخالفت کی یا نہیں؟ میں نے کہا پوچھئے تو فرمایا تم اس امام کے بارے میں کیا کہتے ہو جو دو رکعت پڑھکر نماز ختم کر دے اور جن لوگوں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی ان میں سے کسی نے ان سے کہا کہ تم نے صرف دو رکعت نماز پڑھی اور اس نے دوسروں سے سوال کیا تو دوسروں نے بھی اس کی تصدیق کی تو میں نے کہا کہ جس مقتدی نے امام کو خبر دی اور جنھوں نے گواہی دی کہ اس نے سچ کہا ہے اور وہ اچھی طرح یہ جانتے ہیں کہ امام نے نماز پوری نہیں پڑھی تو ان کی نماز فاسد ہے تو فرمایا کہ تم تو روایت کرتے ہو کہ

Marfat.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی اور تم کہتے ہو کہ جو لوگ آپ کے ساتھ تھے انھوں نے بھی نماز پوری کی اگرچہ تم اس کا ذکر حدیث میں نہیں کرتے میں نے کہا ہاں تو فرمایا کہ پھر تم نے انکی مخالفت کی میں نے کہا نہیں لیکن ہمارے امام کا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے جدا ہے انھوں نے کہا کہ نماز اور امامت میں ان دونوں کا حال کس طرح جدا ہے ؟ تو میں نے ان سے کہا کہ اللہ عزوجل کے فرائض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یکے بعد دیگرے فرض ہوتے جا رہے تھے تو جو چیز آپ پر فرض نہیں ہوتی تھی وہ آپ پر فرض فرمایا جاتا تھا اور بعض فرائض میں تخفیف فرما دینا تھا انھوں نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے تو میں نے کہا کہ ہم اور تم اور کوئی مسلمان اس میں شک نہیں کرتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جب ہی ختم کی جبکہ آپ نے یہ سمجھ لیا کہ آپ نے نماز پوری کرلی تو فرمایا ہاں تو میں نے کہا جب آپ نے ایسا کیا تو ذوالیدین یہ نہ جان سکے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حکم کی بنا پر نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے اور یہ بات ان کے سوال سے ہی ظاہر تھی جبکہ انھوں نے کہا کہ نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے اور یہ بات ان کے سوال سے ہی ظاہر تھی جبکہ انھوں نے کہا کہ نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے تو انھوں نے فرمایا ہاں درست ہے تو میں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالیدین کا کہنا قبول نہیں کیا اسی لئے تو آپ نے ان کے غیر سے سوال کیا فرمایا بیشک اس پر امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا اور شخص سے پوچھا تو اس بات کا احتمال ہے کہ آپ نے اس شخص سے پوچھا ہو جس نے ان کا کلام نہ سنا ہو تو پھر تو اسی کے مثل ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے اس سے سوال کیا ہو جس نے ان کا کلام سنا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ سنا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اعادہ کیا ہو پس جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا اس نے آپ پر اعادہ کیا تو وہ ذوالیدین کے معنی میں ہوگا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی دلیل اپنے قول سے نہیں بتائی اور اس نے نہ جانا کہ نماز کم ہو گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے تو آپ نے اس کو جواب دیا اور اس کا معنی ذوالیدین کے معنی میں ہوں گے کہ ان کا فرض آپ کو جواب دینا تھا کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب انھوں نے خبر دی تو آپ نے ان کے قول کو قبول کر لیا اور نہ آپ نے بات کی نہ انھوں نے بات کی بلکہ اپنی پہلی نماز پر ہی اس نماز کی بنیاد رکھی اور جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اللہ تعالیٰ کے فرائض ختم ہو گئے کہ اس میں ہمیشہ کے لیے نہ زیادتی کا امکان رہا نہ کمی کا تو فرمایا ہاں میں نے کہا یہی ہمارے اور ان کے درمیان فرق ہے تو جو لوگ ان کے پاس اس وقت حاضر تھے کہتے

Marfat.com

لگے کہ یہ فرق بین ہے جس کو کوئی عالم رد نہیں کر سکتا فرمایا کہ تمہارے اصحاب میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جب آدمی خود نماز کے بارے میں کلام کرے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی تو میں نے کہا کہ ہم پر اعتراض تو ہمارے ہی قول سے ہوتا ہے نہ کہ ہمارے غیر کے قول سے اور فرمایا اور میں نے تمہارے اکثر شاگردوں سے گفتگو کی تو کسی نے اس سے استدلال نہیں کیا اور انھوں نے کہا کہ عمل اسی پر ہے تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے تم کو بتا دیا کہ عمل کے کوئی معنی نہیں اور نہ ہمارے خلاف تمہارے پاس کوئی دلیل ہمارے غیر کے قول سے ہو سکتی ہے انھوں نے فرمایا ہاں تو میں نے کہا جب میں تمہارے پاس دلیل نہ ہو اس کو چھوڑ دو اور میں نے ان سے کہا کہ ذوالیدین کے حدیث کی مخالفت میں تم نے غلطی کی حالانکہ اس کا ثبوت تھا اور تم نے اپنے اوپر ظلم کیا کہ تم نے خیال کیا کہ" اور جو اس بات کے قائل ہیں ان کے نزدیک نماز میں کلام اور جماع اور گانا حلال ہے حالانکہ ہم نے اور انھوں نے اس میں سے کسی بات کو جائز نہیں قرار دیا حالانکہ تمہارا یہ خیال ہے کہ نمازی نے جب نماز پوری کرنے کے پہلے سلام پھیر دیا اور اس کو یہ اچھی طرح یاد ہے کہ اس نے نماز پوری نہیں کی ہے تو اس کی نماز فاسد ہو گئی کیونکہ تمہارا خیال ہے کہ سلام اس کے غیر محل میں کلام ہے اور اگر اس نے اس خیال سے سلام پھیر دیا کہ اس نے نماز کو مکمل کر لیا ہے تو پھر اسی نماز کو پوری کر لے تو اگر تمہارے مخالف اس کے سوا کوئی دلیل نہ ہو تو یہی دلیل تمہارے لئے کافی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ تم حدیث کے خلاف کرنے کو عیب سمجھتے ہو اور تم اکثر اس کے خلاف کرتے ہو۔

اور یہ کتاب پوری کی پوری اسی انداز تشریح و نقد کی واضح تصویر قلب کے سامنے پیش کرتی ہے اور اس زمانہ میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں اس کتاب سے زیادہ کوئی کتاب ہم کو اپنی طرف عمیق مطالعہ کی دعوت نہیں دیتی۔

اس کتاب کے ساتھ چند اور کتابیں بھی ملحق کر دی گئی ہیں جس میں ایک کتاب وہ بھی ہے جس میں امام ابوحنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ کے اختلافی مسائل درج ہیں اور اس کی اصل ابو یوسفؒ کی ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

اور ان میں ایک کتاب علیؓ اور ابن مسعودؓ کے اختلافی مسائل کی ہے اس کتاب میں امام شافعیؒ نے ان مسائل کا ذکر ہے جن میں ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں نے عراق کے صحابی ایمہ سے اختلاف کیا ہے جو علیؓ و ابن مسعودؓ ہیں۔

اور کتاب اُم میں ذکر کیا ہے کہ اس کا نام "اختلاف علیؓ و ابن مسعودؓ" رکھنا غلط ہے اور اپنی فہرست

میں ابن ندیم نے اس کا نام یوں رکھا ہے" وہ مسائل جس میں عراقیوں نے علیؓ و عبداللہؓ سے اختلاف کیا ہے" اور یہی ٹھیک ہے۔

اور اسی میں ایک کتاب "اختلاف مالکؒ و شافعیؒ" ہے اور یہ کتاب عمل بالسنت سے ہے اس میں امام مالکؒ کے شاگردوں سے مناظرہ ہے کیونکہ انھوں نے حدیث کی تائید کے لئے ائمہ کے عمل کو شرط قرار دیا ہے اور امام شافعیؒ کی رائے کی تائید کی ہے کہ جب ثقہ نے ثقہ سے حدیث بیان کردی حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کا سلسلہ پہونچا دیا تو وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو ہم اس وقت تک نہ چھوڑیں گے جب تک کہ ہم کو کوئی حدیث ایسی نہ مل جائے جس سے اس حدیث کا خلاف معلوم ہو اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث آپ سے اس کی مخالفت میں نہ ملے اور اس سے کمتر شخص کسی ایسی حدیث کی روایت کرے جو اس کی موافق ہو تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی حدیث میں کسی قوت کا اضافہ نہیں ہوتا وہ خود بنفسہ مستغنی ہے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم درجہ کے شخص کی حدیث ایسی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیث کی مخالفت کرتی ہے تو ہم اس کی مخالفت کی طرف توجہ نہیں کریں گے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور جس سے روایت کی گئی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف عمل کیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے تو میں انشاء اللہ اس کا اتباع کروں گا ——— اس کے بعد اس اصل کی مخالف انھوں نے اس کی تفصیل کی ہے کہ امام مالکؒ نے اس اصل پر جو مخالفت کی ہے اس پر اعتراض کیا ہے اور ان سے اس بارہ میں بحث کی ہے۔

اور اسی میں سے ایک کتاب "جماع علم" ہے اور اس میں حدیث اور عمل بالحدیث کی تائید کی ہے۔
اور اسی میں کتاب "ابطال استحسان" ہے جس میں فقہاء اہل عراق پر ان کے قول "استحسان" کی تردید کی ہے۔

اور اسی میں سے ایک کتاب امام محمد بن حسن پر رد میں ہے اور اس کی اصل وہ کتاب ہے جس میں امام محمد بن حسن نے اہل مدینہ پر رد کیا ہے اور شافعیؒ نے ان کی طرف سے جوابات دئے ہیں جس میں شافعیؒ نے محمدؒ بن حسن پر ان مناظرات میں جو ان دونوں کے درمیان اس کتاب میں درج ہیں یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ وہ ہمیشہ کتاب میں یہ لکھتے ہیں کہ "اہل مدینہ نے ایسا کہا" حالانکہ وہ

Marfat.com

قول تمام اہل مدینہ کا قول نہیں ہوتا بلکہ وہ امام مالکؒ بن انس کا قول ہے اور اکثر اہل مدینہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

ایک کتاب سیر اوزاعی ہے اور اس کی اصل ابو یوسفؒ کی وہ کتاب ہے جس میں اوزاعیؒ پر انھوں نے اعتراض کیا ہے اور شافعیؒ نے اوزاعیؒ کی طرف سے جواب دیا ہے اس کتاب کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اور شافعیؒ کی کتابوں میں عظیم الشان اور سب سے بڑی تصنیف "اختلاف الحدیث" ہے جس کو شافعیؒ نے سنت کی حمایت میں عموماً اور خبر واحد کی حمایت میں خصوصاً لکھا ہے اور اس میں اختلاف حدیث پر بحث کی ہے اور یہ کتاب ان لوگوں کا رد کرتی ہے جنھوں نے مطلقاً سنت کو رد کیا ہے یا حدیث پر عمل کے لئے راوی کے ثقہ ہونے کے علاوہ اور شرطیں لگائی ہیں اس کتاب میں امام شافعیؒ نے اولاً اس اختلاف پر بحث کی ہے جو ہر مروی فعل کے مباح ہونے کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ وضو کیا اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے دو دو مرتبہ وضو کیا اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے تین تین بار وضو کیا ایسی حدیثیں بکثرت مروی ہیں پھر ان احادیث کا ذکر کیا جو ایک دوسری کی ناسخ ہیں اور وہ احادیث ذکر کی ہیں جو ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں اور بہت سی باتیں جو شریعت کے قواعد بتانے میں سنت کے معاملہ میں زیادہ مفید ہیں یہ کتاب بیش بہا مناظرات پر بھی مشتمل ہے جو انھوں نے اپنے مخالفین خصوصاً امام محمد بن حسنؒ کے ساتھ جو مناظرے کئے ہیں وہ اس میں درج ہیں۔ ان کی ایک کتاب مسند ہے جس میں وہ احادیث درج ہیں جو "کتاب الام" کا ماخذ ہیں۔

اور حرملہ بن یحییٰ کی بھی ایک کتاب فقہ میں ہے جس کو امام شافعیؒ نے لکھوایا ہے اور البویطی کی ایک کتاب مختصر کبیر اور مختصر صغیر اور کتاب الفرائض ہے اور مزنی کے بھی دو مختصر ہیں ایک تو مختصر کبیر جو متروک ہے دوسری مختصر صغیر جس پر شافعیؒ کے شاگردوں کا اعتماد ہے اور اسی کو پڑھا کرتے تھے اور اسی کی شرح کیا کرتے تھے اس کی مختلف روایات ہیں۔

اور انہی کی دو جامع ہیں ایک جامع کبیر دوسری جامع صغیر اور اس کے علاوہ اور کتب بھی ہیں۔

اور شافعیؒ کے شاگردوں کے مقلدین میں جن لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں ان میں ابو اسحٰق ابراہیم

Marfat.com

بن احمد مرزی شاگرد مزنیؒ ہیں جنھوں نے مختصر مزنی کی دو شرحیں لکھی ہیں اور ان کی ایک کتاب فصول فی معرفۃ الاصول ہے اور کتاب الشروط والوثائق ہے اور کتاب وصایا وحساب الدور اور کتاب خصوص وعموم بھی اُن کی تصانیف ہیں۔

اور ابن سریج نے ایک کتاب امام محمد بن حسن اور عیسی بن ابان کی رد میں لکھی ہے اور ان کی ایک کتاب التقریب بین المزنی والشافعی ہے اور ایک کتاب فقہ میں مختصر بھی ہے۔

اور ابی بکر محمد بن عبداللہ صیرفی (المتوفی ۳۲۲ھ) کی ایک کتاب البیان فی دلائل الاعلام علی اصول الاحکام ہے اور رسالہ شافعی کی شرح اور کتاب الفرائض ہے۔

اور جن شافعی حضرات نے اس اور میں کتابیں لکھی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں مگر ہم ان کی کتابوں پر زیادہ واقفیت حاصل نہیں کر سکے۔

اور دوسرے مذاہب کی کتب کا ذکر ہم نے ان کے ائمہ کے اور ان کے قابل ذکر لوگوں کے ذکر کے ساتھ کر دیا ہے کیونکہ ہم نے اس میں سے کوئی کتاب نہیں دیکھی ہے۔

Marfat.com

پانچواں دور

چوتھی صدی کی ابتدا سے سلطنت عباسیہ کے زوال تک

یہ زمانہ خاص خاص مذاہب کی پابندی اور ان کی تائید اور مناظرہ وجدال کی اشاعت کا زمانہ ہے

سیاسی پس منظر

اس دور میں اسلامی سلطنتوں کے سیاسی تعلقات منقطع ہو گئے چنانچہ اگر تم مغرب سے اس کی ابتدا کرو تو اندلس میں بنی امیہ کو پاؤ گے جن کا پیشوا عبدالرحمٰن ناصر ہے جس نے دولت عباسیہ کی کمزوری کو دیکھ کر امیرالمومنین کا لقب اختیار کر لیا' اور شمال افریقہ میں شیعہ اسماعیلیہ کو پاؤ گے کہ جنھوں نے ایک سلطنت کی بنا عبیداللہ مہدی فاطمی کے نام سے رکھدی ہے جو امیرالمومنین کہلاتے ہیں اور جنھوں نے اپنا دارالخلافہ تونس کے قریب شہر "مہدیہ" کو بنایا اور مصر میں محمد اخشید کو پاؤ گے جو بنی عباس کے لئے دعوت دے رہا ہے اور موصل وحلب میں بنی حمدان کو پاؤ گے کہ وہ بھی اسی طرح بنی عباس کی دعوت دے رہے ہیں اور یمن میں شیعہ زیدیہ کو پاؤ گے جنھوں نے وہاں مضبوطی کے ساتھ قدم جمائے ہیں اور بغداد میں دولت دیلم پاؤ گے جو دولت بنی بویہ کے نام سے مشہور تھی جو عملاً صاحب اختیار تو خود ہے لیکن بنی عباس کا صرف نام ہی نام ہے اور مشرق میں دولت سامانیہ کو پاؤ گے جو ایک عظیم الشان سلطنت تھی جس کا دارالخلافہ ماوراء النہر میں بخارا تھا اس طرح تمام عالم اسلامی کے جوڑ کٹے ہوئے ایک دوسرے سے الگ تھلگ تھے جن کی کوئی سیاسی شیرازہ بندی نہ تھی۔ متغلبین میں سے ہر ایک فریق دوسرے کا دشمن تھا اور اس کے لئے مکروفریب سے کام لیتا تھا سب سے بڑے مکروفریب اور داؤ پیچ بغداد میں مغلوب بنی عباس کے اور فاطمین کے ساتھ ہوتے تھے جن کا مرکز شام اور مصر پر ان کے قبضہ سے قوی ہو گیا تھا یہ لوگ تو اپنے مبلغین اطراف عالم اسلامی میں اپنی دعوت کے پھیلانے کے لئے نہایت مستعدی سے بھیجا کرتے تھے اور بنو العباس اپنی مجلسوں میں فاطمین کے نسب

Marfat.com

پر طعن کرتے اور شجرہ فاطمہ زہرا سے ان کو خارج کرنے کے لئے محضرنامے لکھوایا کرتے تھے جس پر اشراف اور علماء کے طوعاً و کرہاً دستخط کرایا کرتے تھے اور بنو بویہ صاحب اقتدار تھے اور اگرچہ شیعہ تھے لیکن انھوں نے بنی عباس کو باقی رکھا تاکہ ان کا اقتدار سلامتی سے باقی رہے کیونکہ اگر وہ خلافت کو علویین کی طرف منتقل کرتے تو ان کا اقتدار ختم ہوجاتا اس لئے کہ عقیدہ کے لحاظ سے ان کو علویین کے ماتحت رہنا پڑتا اور اس طرح سیاست عقیدہ پر غالب آگئی اور تھوڑا بھی زمانہ نہ گزرا تھا کہ مشرق سے آل سلجوق حرکت میں آئے جو اس بات کی نشانی تھی کہ اب حکومت ترکی عنصر کی طرف منتقل ہورہی ہے چنانچہ سلجوقیوں کے سامنے جس قدر متغلبین آئے انھوں نے ان کو پامال کردیا اور تمام مشرق پر قابض ہوگئے اور بغداد سے بنی بویہ کی حکومت ختم کردی اور ان کے قائم مقام ہوکر بنی عباس کو انھوں نے بھی قائم رکھا کیونکہ تشیع میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا پھر ان کا تسلط بغداد کے مغربی حصہ پر بھی ہوگیا پھر وہ جزیرہ اور وسط ایشیا پر قابض ہوگئے پھر انھوں نے فاطمیین سے ملک شام لے لیا اور تمام اسلامی ممالک میں علاوہ مصر کے اور اس کے عقب میں بلاد مغرب کے ان کا کلمہ بلند ہوگیا اور جب ان میں بھی اختلاف پھیلنے لگا تو وہ بھی آپس میں لڑنے لگے اور اختلاف ہی ان قدیم امراض میں سے ہے جو اجسام بیوت مالکہ کو لگا کرتا ہے اور مصریوں کے ساتھ بلاد شام میں یہی جنگ اور ضعف ان میں صلیبی ہوا پھیلنے کا سبب بنا کہ وہ پانچویں صدی کے آخر میں اٹھے اور بیت المقدس پر غالب ہوگئے اور وہ وہیں تک نہیں ٹھیرے رہے جیساکہ ان جنگوں کی تاریخ میں مشہور ہے۔

بہرحال سلجوقیوں کی جماعت کے منتشر ہونے ہی ان کے بعد دوسری ترکی حکومت قائم ہوگئی جو دولت اتابکیہ کے نام سے مشہور ہے اور وہ ان خاندانوں سے تھی جو سلجوقیوں کی طرف منسوب ہیں کیونکہ اس کے روسا سلجوقیوں کے قاید اور ان کے لڑکوں کے مربی تھے اسی لئے ان کو اتابک کہا جاتا تھا اور حکومت اتابکیہ مشرق و مغرب میں پھیل گئی اور انہی کی نسلوں میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر جس کا نام محمود نورالدین تھا دولت مصریہ فاطمیہ کا خاتمہ ہوا اور مصر پر دوبارہ دعوت عباسیہ غالب آگئی اور اس کے بعد ہی دولت صلاح الدین یوسف بن ایوب قائم ہوگئی جو محمود نورالدین کا سپہ سالار تھا۔

لیکن اقصیٰ مشرق میں چھٹی صدی کے آخر میں خوارزم شاہ کی حکومت قائم ہوئی اور اس قدر باعظمت ہوگئی کہ بغداد کے قریب تک پہونچ گئی۔ تھوڑے ہی زمانہ کے بعد یہ عظیم الشان دیوار بھی ٹوٹ

Marfat.com

گئی اور مغلوں کا بے پناہ سیلاب اُمنڈ آیا ان کا سالار اور وحدت تاتار کا بانی چنگیز خاں تھا اس تاتاری سیلاب نے ساتویں صدی کے شروع میں ہر اُس طاقت کو جو اُن کی راہ میں حائل ہوئی ختم کردیا۔ چنگیز خاں کو اس کی پوری پوری اُمیدیں لگی ہوئی تھیں کہ آخر کار پوری دُنیا اس کے اور اس کی اولاد کے زیر نگیں آجائے گی اس لئے اس نے پوری دنیا کو چار حصّوں میں اپنے چاروں لڑکوں کے درمیان تقسیم کردیا۔

لہٰذا اس نے اپنے ایک بیٹے شجطائی کو مغربی حصّہ دریا تک دے دیا اور دُوسرے بیٹے تولی کو مشرقی حصّہ چین تک دے دیا اور شمال اپنے تیسرے بیٹے جوجی کو دے دیا اور اپنی اصلی سلطنت اپنے بیٹے اوجطائی کو دے دی۔

اور اس طرح اس نے یہ حساب لگایا کہ اس کے بیٹے اقصیٰ مشرق میں سواحل چین سے اور اقصیٰ مغرب میں بحر روم کے سواحل تک مالک بن جائیں گے۔

اس پر زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا کہ ہلاکو خاں چنگیز خاں کا پوتا بغداد میں اس کی فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا جو عالم اسلامی کا دار الخلافہ تھا اور اس نے آخری عباسی خلیفہ کو جس کا نام اکثر اسلامی منبروں پر لیا جاتا تھا۔ قتل کیا اور تمام ہلاکت وخرابی کے بعد بغداد ایک ایسی حکومت کا دار السلطنت بن گیا جس کا کوئی آسمانی مذہب نہیں تھا جس کے قوانین خود اس کے دادا چنگیز خان کے وضع کئے ہوئے تھے جو "کاسہ" کے نام سے مشہور تھے اور یہ تاریخ اسلامی قدیم تاریخ اور تاریخ اوسط کے درمیان حدفاصل سمجھی جاتی ہے اور اس زمانہ میں مصر میں دولت ایوبیہ کا خاتمہ ہوچکا تھا اور ان کی جگہ صالح نجم الدین کی مدد سے ترکی نسل کے غلاموں نے لیلی تھی۔

چنانچہ ان کے چوتھے بادشاہ ملک ظاہر بیبرس بندقداری نے عباسیوں کی نسل میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کرلی جو اس کے زمانہ میں مصر سے آیا تھا اور اس نے اس کو عباسی خلیفہ تسلیم کیا اور اس خلیفہ نے اس کو مصر کا اور اس کے ملحقات کا بادشاہ قرار دیا اور اسی وقت سے قاہرہ نے بغداد کی جگہ لیلی جس میں ایک برائے نام عباسی خلیفہ تھا اور ایک سلطان جو صاحب حکم تھا جیسا کہ بنی بویہ وآل سلجوق کے زمانہ میں بغداد کا حال تھا۔

اس زمانہ میں اسلامی سیاسی صورتِ حال کا یہ ایک مختصر ساڈھانچہ تھا۔ لیکن علمی حالت ان انقلابات میں سیاسی حالات کے تابع نہ رہے بلکہ وہ ترقی کرتے رہے خصوصاً مشرق میں سلجوقیوں کے زمانے میں اور مصر میں فاطمی حکومت کے زمانے میں کہ اس میں بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے اور عظیم الشان

Marfat.com

مفکر بیدار ہوئے اور شریعت اسلامی میں ان کے وہ کارنامے ہیں جن کو ہم آیندہ امتیازات کے سلسلہ میں تفصیل وار بتائیں گے۔ البتہ اس کا اعتراف ضروری ہے کہ شریعت میں استقلال کی روح سیاسی ضعف کی وجہ سے کمزور ہوتی گئی۔ اور وہ روح عالیہ جو امام ابی حنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ داؤد ابن علیؒ محمد بن جریر طبریؒ اور ان کے ساتھیوں میں کام کر رہی تھی۔ اس میں سے بجز معمولی اثرات کے کچھ باقی نہ رہا وہ روح جو ابی حنیفہ رح میں کام کر رہی تھی اور انہوں نے اپنے اسلاف کے متعلق یہ کہنا سکھایا تھا کہ وہ بھی آدمی تھے ہم بھی آدمی ہیں اور وہ روح جو مالکؒ میں کام کر رہی تھی جنھوں نے کہا کہ بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی ذات ایسی نہیں کہ جس کے قول کو ہم قبول کریں یا رد کریں اور ان کے غیروں میں بھی جو روح کام کر رہی تھی جس کی بنا پر وہ اسی قسم کے اقوال کہتے تھے ان کی جگہ وہ روح آگئی جس کو ہم روح تقلید کا نام دیتے ہیں۔

۱۔ روح تقلید

تقلید سے ہماری مراد کسی معین امام کے احکام کو لینا اور اس کے اقوال کا ایسا اعتبار کرنا گویا کہ وہ شارع کے نصوص ہیں جس کا اتباع مقلد کے لئے لازمی ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ گذشتہ ہر دور میں مجتہد اور مقلد موجود تھے۔ مجتہد وہی فقہار ہوتے تھے جو کتاب و سنت کو پڑھتے تھے اور ان کو اتنی قدرت ہوتی تھی کہ ظاہری نصوص یا اس کے مفہوم سے احکام کا استنباط کر لیتے اور مقلد وہ عام لوگ ہوتے جو کتاب اور سنت کی تعلیم میں ایسے مشغول نہ ہوتے جس سے وہ استنباط کے اہل ہوسکیں اسی لئے ان لوگوں کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو اپنے شہر کے فقہا میں سے کسی ایک فقیہ کے پاس جانے پر مجبور ہوتے جو ان کے پوچھنے پر فتویٰ دیتا لیکن اس زمانہ میں روح تقلید عام طور پر جاری ہوگئی اور اس میں جمہور کے علاوہ علمار بھی شریک ہوگئے۔ حالانکہ پہلے ایسا نہ تھا بلکہ جو فقہ کی معلومات حاصل کرنا چاہتا قرآن لعید اور احادیث کی روایات پڑھنے کی کوشش کرتا جو استنباط کی بنیاد ہیں لیکن اس زمانہ میں معین امام کی کتابیں پڑھنے لگے اور اس کا وہ طریقہ معلوم کرنے لگے جس کے ذریعہ اس نے مذموم احکام کا استنباط کیا تھا جب وہ اس کام سے فارغ ہو لیتا تو وہ علمار فقہار سے ہو جاتا تھا اور ان میں سے بعض جواں ہمت لوگ اپنے امام کے احکام کی کتابیں بھی مرتب کرتے یا تو کتاب کا اختصار کرتے جو اس کے پہلے کسی نے لکھدی یا اس کی شرح یا جو متفرق کتابوں میں ہے اس کا مجموعہ اور

Marfat.com

ان میں سے کوئی بھی اپنے کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ان مسائل میں سے کسی مسئلہ میں کوئی ایسا قول کہدے جو اس فتوے کے مخالف ہو اس کے امام نے دیا ہو گویا کہ حق اسی کے امام کی زبان اور دل پر اترا ہے یہاں تک کہ اس زمانے میں فقہا حنفیہ کے سرگروہ اور بلا اختلاف ان کا امام یعنی ابوالحسن عبیداللہ الکرخی انہوں نے کہا کہ ہر وہ آیت جس کی ہمارے اصحاب مخالفت کرتے ہیں یا تو تاویل شدہ ہے یا منسوخ اور اس طرح سے انہوں نے اپنے سامنے اختیار کے دروازے بند کر لئے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس دور کے فقہا میں جلیل القدر ایمہ بھی تھے جن میں سے بعض کا ذکر عنقریب آئے گا جن کے متعلق ہم یہ گمان نہیں کر سکتے کہ وہ اصول فقہ کے جاننے اور طریقہائے استنباط کے معلوم کرنے میں اپنے اسلاف سے کم تھے لیکن ان کے پاس وہ آزادی نہ تھی جس سے ان کے اسلاف نے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ امام شافعی رح کو یہ آزادی تھی کہ جو رائے وہ آج کہہ سکتے تھے تو کل اگر اس کے خلاف ان کو کوئی دلیل مل گئی تو اس کے بدلنے میں ان کو کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی طرح ان کے دیگر بھائی ایمہ اور اسی طرح ان کے اسلاف صحابہ و تابعین کا بھی یہی حال تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے ایک سال یہ فیصلہ کیا کہ حقیقی بھائی اخیافی بھائی اور ماں اور شوہر کی موجودگی میں وراثت سے محروم ہیں تو دوسرے سال تمام بھائیوں کو ثلث مال میں شریک کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ فیصلہ ہم نے کیا تھا جو پہلے حالات کے لحاظ سے صحیح تھا اور اب جو فیصلہ کر رہے ہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے صحیح ہے لیکن اس دور کے علماء نے ایک معین مذہب اختیار کر لیا ہے کہ وہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتا اور اس کو جو کچھ قدرت حاصل ہے وہ اس مذہب کی مدد میں اجمالاً و تفصیلاً صرف کر رہا ہے۔ باوجودیکہ ان نونہالوں کے دل میں کسی امام کے متعلق اپنے اجتہاد میں معصوم ہونے کے ثبوت کا خیال بھی نہیں گزرا بلکہ خود یہ ائمہ ان سے خطا کے سرزد ہونے کا اعتراف کرتے تھے اور اس امر کو جائز سمجھتے تھے کہ ممکن ہے کوئی حدیث ایسی ہو جس پر وہ اطلاع نہ پا سکے ہوں حتیٰ کہ اکثر ائمہ سے یہ قول منقول ہے کہ جب حدیث صحیح مل جائے تو اس کو ہمارا مذہب سمجھو اور ہمارے قول کو دیوار پر مار دو لیکن اس کے باوجود کرخی کا یہ قول ہے کہ ہر وہ حدیث جس کی ہمارے اصحاب مخالفت کرتے ہیں یا تو تاویل شدہ ہے یا منسوخ اور میں نے ابن سبکی کے حالات میں دیکھا ہے جو ابی محمد عبداللہ بن یوسف جوینی والد امام حرمین نے لکھا ہے کہ انہوں نے ایک کتاب شروع کی جس کا نام محیط تھا جس میں انہوں نے یہ عزم کیا تھا کہ کسی خاص مذہب سے بنو مقید نہ رکھیں گے صرف احادیث کے پابند ہوں گے اور اس سے تجاوز نہ کریں گے اور مذاہب میں سے کسی کی حمایت

Marfat.com

جانب داری اختیار نہ کریں گے اس کے تین اجزا حافظ ابو بکر بیہقی کو مل گئے تو اس پر انھوں نے تنقید کی اور چند اوہام حدیث پیش کر کے بتایا کہ حدیث پر عمل کرنے والے شافعیؒ ہیں اور یہ کہ جن احادیث کو شیخ ابو محمد نے پیش کیا ہے اس کو انھوں نے ان علل کی بنار پر چھوڑا ہے جس کو وہی شخص جان سکتا ہے جو محدثین کے فن سے اچھی طرح واقف ہو جب یہ رسالہ شیخ ابو محمد کو ملا تو فرمایا کہ یہ علم کی برکت ہے اور بیہقی کے لئے دعا کی اور تصنیف کو مکمل کرنے کا خیال ترک کر دیا پھر ابن سبکی نے بیہقیؒ کے رسالہ کو پورا نقل کیا ہے امام شافعیؒ اس اعتراض پر توجہ کرتے تو اپنے لئے اجتہاد نہ کرتے کیونکہ وہ احادیث کی صحت میں ان رجال حدیث پر اعتماد کرتے تھے جو صرف اسی کے لئے مخصوص ہو گئے تھے جو اس کے صحیح اور سقیم میں فرق کر سکتے تھے اور جوینی نے جس کتاب کو شروع کیا تھا اس کے چھوڑنے کا سبب وہ نہیں ہو سکتا جس کو بیہقی نے بیان کیا ہے جبکہ ان کو استنباط پر قدرت تھی اور ان کا نفس استقلال پر مطمئن ہو، لہذا اس روح تقلید کے سرایت کرنے کے لئے کچھ اسباب ہو نے چاہئیں جن میں سے ہم جس قدر معلوم کر سکے اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

(پہلا باب) شاگردان رشید ہیں، کسی عالم کی روح جمہور کے دلوں میں سرایت کرنے کا سبب اس سے زیادہ قوی نہیں ہو سکتا کہ اس کے شاگرد قوی ہوں اور اس کے طریقہ سے متاثر ہو چکے ہوں اور جمہور کے نزدیک ان کی قدر و منزلت امام کے طریقہ سے متاثر ہونے کی اس طرح پر ہو کہ ان کو تعجب کی حد تک پہنچا دے اس کے احکام کی تدوین کرتے ہوں اور اس کی طرف سے مدافعت کرتے ہوں اور جمہور کے پاس ان کا درجہ ایسا ہو کہ ان سے احکام کے قبول کرنے اور ان کے فتاوی پر عمل کرنے کی دعوت دے کیونکہ جمہور اس بات کے لئے مجبور ہیں کہ ان کے ایسے ائمہ ہوں جن پر وہ اعتماد کر سکیں اور وہ ان سے احکام شریعت حاصل کر سکیں اور ان مشہور ائمہ کو جن کے مذاہب باقی ہیں ان کو یہ موقع مل گیا کہ ان کے شاگرد اونچے درجہ کے ہوئے اور واضح حجت والے تھے اور قوم و ملت اور بادشاہوں کی نظروں میں وہ اعلی مراتب رکھتے تھے انھوں نے اپنے ائمہ سے جن احکام کو حاصل کیا ان کو مدون کیا اور ان سے ان کے شاگردوں کی کثیر تعداد نے حاصل کیا جس کو انھوں نے ان لوگوں میں پھیلا دیا جو ان سے فتویٰ طلب کرنے والوں میں ثقہ تھے اور ان ائمہ کے شاگردوں پر بادشاہوں کے اعتبار نے ان کو قضار کا متولی بنا دیا کہ قضاۃ کے لئے ان کو مشورہ دیتے تھے اور وہ بجز ان کے جن پر ان کو اعتبار تھا اور کسی کے متعلق رائے نہ دیتے تھے اور سب سے زیادہ قابل بھروسہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو تم سے متاثر ہو اور اس کی رائے تمہاری رائے کے موافق ہو۔ اس لئے یہ معاملہ بڑا

Marfat.com

موثر رہا مذہب کی بنیاد مضبوط کرنے کے لئے جس مذہب کو اس قسم کے شاگرد ملے انھوں نے اس مذہب کی بنیاد مضبوط کردی اور ان ائمہ کے ذریعہ جمہور کے قلوب میں اعتبار راسخ ہوگیا تو پھر اس کے بعد مشکل ہوگیا کہ کوئی شخص نیا مذہب قائم کرے جو لوگوں کو اپنے اتباع کی دعوت دے کیونکہ وہ اس کو جماعت سے خارج سمجھتے تھے اور جب حسد پیدا ہوتا تو اس کے حریف اس کے ساتھ کس کس قسم کے حیلے اور چالیں اختیار کرتے تھے جو قابل بیان تھے اور یہ ایک قابل افسوس بات اور یہ ایسا سبب ہے کہ جس کی آگ کسی زمانہ میں نہیں بجھی اسی لئے ہم کوئی فقیہ جس نے اجتہاد کا درجہ حاصل کیا ہو نظر نہیں آتا جو اس لباس میں ظاہر نہ ہوا بلکہ اجتہاد درجہ پر وہ کسی ایک مذہب کا مجتہد ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس جو مسائل آئیں اور اس میں اس کے امام کا حکم موجود نہ ہو تو وہ اس میں فتویٰ دے یا کسی مسئلہ میں اپنے امام کی دو روایتوں میں سے کسی ایک رائے کو ترجیح دے اور اس دور میں اس قسم کے لوگ بہت تھے۔

(دوسرا سبب) قضات ہے خلفاء اپنے قاضی گزشتہ زمانہ میں ان لوگوں کو بنایا کرتے تھے جن میں قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم نظر آتا تھا اور ان سے احکام کے استنباط کی ان میں قدرت سمجھتے تھے اور اُن سے یہ عہد لے لیتے کہ جس معاملہ میں نص موجود ہو سب سے پہلے اُس پر عمل کریں گے یا اس رائے پر جو ان نصوص سے قریب ہو عمل کریں چنانچہ عمرؓ نے اپنے قاضی ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا کہ۔

"قضا نام ہے محکم فرض کا یا سنت متبعہ کا" اس لئے جو چیز کتاب و سنت میں نہیں ہے جب اس کے متعلق تمہارے دل میں تردد ہو تو اس نظائر و امثال سے پہچانو اور قیاس سے کام لو اور ان میں سے جو اقرب الی اللہ ہو اور حق سے مشابہ ہو اس کو اختیار کرو"

اور قاضی کو اگر کسی معاملہ میں کوئی ٹھیک بات نہ معلوم ہوتی تو ان کے شہر میں جو مفتی ہوتے ان سے مشورہ کرتے اور بسا اوقات اپنے خلفاء بعض مسائل میں ان کی رائے لیتے اور جمہور کا اعتماد ان قضاۃ پر بہت تھا لیکن امتدادِ زمانہ کے باعث حالت اجتماعیہ میں تغیر پیدا ہوگیا تو ایسے قضاۃ بھی پائے گئے جن پر یہ اعتماد باقی نہ رہا یا ان کے شہر میں ایسے علماء پیدا ہو گئے جن میں فتویٰ طلب کرنے والوں کو اپنے قاضیوں میں جو غلطیاں نظر آتی تھیں جس کی وجہ سے اُن کا اعتماد ضعیف ہوگیا ابن ابی لیلیٰ قاضی کوفہ کو ان کے شہر کے فقہاء سے اس قسم کے واقعات پیش آئے اور جب قاضی کے ساتھ جمہور کا اعتماد کم ہو گیا تو ان کے دل میں اس بات کی رغبت پیدا ہونے لگی کہ وہ اپنے فیصلہ میں احکام

Marfat.com

معروفہ کا پابند ہے تاکہ اس کو نوادر پر عمل کرنا آسان نہ رہے کبھی اپنے مقصد کے موافق کسی مفتی کی رائے پرعمل کرلے اور کبھی کسی دوسرے مفتی کی رائے پر عمل کرے جو اس کا مخالف ہو اور اس کے ساتھ ہی مجتہدین کی پیروی کرنے والوں نے اپنے امام سے جو احکام حاصل کئے تھے اس کو مدوّن کردیا اور اسلامی شہروں میں سے ہر شہر میں شاگردوں کی مستعدی نے اس کی خوب اشاعت کی لہٰذا لوگ اس بات کی طرف مائل ہونے لگے کہ ان کا قاضی مشہور مذہب کا ہو کہ وہ اپنی قضاءت میں اس کا اتباع کرے اور اس سے تجاوز نہ کرے اور یہ کہ وہ مذہب مدوّن ہو اور معروف ہو اور اس طریقہ سے ان مذاہب کا خاتمہ ہوگیا جس کے پیرؤوں نے اس کی تدوین و تہذیب کی طرف توجہ نہیں کی تاکہ اس کا اختیار کرنا آسان ہوسکے اور جب ان مذاہب میں سے کسی مذہب کی کسی حاکم یا بادشاہ نے تقلید کی اور قضاۃ اور عہدۂ قضاء اس مذہب کے ماننے والے پر محدود کردیا تو اس کے پھیلنے کا یہ بھی ایک سبب عظیم بن گیا اور اسی سبب سے اُس مذہب کے علماء زیادہ پیدا ہوئے جیسے کہ امام شافعیؒ کے مذہب کے لئے بلادِ مشرق میں محمود بن سبکتگین اور نظام الملک اور مصر میں صلاح الدین یوسف بن ایوب کی حمایت حاصل ہوں اور جیسے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے لئے ترکی عنصر کی مدد شامل حال ہوئی کہ ان میں کوئی علاوہ حنفی مذہب کے کوئی مذہب قبول نہ کرتا تھا اور جب کوئی سردار یا صاحب اقتدار شخص کسی مدرسہ کو قائم کرتا تھا یا کئی مدارس قائم کرتا اور ان میں کسی مذہب کی یا معینہ مذاہب کی تدریس کو محدود کردیتا تو یہ اس کا نیا مددگار ہوتا۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنے رسالہ "انصاف فی بیان سبب الاختلاف" میں بیقنی کے شاگرد ابوزرعہ کا قصہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے اپنے استاد امام بیقنی سے پوچھا کہ شیخ تقی الدین سبکی اجتہاد کے درجہ سے کیوں رہ گئے حالانکہ انھوں نے اپنی استعداد مکمل کرلی تھی اور وہ کیوں تقلید کرتے ہیں؟ (وہ کہتے ہیں کہ میں نے خود شیخ بیقنی کا نام نہیں لیا کیونکہ میں اس سے جو اس کا نتیجہ نکالنے والا تھا اس کی وجہ سے مجھے شرم آتی تھی) وہ خاموش رہ گئے تو میں نے کہا کہ میرے نزدیک ان کے رکنے کا سبب بجز ان وظائف کے کچھ نہ تھا جو فقہاء اربعہ کو ملا کرتے تھے اور یہ کہ جو اس دائرہ سے نکل گیا اور اجتہاد کیا اس کو کچھ نہ ملتا۔ اور وہ ولایت قضاء سے بھی محروم ہوجاتا اور لوگ ان سے فتویٰ پوچھنے بھی نہ آتے اور ان کی طرف بدعت کی نسبت کردی جاتی تو وہ مسکرانے لگے اور مجھ سے اس بات پر اتفاق کیا۔ لیکن باوجودیکہ بیقنی نے اس بات سے اتفاق کرلیا جو ابوزرعہ نے ظاہر کیا مصنف "انصاف" نے اس کی موافقت نہیں کی کیونکہ وہ اس بات

Marfat.com

کو بعید سمجھتے تھے جس کا ابوزرعہ نے ذکر کیا کہ ان بزرگوں نے اجتہاد کو چھوڑ دیا تھا اور شرح مہذب میں سیوطی کی عبارت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اجتہاد مطلق اگر کوئی ایسا مجتہد کرے جو کسی امام کی طرف منسوب ہو تو یہ اس انتساب کے منافی نہیں ہے جو کسی امام کی طرف ہو جس کی اس کی طرف نسبت ہو جیسا کہ ابی اسحاق شیرازی اور ابن صباغ اور امام حرمین و غزالی کا تھا اور امام کی طرف نسبت کے یہ معنی ہیں کہ وہ اجتہاد میں اس کے طریقہ پر چلتا ہے اور دلائل کا استقرا اور بعض کی ترتیب بعض پر اسی کے موافق کرتا ہے اور اس کا اجتہاد پڑجاتا ہے اور کبھی وہ اختلاف کرجاتا ہے تو وہ اختلاف کی پرواہ نہیں کرتا اور اس کے طریقے سے بجز چند مسائل کے نہیں نکلتا اور یہ اس کے مذہب شافعی میں داخل ہونے سے مانع نہیں ہے۔

اور یہ بات جس کو شاہ ولی اللہؒ نے نقل کیا ہے وہ ابوزرعہ کے بیان کی صحت کے منافی نہیں ہے اگرچہ کہ ہم اس کو عموماً قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتے کہ یہی بات تمام فقہاء کو تقلید پر آمادہ کررہی ہے۔

(تیسرا سبب) تدوین مذاہب جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے تو جس مذہب کو مدونین قابل اعتبار مل گئے تھے وہ تو کامیاب ہوگیا اور جمہور نے اس کو قبول کرلیا دیکھو شافعیؒ کا قول کہ لیثؒ مالکؒ سے زیادہ فقیہ تھے مگر ان کے شاگرد ان کے مذہب کو قائم نہ رکھ سکے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے ان کی آراء کو مدون کرنے اور اس کو جمہور میں پھیلانے کی طرف توجہ نہیں کی جیسے کہ وہ خود مالکؒ کے آراء کی تدوین کے لئے کھڑے ہوئے لیثؒ بن سعد کو فقہ میں کمال حاصل تھا لیکن ان کو اعلیٰ مرتبہ کے شاگرد میسر نہ ہونے کی وجہ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا اسی لئے ان کا نام بحیثیت مفتی مجتہد کے مٹ گیا اگرچہ محدثین کی زبانوں پر ان کا نام اس حیثیت سے باقی رہا کہ وہ ایک قابل اعتماد اور ثقہ راوی ہیں، لیثؒ کے مثل بہت سے ائمہ صحابہ و تابعین ہیں جن کی رائیں اور ان کے استنباط ان کے بعد کے آنے والوں کے لئے مشعل ہدایت تھے جن کا ہم اس سے قبل تذکرہ کرچکے ہیں۔

اس زمانہ میں علماء کی نسبت ان کے ائمہ کی طرف صرف تقلید محض تک نہ تھی بلکہ ان کے بہت سے ایسے اعمال بھی تھے جو ان کے درجہ کو بلند کرنے اور ان کی شان اونچی ہوتی جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) ان کے ائمہ نے جن احکام کا استنباط کیا تھا ان کی علتوں کے ظاہر کرنے کے لئے ان کا

Marfat.com

کھڑا ہونا اور یہی وہ علماء ہیں جن کو علماء تخریج کہا جاتا ہے اور تخریج مناط کا مطلب یہ ہے کہ حکم کی علت سے بحث کی جائے اور علماء حنفیہ کا بکثرت اسمیں شغل رہا کیونکہ بہت سے احکام جس کو انھوں نے اپنے ائمہ سے روایت کیا ہے ان کی علتیں بیان نہیں کی گئی تھیں تو انھوں نے ان اصول کے بیان کرنے میں اجتہاد کیا جس پر ان کے ائمہ نے استنباط کی بنیاد رکھی اور ان علتوں کی تخریج میں علماء مختلف ہیں، اور علت کے بیان کرنے کی وجہ سے وہ ان چیزوں کے متعلق بھی فتویٰ دیتے ہیں جن کے متعلق ان کے امام کی کوئی تصریح نہیں ہے جب کہ وہ اس علت کو پہچان لیں جس پر اس نے حکم لگایا ہوا اور انہی اصول کا نام انھوں نے اصول فقہ رکھا ہے جو ان کی اجتہاد ہے کہ یہ ان کے ائمہ کے اصول ہیں جس پر ان کے استنباط کی بنیاد ہے، اور اسی بات کو میں نے اپنی کتاب موسومہ اصول فقہ میں صراحت کی ہے اس کے بعد پھر میں نے شاہ ولی اللہ دہلوی رح کی مذکورہ رسالہ میں جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے یہ عبارت ملی فرماتے ہیں۔

اور جاننا چاہیئے کہ میں نے اکثر لوگوں کو پایا ہے کہ امام ابی حنیفہ رح اور امام شافعی رح کے درمیان اختلاف کی بنیاد (اور اسی پر ابی حنیفہ رح اور ان کے شاگردوں کے اختلاف کا بھی اضافہ کیا جاتا ہے) انہی اصول پر ہے جو بزدوی وغیرہ کی کتابوں میں موجود ہیں اور صحیح تو یہ ہے کہ اس کے اکثر اصول ان کے قول پر بنے ہوئے ہیں اور میرے نزدیک تو یہ رائے ہے کہ مسئلہ جس کو خاص ظاہر کیا جاتا ہے اس کو بیان کی ضرورت نہیں اور یہ کہ زیادتی نسخ ہے اور یہ کہ عام خاص کی طرح قطعی ہے اور کثرت روزہ سے ترجیح نہیں ہوتی اور یہ کہ غیر فقیہ کی حدیث پر عمل واجب نہیں اس طرح رائے کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور مفہوم شرط اور وصف کا کوئی اعتبار نہیں اور امر کا موجب صرف وجوب ہے اور اسی کے مثل اصول جو ائمہ کے کلام سے نکالے گئے ہیں۔ اور یہ کہ اس سے روایت ابی حنیفہ اور ان کے شاگردوں سے صحیح نہیں اور یہ کہ وہ محفوظ نہیں اور ان کے اوپر جو اعتراضات ہوتے ہیں ان کے جوابات میں تکلف متقدمین کی ان کے استنباط میں ضعف ہے جیسا کہ اس کو بزدوی وغیرہ نے کیا ہے جو حفاظت کے زیادہ حقدار ہیں اس کے خلاف سے اور اس پر جو اعتراض ہوا اس کے جواب سے،

پھر موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے ان قواعد میں سے ہر قاعدہ کی مثال بتائی اور حنفیہ پر جو

Marfat.com

اعتراضات ہوتے ہیں اور ان اعتراضات کے جوابات میں انھوں نے جو تکلف کیا اس کو بیان کیا ہے۔

اور شافعیہ نے اس موضوع پر کم توجہ کی کیونکہ ان کے امام نے اصول کو خود مدون کیا اور اپنے اصحاب کو لکھوایا جیسا کہ مالکی اور حنبلی کیا کرتے تھے کیونکہ وہ مناظرہ اور بحث کے میدانوں سے بہت دور رہا کرتے تھے جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

(دوم) مذہب میں مختلف راویوں کے درمیان ترجیح، اور یہ ترجیح دو قسم پر ہے۔

(۱) روایت کے لحاظ سے ترجیح (۲) درایت کے لحاظ سے ترجیح۔

روایت کے لحاظ سے ترجیح اس وجہ سے ہے کہ بعض مسائل کے نقل میں ائمہ مذاہب سے بہت اختلاف واقع ہوا کیونکہ ان کے مذہب کی نقل ان سے ایک سے زیادہ اشخاص نے کی ہے جیسے کہ امام ابوحنیفہؒ کے اقوال کو محمدؒ بن حسن نے نقل کیا جن میں سے بعض تو خاص ان سے حاصل کئے ہیں اور بعض امام ابو یوسفؒ کے واسطے سے نقل کئے ہیں اور ابو یوسفؒ سے امام محمدؒ کے علاوہ اور لوگوں نے بھی جیسے حسنؒ بن زیاد اور عیسیٰؒ بن ابان وغیرہ نے بھی روایت کی ہے اور محمدؒ کی کتب کو بھی اسی طرح ان سے ایک سے زیادہ لوگوں نے نقل کیا ہے اور تم دیکھو گے کہ نقل میں ان کا اختلاف ہے اور اس کی وجہ یا تو بعض نقل کرنے والوں کی غلطی ہے اور یا خود امام کا مسائل میں تردد تھا کہ آج ایک رائے لگاتے ہیں پھر اس کو کل بدل دیتے ہیں اس لئے ہر شخص دوسرے کے مخالف روایت کرتا تھا اسی طرح ہم امام شافعیؒ کو دیکھتے ہیں کہ ان سے ربیع بن سلیمان اور مزنی اور حرملہ اور بویطی وغیرہم نقل کرتے ہیں اور نقل میں بوجہ دونوں اسباب کے اختلاف کرتے ہیں اور اسی طرح امام مالکؒ کہ ان سے ابن القاسم اور ابن وہب اور ابن ماجشون اور اسد بن فرات وغیرہم روایت کرتے ہیں اب علماء کا کام مذاہب کے قرار پانے کے بعد یہ ہو گیا کہ وہ راویوں کا اظہار اس بات پر کریں کہ کون سی روایت زیادہ ترجیح کے قابل ہے تو انھوں نے اس روایت کو ترجیح دی جس پر اعتماد ہونے کی وجہ سے ان کا نفس مطمئن ہو گیا جیسا کہ حنفیہ نے امام محمدؒ کی روایات کو دوسرے اصحاب پر ترجیح دی ہے اور خود امام محمد کی روایتوں میں ان کی کتابوں کو ترجیح دی جن کی روایت اُن سے ثقہ ترجیسے ابی حفص کبیر اور جوزجانی نے کی ہے اور اس کو ظاہر الروایۃ کا نام دیا اور اسی طرح شافعیہ نے اس کو ترجیح دی جس کو ربیع بن سلیمان نے روایت کی ہے حتی کہ ان میں اور مزنی میں کسی بات میں معارضہ ہوتا تو وہ ربیع کی روایت کو مقدم کرتے ہیں

Marfat.com

باوجود اس اعتراف کے مزنی کا فقہ میں اونچا درجہ ہے اور وہ فقہ میں ربیع پر ترجیح رکھتے ہیں اور حرملہ کی روایت اگر ان دونوں کے خلاف ہوتی ہیں تو اس کو ضعف قرار دیتے ہیں اور اسی طرح مالکیہ نے ان روایات کو ترجیح دی ہے جو ابوالقاسم امام مالکؒ سے بیان کریں خود ابن القاسم سے جو روایتیں کی گئی ہیں وہ مختلف ہیں اس لئے وہ راویوں کے قابل اعتماد ہونے کی بنا پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔

ترجیح کی دوسری قسم وہ مختلف روایتیں ہیں جو خود ائمہ سے ثابت ہوں یا امام اور اس کے شاگردوں کے اقوال میں ترجیح دی جاتی ہے اور یہ ترجیح یا تو ان فقہاء سے ہوتی ہے جو اپنے ائمہ کے اصول جانتے ہوں اور ان کے استنباط کے طریقوں سے واقف ہوں اس لئے وہ ان اقوال کو ترجیح دیتے ہیں جو ان اصول کے ساتھ متفق ہوں یا جو فقہ کے اصلی دلائل یعنی قرآن وحدیث وقیاس سے قریب ہوں طبعاً ان ترجیح دینے والوں کی ترجیح میں اختلاف واقع ہوجاتا ہے اور مذہب میں ترجیح دینے والوں میں اس عالم کا اعتبار ہوتا ہے جس کے اطلاع وقدرت کا اعتراف کیا جائے۔

(سوم) ہر فریق نے اپنے مذہب کی مجملاً اور تفصیلاً نصرۃ وتائید کی اجمالاً یہ کہ اس مذہب کا امام جس قدر وسیع اور ورع صادق، اور حسن استنباط میں کامل تھا اور کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا جس قدر اتباع کرتا تھا اس کی اشاعت کی اور ہر فریق نے اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھا ہے چنانچہ علماء مذہب میں تم اسے بہت کم پاؤ گے جنھوں نے اپنے امام کی یہ توصیف نہ کی ہو کہ وہ ائمہ کا امام ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا اور اس کی ایسی صفات بیان کیں جو اس کو میدان فقہ واستنباط میں شہسوار ثابت کریں اور اس میں بعض نے حد سے تجاوز کیا اور ائمہ مخالفین پر عیوب لگائے لیکن ایسے لوگ زیادہ نہیں ہیں، اور رہا تفصیلاً اس طرح تائید کی کہ ہر اختلافی مسئلہ میں اپنے مذہب کو ترجیح دی اور اس کے لئے اختلافی کتابیں لکھیں جن میں اختلافی مسائل کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ہر حالت میں اس امام کے مذہب کو ترجیح دیتے ہیں جس کی طرف وہ منسوب ہوئے لیکن اس میں اکثر اوقات کھلا تکلف ظاہر ہوتا تھا اور دوسری طرف زبانی مناظرات کئے میں عنقریب آپ کے سامنے ایک فصل ان مناظرات کی رکھوں گا کیونکہ اس دور میں اس کی بڑی اہمیت تھی۔

Marfat.com

مناظرے اور جدل کی اشاعت

گزشتہ زمانہ میں بھی مناظرات ہوا کرتے تھے چنانچہ امام شافعیؒ اکثر مناظروں کا ذکر کرتے ہیں جو محمدؒ بن حسن فقیہ عراق اور ان کے درمیان ہوئے تھے لیکن وہ علماء کے درمیان شائع نہ تھے اور اس سے سوائے اس کے اور کوئی غرض نہ تھی کہ حکم صحیح کے استنباط تک پہونچیں اور جب ان پر حق ظاہر ہوجاتا تو وہ فوراً اپنی پہلی رائے سے رجوع کرلیا کرتے کیونکہ وہ اپنی رائے میں آزاد تھے اور ان میں سے کوئی کسی مذہب کا مقید اور پابند نہ تھا اس دور میں مناظرہ کے نتائج اور محرکات کے متعلق حالات بالکل تبدیل ہوگئے۔

اس قسم کے مناظروں کی تعداد کا یہ حال تھا کہ ہر بڑے شہر خصوصاً عراق و خراسان میں مناظروں کی مجلسیں جمتیں جس میں دو بڑے عالم مناظرہ کرتے۔

اور یہ مجلسیں وزراء اور بڑے لوگوں کے سامنے ہوا کرتی تھیں جس میں اکثر اہل علم حاضر ہوا کرتے تھے اور ان کا انعقاد مجالس عزا میں بھی ہوا کرتا تھا (دیکھو طبقات شافعیہ ذکر شیخ ابواسحاق شیرازی میں)' ابوالولید باجی کہتے ہیں کہ بغداد میں یہ رواج تھا کہ اگر کسی ایسے شخص کی وفات ہوتی جو اس شخص کو عزیز ہوتا تو وہ اپنے گھر کی مسجد میں چند روز کے لئے بیٹھ جاتا جہاں اس کے پڑوسی اور بھائی بند بھی اس کے ساتھ بیٹھتے اور جب کچھ روز گزر جاتے تو اس کی تعزیت ادا کرتے اور اس کو صبر و تسلی دیتے اور اپنے گھر کے کام کاج حسب عادت چلانے کی طرف توجہ دلاتے تھے لیکن جن ایّام میں وہ اپنی مسجد میں اپنے بھائی بندوں اور پڑوسیوں کے ساتھ عزا کے لئے بیٹھتا تو اکثر اوقات یا تو قرآن مجید کی تلاوت کرتا یا مسائل میں فقہاء سے مناظرہ کرتا رہتا۔

مناظرہ کے قواعد میں کتابیں تصنیف کی گئیں اور اس کا نام علم آداب بحث رکھا گیا اور مناظرہ کی مجلسیں اولاً علم کلام میں ہوا کرتی تھیں حتیٰ کہ اس نے ان کو فاحش تعصبات بالکل کھلی ہوئی دشمنیوں اور خون بہانے اور شہروں کے برباد کرنے تک پہنچا دیا جس کی وجہ سے بعض امراء نے فقہ میں مناظرہ کی طرف توجہ کی اور اس بات کا مناظرہ شروع کرایا کہ شافعی اور ابی حنیفہ کے مذہب میں سے کونسا مذہب اولیٰ ہے چنانچہ لوگوں نے علم کلام پر مناظرہ ختم کردیا اور فنون علم پر بحث چھوڑ دی اور خصوصیت کے ساتھ امام شافعی اور امام ابی حنیفہ رحمہم اللہ کے اختلافی مسائل پر بحث شروع کردی اور امام مالکؒ اور سفیان اور امام احمد رحمہم اللہ کے اختلافات کو چھوڑ دیا۔

Marfat.com

لیکن ان کا اصل محرک امراء کے خواہشات کی پابندی اور خوشنودی تھی اگرچہ ان میں سے اکثر اپنے نفس کو یہ دھوکہ دیتے تھے کہ ان کی غرض دقائق شرع کا استنباط اور علل مذاہب کی حقیقت کا اظہار اور اصول فتاویٰ کی تمہید ہے اس کو حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی نے ثابت کر دیا ہے اور وہ اس بارہ میں حجت ہیں کیونکہ وہ ان کے رئیسوں میں سے تھے اور ان کے قادرالکلام اور مناظرون میں دقیق النظر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر حقیقت کا پردہ اٹھا لیا اور انھوں نے دلفریب مظاہر اور جھوٹی شہرت کو چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کیا اور ہم کو انسانی عیوب کے ظاہر کرنے والا اس سے زیادہ بہتر کوئی شخص نہیں مل سکتا جو خود پہلے اس میں ڈوبا ہوا رہا ہو پھر اس کو چھوڑ دے غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قوم اپنے اوپر تو اس قول کا لباس ڈال لیتی ہے کہ طلب حق پر تعاون کرنا دین ہے لیکن اس کے لئے آٹھ شرطیں ہیں۔

(۱) کوئی شخص اس میں مشغول نہ ہو (کیونکہ یہ فرض کفایہ میں سے ہے) جو فرض عین سے فارغ نہ ہو چکا ہو اور جس پر فرض عین باقی ہو اور وہ فرض کفایہ میں مشغول ہو جائے اور یہ دعویٰ کرے کہ اس کا مقصد حق ہے تو وہ جھوٹا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جو شخص نماز کو تو چھوڑ دے اور کپڑوں کے حاصل کرنے اور اس کے بُننے میں مشغول ہو جائے اور کہے کہ میری غرض یہ ہے کہ میں اس سے اس شخص کی ستر پوشی کروں جو نماز ننگا پڑتا ہے اور کپڑا نہیں پاتا کیونکہ اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے اور اس کا وقوع ممکن ہے کیونکہ فقیہ کا دعویٰ ہے کہ ان نوادر کا وقوع جن سے بحث ہوتی ہے اختلاف میں ممکن ہے اور مناظرہ میں مشغول رہنے والے ان امور کو چھوڑے ہوئے ہیں جو باتفاق فرض عین ہے، جو شخص امانت کو فوراً واپس کرنے کے لئے کھڑا ہوا اور نماز کے لئے نیت باندھ لی جو اللہ تعالیٰ کی سب عبادتوں میں مقدم ہے تو اس نے اس کی نافرمانی کی تو کسی شخص کے مطیع ہونے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ اس کا فعل جنس طاعات سے ایسا ہو کہ اس میں وقت وشرط و ترتیب کا لحاظ نہ رکھے۔

(۲) فرض کفایہ کو مناظرہ سے اہم نہ سمجھے کیونکہ جس چیز کو اہم سمجھے اور اس کے علاوہ کوئی فعل کرے تو اپنے فعل سے وہ نافرمان ہوگا اور اس کی مثال ان لوگوں کے مثل ہوگی جس نے پیاسوں کی ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ ہلاکت کے قریب پہنچ چکے ہیں اور لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا ہے اور وہ ان کے زندہ رکھنے پر اس طرح قدرت رکھتا تھا کہ ان کو پانی پلادے لیکن وہ حجامت کے سکھانے میں مشغول ہو گیا اور خیال کیا کہ وہ فرض کفایہ ہے اور اگر شہر اس

Marfat.com

فن سے خالی ہو جائے گا تو لوگ مر جائیں گے، اور جب اس سے کہا جائے کہ شہر میں حجاموں کی جماعت موجود ہے اور ان کے لئے کافی ہے تو وہ کہے کہ یہ بات فرض کفایہ سے خارج نہیں کرتی تو جو شخص یہ کام کرے اور اس شغل کو چھوڑ دے جو مسلمانوں کی پیاسی جماعت پر واقع حال کو چھوڑ دیتا ہے اس کا حال اس شخص کے حال کے مثل ہے جو مناظرہ میں مشغول ہو اور شہر میں بہت سے فرض کفایہ چھوٹے ہوتے ہیں جس پر کوئی قائم نہیں اور ان میں اقرب طب ہے اور اسی طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔

(۳) مناظر کو مجتہد ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی رائے سے فتویٰ دے نہ کہ مذہب شافعیؒ وابی حنیفہؒ وغیرہ پر فتویٰ دے یہاں تک کہ اس کو اگر مذہب ابو حنیفہؒ کی کوئی بات صحیح معلوم ہو تو وہ شافعیؒ کے رائے کی موافقت ترک کر دے اور اسی کا فتویٰ دے جو اس کو حق معلوم ہو۔ اور جس کو اجتہاد کا رتبہ حاصل نہیں اور وہ عام لوگوں کی طرح ہو تو اس سے مناظرہ میں کونسا فائدہ ہوگا؟ کہ اس کا مذہب معلوم ہے اور وہ اُس مذہب کے خلاف فتویٰ نہیں دے سکتا۔

(۴) مناظرہ کرے تو اسی مسئلہ میں کرے واقع ہوا ہو یا قریب الوقوع ہو لیکن لوگ ان مسائل کے اہتمام کی کوشش نہیں کرتے جن کی یہ اہتمام نہیں کرتے ان مسائل کے عام طور پر ضرورت ہوتی ہے بلکہ ان طبولیات کی جستجو کرتے رہتے ہیں جو عام طور پر سنے جاتے ہیں اور اس میں جدال کا میدان وسیع ہوتا ہے خواہ معاملہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اور اکثر اوقات ان مسائل کو چھوڑ دیتے ہیں جن کا وقوع زیادہ ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ خبریہ ہے یا یہ کہ وہ کونے میں پڑے رہنے والے مسئلوں میں سے ہے ان مسائل میں نہیں جن کا ہنگامہ ہوتا رہتا ہے۔

(۵) مناظرہ کا خلوت میں ہونا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ ان کے پاس محبوب تھا اور محافل سے اہم تھا وہ امراء اور سلاطین کے سامنے ہو کیونکہ تنہائی میں عقل اور رائے انتشار کا شکار نہیں ہیں اور ادراک حق کے لئے بہت ہی موزوں ہے اور جماعت کی موجودگی میں اسباب ریا کو حرکت پیدا ہوتی ہے اور ہر شخص اپنی نصرت کے لئے حرص کو واجب کر لیتا ہے خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر اور تم خوب جانتے ہو کہ مجمعوں اور محفلوں میں ان کی حرص اللہ کے لئے نہیں ہوئی اور جب ان میں سے کوئی اپنے حریف کے ساتھ خلوت میں مدت طویل تک رہتا ہے تو اس سے بات نہیں کرتا اور لبسا اوقات اس کو جواب تک نہیں دیتا لیکن جب کوئی مجمع ہوتا ہے تو ہر تدبیر وہ کام میں لاتا ہے جس سے اس کو گفتگو کا موقع ملے۔

Marfat.com

(۶) یہ کہ وہ حق کے طلب کرنے میں ایسا ہو جیسا کہ وہ کسی کھوئی ہوئی چیز کو تلاش کر رہا ہو اس بات میں کوئی فرق نہیں کرتا کہ کھوئی ہوئی چیز اس کے ہاتھ آئے یا اس کے ہاتھ پر جو اس کی مدد کر رہا ہے اور اپنے رفیق کو اپنا مددگار سمجھے نہ کہ دشمن اور اس کا شکریہ ادا کرے جبکہ وہ اس کی خطا بتادے یا اس کے لئے حق کو ظاہر کردے لیکن ہمارے زمانہ کے مناظرین کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے جبکہ اس کے مخالف فریق کی زبان سے حق ظاہر ہوجائے اور شرمندہ ہوتا ہے اور اپنے انکار میں جہاں تک ہوسکے کوشش کرتا ہے اور عمر بھر اس کی مذمت کرتا رہتا ہے جس نے اس کو خاموش کردیا۔

(۷) مناظرہ میں اپنے رفیق کو ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف جانے سے منع نہ کرے نہ ایک مثال سے دوسری مثال میں جانے سے روکے اور اس کے کلام سے جدال کی تمام باریکیاں نکالے جو نکل سکتی ہوں خواہ اس کے فائدہ کی ہوں یا اس کے نقصان کی جیسے اس کا یہ کہنا کہ مجھے اس کا ذکر کرنا لازم نہیں، اور یہ بات میرے پہلے کلام کی تفصیل ہے تو مجھ سے یہ بات قبول نہ کی جائے گی کیونکہ حق کی طرف رجوع کرنا باطل کے خلاف ہے اور اس کا قبول کرنا واجب ہے اور تم دیکھو گے کہ تمام مجلسیں واقعات اور مجادلات میں ختم ہوتی ہیں۔

(۸) یہ کہ اس سے مناظرہ کرے جس سے فائدہ حاصل کرنے کی امید ہو جو کہ علم میں مشغول ہو لیکن یہ لوگ اکثر بوڑھوں اور تجربہ کاروں سے مناظرہ کرنے میں اس خوف سے احتراز کرتے ہیں کہ ان کی زبان سے ہی حق ظاہر ہوگا لہذا ان سے کمتر لوگوں سے مناظرہ کرنے میں رغبت رکھتے ہیں تاکہ ان پر باطل کو رواج دیدیں۔ (یہ مختصراً ہے)

پھر امام غزالیؒ نے اس کے ساتھ ایک فصل ملحق کی ہے جس میں مناظرہ کی آفات بیان کی ہیں اور ان میں سے چند کی تعداد بیان کی ہے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) حسد۔

(۲) تکبر اور لوگوں پر بڑائی ظاہر کرنا یہاں تک کہ وہ ان مجلسوں میں سے کسی مجلس میں جس میں بلندی و پستی اور صدر کی مسند سے قرب اور بعد اور تنگ راستوں سے پہلے داخل ہونے میں اولیت وغیرہ پر جنگ کرتے ہیں اور بسا اوقات غبی اور مکار فریبی لوگ اس کی یہ حکمت بتاتے ہیں کہ وہ عزت علم کی حفاظت کرنا چاہتا ہے مومن کو منع کیا گیا ہے اپنے نفس کو ذلیل کرنے سے اس لئے تواضع کی تعبیر ذلت سے اور تکبر کی عزت دین سے تعبیر کرتے ہیں جو محض رسم کو بدلنا ہے

Marfat.com

اور اس سے مخلوق کو گمراہ کرتا ہے۔

(۳) کینہ کہ اس سے کوئی مناظرہ کرنے والا خالی نہیں۔

(۴) غیبت کیونکہ وہ اپنے دشمن کے کلام کی لازماً نقل کرے گا اور اس کی مذمت بیان کریگا اور بہت زیادہ حفاظت کرے گا۔ حکایت ونقل میں جھوٹ نہ کہے گا لیکن لامحالہ ایسی باتیں بیان کریگا جس سے اس کے کلام کا قصور اور اس کا عجز اور اس کے فضیلت کا نقصان ظاہر ہو اور یہی غیبت ہے۔

(۵) تجسس اور لوگوں کی برائیوں کی ٹوہ لگانا، اور کوئی مناظرہ کرنے والا اپنے ہمعصروں کی لغزشوں کی تلاش کرنے اور اپنے فریق کی برائیوں کی ٹوہ لگانے سے خالی نہیں ہوتا حتیٰ کہ اگر اس کو خبر ہوتی ہے کہ کوئی مناظرہ کرنے والا اس کے شہر میں آگیا ہے تو وہ اس کی تلاش کرنے لگتا ہے جو اس کے اندرونی حالات کی اس کو خبر دے اور وہ سوال کر کے ایسے نتیجہ نکالتا ہے جس کو اپنے لئے ایک سرمایہ اس کی فضیحت اور بروقت اس کو شرمندہ کرنے کے لئے ایک ذخیرہ شمار کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے بچپن کے حالات معلوم کرتا ہے اور اس کے بدن کے عیوب معلوم کرتا رہتا ہے تو اگر اس کو کسی بدگوئی کا اس کے متعلق علم ہوتا ہے یا اس کے بدن کے کسی عیب کا مثلاً گنج پن وغیرہ کا تو اگر اس کو اسی فریق کے کسی ادنیٰ غلبہ کا بھی احساس ہونے لگتا ہے تو وہ اس کو اشارۃً پیش کرتا ہے اگر وہ محتاط آدمی ہے تو تعریضاً اس کو ظاہر کرتا ہے اور یہ تعریض مستحسن خیال کی جاتی ہے اور عمدہ پیرایہ کی نگاہوں میں سمجھا جاتا ہے اور اگر وہ کمینہ اور نچلے درجہ کا آدمی ہو تو صاف الفاظ میں کہنے سے نہیں رکتا جیسا کہ بڑے مناظرین سے ان کے زمانہ کے نوجوانوں نے کیا ہے۔

(۶) لوگوں کے رنج وغم پر خوشی اور ان کی خوشیوں پر غم تو ہر وہ شخص جو فضیلت کے اظہار پر فخر محسوس کرتا ہے اس کے لئے لازمی ہے کہ جو بات اس کے اقران وہمعصروں کے لئے بری ہو جو فضیلت میں اس کے برابر ہیں تو اس کو خوشی حاصل ہوگی اور ان میں اسی طرح بغض ہوگا جیسے کہ سوکنوں میں ہوتا ہے، جیسے کہ کوئی سوکن اپنی سوکن کو اگر دور سے بھی دیکھ لیتی ہے تو اس کی رگیں کانپنے لگتی ہیں اور اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے اسی طرح تم مناظرہ کرنے والے کو دیکھو گے کہ جب وہ کسی مناظرہ کرنے والے کو دیکھتا ہے تو اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے اور اس کے افکار مضطرب ہو جاتے ہیں گویا کہ اس نے کسی شیطان سرکش کو دیکھ لیا ہے یا

Marfat.com

کسی موذی درندہ کو۔

(۷) نفاق جس کے لئے یہ مجبور ہیں کیونکہ وہ اپنے مخالفین اور ان کے حریفوں اور ساتھیوں سے ملتے ہیں اور وہ اس کے سوا کچھ چارہ نہیں پاتے کہ زبان سے ان کے ساتھ محبت کا اظہار کریں اور شوق و اشتیاق بتائیں اور ان کے لئے ان کے مرتبہ اور ان کے احوال کا خیال کریں اور یہ بات اس کا مخاطب بھی جانتا ہے اور ہر وہ شخص جو ان کی باتوں کو سنتا ہے جانتا ہے کہ یہ سب جھوٹ دغا نفاق اور فجور ہے کیونکہ یہ لوگ زبان سے محبت کرتے ہیں اور دل سے بغض رکھتے ہیں۔

(۸) حق سے روگردانی کرنا اور اس سے ناراضی اور اس کے متعلق جھگڑنا یہاں تک مناظر کرنے والے کو سب سے مبغوض چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کے فریق کی زبان پر حق ظاہر ہو اور جب ایسا ہوتا ہے تو وہ اس کے انکار پر کمربستہ اور دھوکہ فریب دینا اور جھگڑنا اس کی عادت طبعی بن جاتی ہے کیونکہ جب کوئی بات کرے گا تو اس کی طبیعت میں اعتراض کا داعیہ پیدا ہوگا حتی کہ یہ اس کے قلب پر آداب قرآن و الفاظ شرع میں غالب آئے گا کہ وہ ان میں سے بعض کو بعض کے مخالف بنا دے گا۔

(۹) ریا اور مخلوق کی طرف خیال اور ان کے قلوب کو مائل کرنے کی کوشش اور ان کے رخ کو مائل کرنے کی کوشش اور ریا ایسا مہلک مرض ہے جو بڑے کبائر کی دعوت دیتا ہے اور مناظرہ کرنے والا بجز اس کے کہ مخلوق کے پاس اس کی بڑائی ظاہر ہو اور لوگوں کی زبان اس کی ثناء پر کھلیں اور کچھ نہیں چاہتا۔

اور یہ وہ بڑے نتائج ہیں جو فقہار کی جماعت کو اس مقام سے گرا دیتی ہیں جو اُن کا اصل مقام تھا کیونکہ وہ شریعت کے حامی اور دین کے محافظ تھے لہذا چاہیئے تھا کہ وہ ادب کے لحاظ سے بہترین حالت میں رہتے لیکن یہ مناظرات تے جس سے اللہ تعالی کی رضامندی مقصود نہ تھی ان میں سے بہت لوگوں کو اس حالت پر پہنچا دیا جس کی شرح اُنہی میں سے ایک شخص نے جو اس بلا میں مبتلا تھا بیان کی ہے اور اس کو اللہ تعالی نے عافیت دے دی۔

ابن سبکی نے طبقات میں لکھا ہے کہ ابو حیان توحیدی نے بیان کیا کہ میں نے شیخ ابو حامد غزالی سے سنا ہے کہ وہ طاہر عبادانی سے کہتے تھے" کہ تم ان باتوں کو زیادہ نہ لکھو جو تم مجھ

Marfat.com

مجلس مناظرہ میں سنو کیونکہ اس میں تو گفتگو صرف فریق کو چکمہ اور مغالطہ دینے اور اس کی مدافعت اور اس پر غلبہ حاصل کرنے کی نیت سے ہوتی ہے اور ہم خالصاً لوجہ اللہ گفتگو نہیں کرتے اور اگر ہم اس کا ارادہ رکھتے تو گفتگو زیادہ کرنے کی بجائے خاموشی کی طرف تیز رو ہوتے اور ہم میں سے بہت سے اس گفتگو کی وجہ سے اللہ کا غضب لے کر لوٹتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کی بھی طمع رکھتے ہیں۔

مذہب اسماعیلی

اس دور کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں مصر اور اس سے متصل شہروں میں مذہب اسمٰعیلی ظاہر ہوا۔ اور مذہب اسماعیلی شیعہ مذاہب ہی کی ایک شاخ ہے جنھوں نے اسماعیل بن جعفر صادق کو متولی امامت قرار دیکر ان کے بھائی موسیٰ بن جعفر کاظم کو چھوڑ دیا اور اس لحاظ سے عالم اسلامی میں ان کے تین مذہب ہو گئے۔ زیدیہ۔ امامیہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ ہیں یہ مذاہب اگرچہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں مگر یہ سب عشرت کے شیرازہ میں جکڑے ہوئے ہیں، جب معزالدین اللہ قاہرہ آیا جس کی بنیادیں پہلے ہی ڈالی جا چکی تھیں وہ اس کے نام سے منسوب ہوا تو اس کے ساتھ اس کا عالم کبیر اور فقیہ اسماعیلی تھا اور کچھ ہی دنوں بعد مصر میں قاضی القضاۃ مقرر ہو گیا اور اس سے مصر میں سب سے پہلے اس لقب کا رواج ہوا۔ کیونکہ اس کے پہلے بڑے دارالخلافہ بغداد میں وہ صرف قاضی ہی کے عہدے پر تھا اور یہ قاضی لوگوں میں میراث کے بارے میں مذہب اسماعیلی کے مطابق فیصلے کیا کرتا تھا اور دوسرے مسائل میں اور عورت کی میراث کے بارہ میں اس کے فیصلے اکثر مسائل میں جمہور کے مخالف ہوا کرتے تھے جن میں سب سے اہم یہ تھا کہ ان کے پاس نہ عصبہ تھا نہ عول اور عصبہ کے بدلے اقربیت کا لحاظ رکھ کر میت سے جو زیادہ قریب ہوتا اس کا لحاظ رکھتے اس کے بعد ترتیب وار قرابت کا لحاظ رکھتے خواہ مرد ہو یا عورت تو ان کے پاس اول درجہ والدین اور اولاد کا تھا اور دوسرا درجہ اجداد اور بھائی بہنوں کا تھا اور اسی طرح اور نزدیک کے قرابتداروں کے ساتھ بعید وارث نہ ہوتا تھا جیسے اگر میت نے ایک لڑکی چھوڑی جس کے ساتھ اس کے والدین میں سے کوئی نہ ہو تو وہ سب مال لے لیتی آدھا تو فرض کی بناء پر اور آدھا رد ہو کر اور اسی طریقہ پر فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے باپ کی میراث میں ان کا کوئی شریک نہ

Marfat.com

تھا اور ماں کے ساتھ کوئی بھائی یا بہن وارث نہ ہوتا اور عترت کے اس قول کے باوجود کہ میراث کے قاعدہ میں اقربیت ہے وہ سگے چچا زاد بھائی کو سوتیلے چچا پر مقدم رکھتے ہیں باوجودیکہ چچا چچا زاد بھائی سے اقرب ہے اور یہ حجت بیان کرتے ہیں کہ اس پر طائفہ محقہ کا اجماع ہے اور اسی اصول کی بنا پر ان کے بہت سے مسائل ہیں جس میں جمہور کی مخالفت ہوتی ہے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو لیا کہ اولاً اہل فرائض کو ان کے حقوق ادا کرو پھر جو باقی رہ جائے وہ قریب ترین مرد کو دو اور بعض اہل فرائض پر نقصان داخل کر کے عول سے بچ گئے۔

اس مذہب پر قضاء مصر کی ترتیب کے ساتھ ان کے علماء جامع ازہر میں تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے تھے جس کی بنیاد انھوں نے رکھی تھی اور اس کے لئے کتابیں تالیف کی گئیں اور وہ علماء اور طالبان علم کو ماہانہ وظیفے دیا کرتے تھے اور اس کو تبلیغ کا ایک ذریعہ بنا لیا تھا اور اس پر داعی دعاۃ اور اس کے مددگاروں کا عمل مستزاد تھا کیونکہ وہ جمہور کو اسماعیلی مذہب میں لانے کی انتہائی جد وجہد میں مصروف تھے لیکن یہ تمام کوششیں مطلوبہ نتیجہ نہ نکال سکیں کیونکہ امام مالکؒ وامام شافعیؒ کا مذہب جمہور کے دل میں عزت حاصل کر چکا تھا تو ان کے باطل کرنے یا ضعیف کرنے میں کوئی مؤثر عمل جاری نہ کیا جا سکا اور دونوں مذاہب کے علماء کے حلقہائے درس مصر کی جامع عتیق میں قائم تھے۔

اور ابو احمد بن افضل وزیر مستنصر آخر میں اس بات پر مجبور ہو گیا تھا کہ نرمی سے کام لے اور چار قاضی مقرر کرے جن میں سے ہر ایک اپنے مذہب کے مطابق حکم کرے اور اپنے اپنے مذہب کے مطابق اسماعیلی قاضی اور امامی قاضی اور مالکی قاضی اور شافعی قاضی وراثت کے معاملات طے کریں اور یہ پہلا موقع تھا کہ مصر میں متعدد قاضی مقرر ہوئے اور ایسا ۵۲۵ھ میں ہوا اور جب حکومت میں زیادہ ضعف ہوا تو قاضی القضاۃ کا منصب ابو المعالی مجلی بن جمیع شافعی صاحب ذخائر کو ملا اور یہ ۵۴۷ھ کا واقعہ ہے۔

اور جب صلاح الدین، عاضد کا وزیر ہوا تو اس نے اسماعیلی حکومت کے تمام امتیازات کو ختم کر دیا اور اس کے قاضی جلال الدین بن ہبۃ اللہ بن کامل صوری کو ہٹا کر صدر الدین عبد الملک بن دریاس کردی شافعی کو قاہرہ میں ۵۶۶ھ میں قاضی القضاۃ بنا دیا اور صلاح الدین نے مذہب اسماعیلی سے مصر میں اس وقت تک مقابلہ کیا کہ اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا

Marfat.com

اور ہمارے اور ان کے درمیان تعلقات ختم ہو گئے یہاں تک کہ ہم ان کی کتابیں بھی مطالعہ نہیں کر سکتے نہ فقہ کی نہ اس کے علاوہ، اور شوافع میں قضاۃ ظاہر بیبرس کے آنے تک باقی رہی حتیٰ کہ اس نے تعدد قضاء کی بدعت کو دہرایا البتہ صرف مذاہب جمہور میں سے ہی ان کو مقرر کیا یعنی شافعی و مالکی حنفی و حنبلی۔

ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ مصر میں مذہب اسماعیلی کس حد تک کامیاب ہا اور امت کے مخصوص افراد میں سے کن لوگوں نے اس کو قبول کیا مگر ہم یہ ضرور جانتے ہیں کہ ان کا اثر عوام میں بہت ہی کم تھا کیونکہ اسماعیلی امتیازات سے ان کی نفرت عام طور پر مروی ہے اور اسی طرح ان کے عقائد سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء کی جماعت نے اس کو قبول نہیں کیا اور اس کو کفر و الحاد کی نشانی قرار دی جس کی وجہ سے جمہور ان سے نفرت کرنے لگے اور ان کی نفرت ان کے پوشیدہ دعوت کی وجہ سے بھی زیادہ ہونے لگی جس سے ان کے اعتقاد کی تائید ہونے لگی کہ وہ دین سے خارج ہیں جس کو اپنے ائمہ اور علماء سے انھوں نے میراث میں پایا ہے۔

۳- مذہبی تعصبات کا شروع

گزشتہ زمانہ میں جس مسامحت و بے تعصبی کے جھونکے چلتے تھے اور اس کی روح غالب ہو گئی تھی اس کا مقصد تو یہ تھا کہ اختلاف مذاہب کا کوئی اثر مختلف مذاہب والوں کے آپس میں نہ ہو کیونکہ ایک ہی شہر میں دو مجتہد ہوا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور ہر شخص اپنے رفیق کو اجتہاد کو جائز قرار دیتا تھا اور اس پر کوئی عیب نہیں لگاتا تھا اور بہت زیادہ جو بات ان سے معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ ان میں ایک دوسرے کی مسائل میں سے کسی مسئلہ میں غلطی نکالتا اور کبھی اپنی تنقید پر اس کو تحریری اطلاع دیتا یا اس سے زبانی گفتگو کرتا لیکن یہ سب انتہائی احترام کے ساتھ ہوتا اور اس سے محبت کرتا اور اس کی تعریف کرتا جیسا کہ ہم نے اس کے پہلے لیث بن سعد کا خط بنام امام مالک بن انس نقل کر دیا ہے و نیز شافعی نے ابو حنیفہ کے مسائل پر تنقید لکھی اور یہ بھی فرمایا کرتے کہ لوگ فقہ میں ابو حنیفہ کے بچے ہیں اور اکثر محمد بن حسن کی تعریف کیا کرتے حالانکہ وہ ان سے بڑا مناظرہ کیا کرتے تھے اور اپنے شاگرد احمد بن حنبل سے فرمایا کرتے کہ تمہارے نزدیک جب حدیث صحیح آجائے تو مجھے خبر کرنا اور فرمایا کرتے کہ جب حدیث کا ذکر آتا تو فرماتے مالک روشن ستارہ ہیں، اسی قسم کے اور اقوال ہیں جن سے معلوم

Marfat.com

ہوتا ہے کہ ان فقہاء میں اور ائمہ اطہار میں رواداری اور محبت کی روح غالب تھی اور وہ اس بارہ میں اپنے اسلاف صحابہ اور تابعین کی پیروی کرتے تھے لیکن اس دور میں جس میں روح تقلید سرایت کر گئی جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ان کو اپنے ائمہ کے مسائل کی طرف سے مدافعت کی ضرورت واقع ہوگئی اور امراء نے ان سے خواہش کی کہ ان کے سامنے مناظرہ کے میدان گرم کریں جس پر وہ نتیجہ ظاہر ہوا جن سے امام غزالیؒ کو ناراضی پیدا ہوئی اور ہر فریق جن مسائل کی مدافعت و مناظرہ کرتا اس کے متعلق آپس میں تعصب کرنے لگا اور دوسرے فریق کو جیسا کہ وہ خصم کے الفاظ سے تعبیر کرتا تھا دشمن سمجھنے لگا اور ان میں سے ہر ایک فریق دشمنی پر اتر آیا اور عوام نے اس بارہ میں ان کا اتباع کیا اور معاملہ اس حد تک پہونچ گیا کہ نماز میں ایک فریق اپنے مخالف مذہب والے کی اقتدا کو حرام سمجھنے لگا اور ہمیں نہیں معلوم کہ یہ قاعدہ کب وضع کیا گیا۔ اس قاعدہ پر اعتماد کرتے ہوئے جو ہم نہیں جانتے کہ کب وہ نکالا گیا کہ اقتدار میں اعتبار مقتدی کے مذہب کا ہے نہ کہ امام کے مذہب کا البتہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ شافعی کی اکثر نماز حنفی کی نظر میں صحیح نہیں ہوتی کیونکہ شافعی جسم سے نکلنے پر وضو نہیں کرتا کیونکہ یہ ان کے امام کے نزدیک ناقص وضو نہیں ہے اور اسی طرح حنفی اجنبی عورت کو چھونے سے وضو نہیں کرتا کیونکہ یہ اس کے نزدیک ناقص وضو نہیں ہے اور حنفی سورہ فاتحہ کی قرأت کے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھتا۔ الا کہ شافعی کی نظر میں یہ سورۂ فاتحہ کی آیت ہے جس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی اور یہ اور اسی قسم کے اور مسائل مقتدی کے دل میں شک پیدا کرتی ہیں جب کہ وہ اپنے مخالف مذہب کی اقتدا کرے اور ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے یہ کس طرح کہا باوجودیکہ ائمہ کی اجتہاد اور اختلاف میں رواداری اور محبت تھی اور یہ اعتبار کیا جاتا تھا کہ مجتہد کا اجتہاد جس امر کی طرف پہونچا دے اس کے حق میں اس پر عمل کرنا واجب ہے اور اس کو جائز نہیں کہ اس کے غیر کی طرف تجاوز کرے تو اس نظریہ کا مقتضا تو یہ تھا کہ ہر مجتہد کی نماز صحیح سمجھی جاتے اور اس سے یہ قاعدہ نکل جاتا ہے کہ اقتداء میں امام کے مذہب کا اعتبار ہے نہ کہ مقتدی کے مذہب کا لیکن تعصبات مذہبی نے جماعتوں میں فصل پیدا کیا اور مستقل منافسۃ قائم ہوگیا اور بعض فقہاء نے معاملہ کو بڑھا دیا کہ ایک نے دوسرے پر یہ تہمت لگائی کہ ان کے ائمہ نے کتاب وسنت کے بعض صریح مسائل میں مخالفت کی اور اسی پر اس مسئلہ کی بنیاد رکھی کہ اگر کوئی قاضی ان کے مطابق کوئی فیصلہ کرے تو اس کا حکم منسوخ ہو جائے گا لیکن یہ مسائل اجتہادی نہیں ہیں بہرحال ہم اس موضوع پر گفتگو

Marfat.com

طویل نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہم نے تو اس کا ذکر محض اس لئے کیا ہے کہ آثار تقلید میں اس کے اثر طبعی کا اعتبار کیا جائے۔

اگر کوئی کہے کہ تم یہ دعویٰ کس طرح کرتے ہو کہ یہ تقلید کے آثار ہیں حالانکہ ابن حزم اندلسی نے جو پانچویں صدی میں تھے تقلید کو ترک کر دیا تھا اور اپنے نفس کے لئے ایک طریقہ اختیار کر لیا اور اجتہاد مطلق کا دعویٰ کر لیا تھا اور اس کے باوجود ہم نے کسی فقیہ کو ان سے تیز زبان اور اپنے مخالفین پر سخت بات کرنے والا نہیں دیکھا اور اس کا ثبوت ان کی دونوں کتابوں "احکام لاصول الاحکام" اور محلی کو جو فقہ کی معتبر کتابیں ہیں دیکھنے سے اندازہ کر سکتے ہو تو ہم یہ کہیں گے کہ وہ باوجود اپنے دعویٰ اجتہاد کے حقیقت تقلید سے باہر نہ تھے کیونکہ وہ مذہب داؤد بن علی کے مبلغ اعظم تھے اور ان کے مذہب کی تائید میں سرگرم تھے اور ان کے دل کو تنگ کرنے کے لئے یہ امر بہت کافی تھا کہ ان کے شہر کے علماء ان کی دشمنی اور عداوت کے لئے کھڑے ہوئے جس پر انھوں نے اپنے قلم کی باگ چھوڑ دی اور ان پر سخت حملے کئے جس پر ان کو یہ گمان تھا کہ وہ ان پر غالب ہو جائیں گے اور واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے اس سے خود کو اور اپنی رایوں کو تباہ کر دیا جس کی وجہ سے ان کا کوئی اثر نہ ان کی حیات میں قائم ہو سکا نہ موت کے بعد باقی رہا باوجودیکہ ان کی وسعت علم اور قوت فکر کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اس دور کے فقہاء

اس دور کے فقہاء نے اپنے ائمہ سے مروی مختلف روایات میں ترجیح ظاہر کی اور اس کی علتوں کو ظاہر کیا اور ان ائمہ سے جن امور میں حکم یقینی نہ ہو ان علل کی بناء پر اس کے متعلق قیاس کر کے فتویٰ دیا اس لئے ان کو اپنے ائمہ کے مذاہب کا مکمل کرنے والا سمجھا جاتا ہے اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ ہم ان میں سے ان مشہور علماء کے حالات بیان کریں جنھوں نے کتابوں کی تدوین و تصنیف کا کام انجام دیا اور جو کچھ انھوں نے لکھا وہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے بنیاد ثابت ہوئیں۔

اور ہم پہلے علماء حنفیہ کو شروع کرتے ہیں جن میں سے بیس فقیہ ہم نے منتخب کئے ہیں جو یہ ہیں:-

(۱) ابوالحسن عبیداللہ بن حسن کرخی عراق میں رئیس الحنفیہ اور ان کے اکابر اساتذہ میں تھے مختصر اور شرح صغیر و کبیر لکھی جو محمدؒ بن حسن کی ہے ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ان کی وفات

Marfat.com

۳۴۰ھ میں ہوئی وہ اس زمانہ کے بڑے فقہار میں سے تھے ان کا شمار مجتہدین میں ہوتا ہے۔

(۲) ابوبکر احمد بن علی رازی حصاص جو کرخیؒ کے شاگرد ہیں اور ان کے بعد یہی سردار ہوئے مختصر کرخی اور مختصر طحاوی اور محمدؒ کے جامع کی شرحیں لکھیں اصول فقہ میں اور ادب القضاۃ میں ان کی ایک ایک تصنیف ہے ۳۷۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) ابوجعفر محمد بن عبداللہ بلخی ہندوانی جن کو ابوحنیفہ صغیر کہا جاتا تھا ائمہ بلخ سے تھے بخارا میں ۳۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی بولعام ہدیٰ کے نام سے مشہور تھے، ہندوانی کے شاگرد ہیں، نوازل اور عیون اور فتاوی اور خزانۃ الفقہ اور شرح جامع صغیر لکھی ۳۷۳ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابوعبداللہ یوسف بن محمد جرجانی جو کرخیؒ کے شاگرد تھے خزانۃ الاکمل چھ جلدوں میں لکھی اور زیادات اور جامع کبیر اور مختصر کرخی کی شرحیں لکھیں اور خزانۃ الاکمل اکثر تصنیفات کی جامع ہے حاکم کی کافی سے شروع کی اور جامعین زیادات مجرد اور منتقی اور مختصر کرخی اور شرح طحاوی اور عیون المسائل کو اس میں جمع کیا ۳۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۶) ابوالحسن احمد بن محمد قدوری بغدادی، اور وہ مشہور کتاب مختصر کے مصنف ہیں اور مختصر کرخی کی شرح لکھی اور کتاب تجرید تصنیف کی جس میں ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کے اختلافی مسائل غیر مدلل طور پر درج ہیں لیکن دیکھنے میں اس کی عبارت اچھی ہے اور شیخ ابوحامد اسفرائینی شافعی سے مناظرہ کیا کرتے تھے ۴۲۸ھ میں وفات پائی۔

(۷) ابوزید عبداللہ بن عمر الدبوسی سمرقندی، جنھوں نے سب سے پہلے علم اختلاف کی بنیاد رکھی اور ان کی سب سے بڑی تصنیف "اسرار" ہے اور نظم فی الفتاوی اور کتاب تقویم الادلۃ ہے مناظرہ میں اور دلیلوں کے استخراج میں وہ ضرب المثل تھے اور سمرقند و بخارا میں ان کے بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ مناظرات ہوا کرتے تھے ۴۳۰ھ میں وفات پائی۔

(۸) ابوعبداللہ حسین بن علی صیمری جو فقہار حنفیہ کے بڑے لوگوں میں سے تھے اچھی عبارت والے اور مناظرہ میں اچھے تھے ۴۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۹) ابوبکر خواہرزادہ محمد بن حسین بخاری جو ماوراء النہر کے بڑے لوگوں میں سے تھے، مختصر تجنیس اور مبسوط نامی کتابیں لکھیں ۴۳۳ھ میں وفات پائی اور خواہرزادہ آپ کو اس لئے کہا جاتا ہے چونکہ وہ قاضی ابی ثابت محمد بن احمد بخاری کے بھانجے تھے۔

Marfat.com

(۱۰) شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد حلوانی بخاری، جو مبسوط کے مصنف تھے اور وہ اہل بخاری کے اپنے وقت میں امام تھے ۴۴۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی جو حلوانی کے شاگرد تھے مجتہدین میں ان کا شمار تھا امام علامہ صاحب حجت متکلم و مناظر اور صاحب اصول اور مجتہد تھے مشہور کتاب انھوں نے مبسوط روزجند کے ایک کنویں میں قید کی حالت میں تھے پندرہ جلدوں میں املا کرائی۔ خاقان کو ایک نصیحت کرنے کے جرم میں ان کو یہ سزا دی گئی تھی اور بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے اپنے حافظہ سے کنویں میں سے لکھواتے تھے اور ان کے شاگرد کنویں کے اوپر بیٹھکر لکھتے تھے۔ اصول فقہ میں ان کی ایک کتاب سیر کبیر کی شرح ہے اور مختصر طحاوی کی شرح لکھی اور ان کی مبسوط دراصل کافی کی شرح ہے جو حاکم اور شہید نے لکھی ہے اور یہ مصر میں چھپ چکی ہے پانچویں صدی کے آخر میں وفات پائی۔

(۱۲) ابو عبداللہ محمد بن علی دامغانی، عراق میں احناف کی ریاست ان پر ختم ہوئی اور وہ صیمری اور قدوری کے شاگرد تھے اور بغداد میں قضارت ان کو ملی، دامغان میں ۳۹۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۷۸ھ میں وفات پائی، ابوالطیب شافعی ان کی تعریف کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ دامغانی ہمارے اکثر اصحاب سے زیادہ مذہب شافعی کو جاننے والے ہیں اور وہ شیخ ابو اسحق شیرازی شافعی سے مناظرہ کیا کرتے تھے۔

(۱۳) علی بن محمد بزدوی، جنھوں نے گیارہ جلدوں میں مبسوط لکھی اور جامع کبیر و جامع صغیر کی شرح لکھی اور کتاب اصول بزدوی کے مصنف ہیں، اور فقہ میں ان کی ایک کتاب غناء الفقہاء ہے ۴۰۰ھ کے حدود میں پیدا ہوئے اور ۴۸۳ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) شمس الائمہ بکر بن محمد زرنجری، زبردست امام اور مذہب کی حفاظت میں ضرب المثل تھے ۴۲۷ھ میں پیدا ہوئے اور حلوانی سے علم حاصل کیا ۵۱۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابواسحاق ابراہیم بن اسماعیل صفار، جو قاضی خاں کے استاد تھے اور ان کے آباواجداد سب کے سب بڑے فقہار تھے بخارا میں ۵۳۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری صاحب خلاصۃ الفتاوی ماوراء النہر میں حنفیہ سے شیخ اور مسائل میں اجتہاد کرنے والوں میں بڑے مشہور لوگوں میں سے تھے ان کی تالیفات میں خزانۃ الواقعات ہے ۵۴۲ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

(۱۷) ظہیرالدین عبدالرشید بن ابی حنیفہ بن عبدالرزاق ولوالجی ان کی فتاویٰ کی ایک کتاب ہے جو ولوالجیۃ کے نام سے مشہور ہے ۵۴۰ھ کے بعد وفات پائی۔

(۱۸) ابوبکر بن مسعود بن احمد کاسانی جو ملک العلماء کے لقب سے ملقب تھے کتاب بدائع کے مؤلف ہیں جو ایک اچھی ترتیب کی کتاب ہے اور کتاب تحفۃ الفقہاء کی شرح لکھی ہے جو ان کے شیخ علاء الدین محمد بن احمد سمرقندی نے لکھی تھی ۵۸۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۹) فخرالدین حسن بن منصور اوزجندی فرغانی جو قاضی خاں کے نام سے مشہور بہت بڑے امام ہیں فتاویٰ کی مشہور کتاب لکھی جس میں اور عام طور پر پیش آنے والے مسائل درج ہیں اس کے علاوہ واقعات امالی محاضر آپ کی تصانیف ہیں اور زیادات جامع صغیر اور ادب القضاۃ مصنفہ خصاف کی شرح لکھی اور اس کے علاوہ اور کتابیں بھی لکھیں ۵۹۲ھ میں وفات پائی ان کا شمار مسائل میں اجتہاد کرنے والوں میں ہے اور قاسم بن قطلوبغا نے قدوری کی تصحیح میں لکھا ہے کہ قاضی خاں کی تصحیح دوسروں کی تصحیح پر مقدم ہے کیونکہ وہ خود فقیہ ہیں۔

(۲۰) علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل فرغانی مرغینانی صاحب ہدایہ، امام و فقیہ و حافظ تھے اور ان کی تصانیف کتاب منتقی نشر المذہب تجنیس مناسک الحج مختارات الفوازل کتاب الفرائض ہیں ۵۹۳ھ میں وفات پائی۔

مالکی مذہب کے بڑے فقہاء

(۱) محمد بن یحییٰ بن لبابۃ اندلسی جو اپنے زمانہ میں مذہب کے بہت بڑے حافظ شروط باندھنے کے عالم اور اس کی علتوں کے ماہر تھے، وہ فتویٰ اور فقہ میں مذہب کی پابندیوں سے آزاد رہا کرتے تھے فقہ میں ان کی کئی تالیفات ہیں جن میں سے ایک منتخبہ اور ایک کتاب الوثائق ہے ابن حازم فارسی کا قول ہے کہ ان کی کتاب منتخبہ کے مقابلہ میں ہمارے اصحاب کی کوئی کتاب نہیں ہے اس کتاب کی تصنیف کا مقصد مسائل مدونہ کی شرح ہے ۳۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابوبکر بن علاء قشیری، اصل میں بصرہ کے رہنے والے تھے پھر مصر کی طرف منتقل ہوئے قاضی اسماعیل کے شاگردوں سے فقہ حاصل کیا اور بڑی کتابیں تالیف کیں جن میں سے ایک کتاب الاحکام ہے جو اسماعیل بن اسحاق کی کتاب کا خلاصہ اور اس پر کچھ اضافہ ہے اور کتاب الاعلی المزنی کتاب اصول فقہ اور کتاب قیاس وغیرہ بھی آپ کی تصانیف ہیں ۳۴۴ھ میں

Marfat.com

وفات پائی۔

(۳) ابو اسحاق محمد بن قاسم بن شعبان عنسی، جو مصر میں اپنے وقت میں مالکی فقہاء کے رئیس اور ان میں سب سے زیادہ مالکؒ کے مذہب کے حافظ تھے لیکن ان کی کتابوں میں مالکؒ کے نادر اقوال اور قوم کے ایسے شاذ اقوال تھے جو اُن کے شاگردوں میں مشہور نہ تھے نہ ان کے ثقات اصحاب نے روایت کی انھوں نے مذہب امام مالکؒ کا استقرار کیا اور کتاب زاہی شعبانی فقہ میں تالیف کی ۳۵۵ھ میں وفات پائی۔

(۴) محمد بن حارث بن اسد خشنی، جنھوں نے قیروان میں فقہ حاصل کیا پھر اندلس آئے اور وہاں کے علماء سے علم حدیث حاصل کیا اور قرطبہ کو وطن بنا لیا فقہ کے حافظ اور اس فن میں سبقت لے جانے والے فتاویٰ کے عالم اور مسائل میں بہتر قیاس کرنے والے تھے اور امام مالکؒ کے مذہب میں اتفاق و اختلاف پر ایک کتاب لکھی ایک اور کتاب جس میں امام مالکؒ کے اصحاب نے ان سے اختلاف کیا تصنیف کی اس کے علاوہ فتاوی کی کتاب اور دوسری کتابیں لکھیں ۳۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابوبکر محمد بن عبداللہ معیطی اندلسی، فقہ کے حافظ اور امام مالکؒ اور ان کے اصحاب کے مذہب کے عالم تھے اور یہ وہی ہیں جنھوں نے ابی عمر اشبیلی کے ساتھ امیر المومنین حکم کے لئے کتاب استیعاب مکمل کی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب حکم کے پاس پہونچی جس کو قاضی اسماعیل کے بعض اصحاب نے شروع کیا تھا، اور اس کی باب بندی کی اور اس کو ایک ایسی جامع کتاب مخصوص اقوال مالکؒ کی بنائی تھی جس میں ان کے کسی شاگرد کا قول ان سے روایات کی اختلاف میں شریک نہ تھا اور مؤلف اس کے پانچ جزء لکھ چکے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا جب اس کتاب کو (حکم) نے دیکھا تو اس کو پسند آگئی اور اس کے تکمیل کی خواہش پیدا ہوئی اور اس کے لئے معیطی اور ابو عمر کو منتخب کیا جس کو ان دونوں نے ایک سو جلدوں میں مکمل کیا معیطی کا ۳۶۷ھ میں انتقال ہوا۔

(۶) یوسف بن عمر بن عبدالبر، جو علماء اندلس کے شیخ تھے اور اپنے وقت میں ان کے بڑے محدثین سے تھے انھوں نے ایک کتاب جس کا نام "استذکار لمذاہب علماء الامصار فیما تضمنہ الموطأ من معانی الآثار" ہے تصنیف کی جس میں موطأ کی ترتیب کے مطابق اس کی شرح اور فقہ میں ایک کتاب کافی لکھی اس کے علاوہ اور کتابیں بھی لکھیں جو ان کے ماہر فن ہونے پر دلالت کرتی ہیں ۳۸۰ھ

Marfat.com

میں وفات پائی۔

(۷) ابو محمد عبداللہ بن ابی زید عبدالرحمٰن نفزی قیروانی جو اپنے وقت میں مالکیوں کے امام اوران کے رئیس تھے اور مذہب مالکؒ کے جامع اوران کے اقوال کے شارح تھے اور اطراف عالم سے لوگ ان کے پاس آیا کرتے تھے ان کے برگزیدہ شاگردوں کی تعداد بہت تھی اور انھوں نے مذہب کو ملخص کیا وہ چھوٹے امام مالک کے نام سے مشہور تھے ان کی بہت سی تالیفات تھیں جن میں سے ایک نوادر ہے اور ایک زیادات تھی مدونہ اور ایک مدونہ کا خلاصہ ہے اور ایک عتبیہ کی تہذیب ہے اور کتاب الرسالۃ مشہور ہے اس کے علاوہ اور کتابیں ہیں ۳۸۶ھ میں وفات پائی۔

(۸) ابوسعید خلف بن ابی القاسم ازدی جو برادعی کے نام سے مشہور ہیں ابی محمد بن ابی زید اور قابسی کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں اور مذہب کے حفاظ میں سے ہیں اور اس مذہب میں ان کی کئی تالیفات ہیں جن میں سے ایک کتاب التہذیب ہے جو مدونہ کا اختصار ہے جس میں ابو محمد کے اختصار کی طرز اختیار کی ہے لیکن انھوں نے اس کی ترتیب مدونہ کے طرز پر رکھی ہے اور جو ابو محمد نے اس کتاب میں اضافہ کیا تھا اس کو حذف کر دیا ہے یہ کتاب مغرب اور اندلس معمول بہ رہی ہے۔ اور ان کی تالیفات میں کتاب التمہید بھی ہے جو مدونہ کے مسائل ابو محمد کے اختصار اور ان کی زیادات کے طرز پر ہیں اور ان کی ایک کتاب اختصار الواضحہ ہے۔

(۹) ابو بکر محمد بن عبداللہ ابہری جن کی کئی تصنیفات مذہب امام امام مالکؒ کے دلائل اور شرح میں ہیں اور مخالفین پر رد کی کتابیں بھی ہیں اور اپنے وقت میں اپنے اصحاب کے امام اور ثقہ ثابت قدم مشہور تھے بغداد میں فقہ حاصل کیا اور عبدالحکم کی مختصر کبیر اور مختصر صغیر کی شرح حسین لکھیں جو ان شہروں میں انہی کی وجہ سے امام مالک کا مذہب پھیلا اور عراق میں اپنے وقت میں امام مالک کی رائے کو قائم رکھنے والے تھے جامع منصور میں ساٹھ سال درس اور فتویٰ دیتے رہے اور مالکؒ کے تلامذہ میں عراق میں قاضی اسماعیل کے بعد ابہری کے مثل کوئی شاگرد پیدا نہیں ہوا اسی طرح ان دونوں کے طبقے میں دنیا کے کسی خطہ میں سحنون کے سوا ان دونوں کا کوئی مدمقابل نہ تھا بلکہ ان کے شاگرد سب سے زیادہ تھے اور اتباع کے لحاظ سے ان کے شاگرد دوسرے لوگوں سے افضل تھے اور ان کے طلبا سب سے زیادہ ممتاز تھے اور ابہری کی تالیفات میں مذکورہ بالا تالیفات کے علاوہ مزنی پر رد کی کتاب ہے اور

Marfat.com

کتاب الاصول اور کتاب اجماع اہل مدینہ وغیرہ ہیں ان کی موت کے بعد امام مالکؒ کا مذہب عراق میں کمزور ہوگیا بغداد میں ۳۹۵ھ میں انھوں نے وفات پائی۔

(۱۰) ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف با بن ابی زمنین البیری بڑے فقہاء اور محدثین سے تھے "المغرب فی المدونہ" تصنیف کی اور اس کے اشکال کی شرح کی اور اس کے نکات میں جو تفقہ تھا اس کی وضاحت کی اور اس کے الفاظ پر غور و فکر کے بعد اس کی مرویات کو ضبط کیا مدونہ کی مختصرات میں اس کے مثل کوئی نہیں اور کتاب منتخب فی الاحکام اور کتاب مہذب وغیرہ تصنیف کیں ۳۹۹ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) ابوالحسن علی بن محمد بن خلف المعافری' جو ابن قابسی کے نام سے مشہور تھے' وسیع الروایۃ اور عالم بالحدیث تھے اور اس کے علل اور اس کے رجال کو جانتے تھے فقیہ اور صاحب اصول تھے کئی مفید تالیفات کیں جن میں سے ایک کتاب الممہد فی الفقہ اور احکام دیانہ اور کتاب مختصر موطا ہے ۴۰۳ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) قاضی عبدالوہاب بن نصر بغدادی مالکی' مناظرہ میں بہترین عمدہ تعبیر کرنے والے تھے ابہری کے بڑے شاگردوں سے فقہ حاصل کیا پھر بغداد میں جب ان کی مخالفت ہوئی تو مصر چلے گئے وہاں ان کی عزت کی گئی ان کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں ایک کتاب النصر لمذہب امام دارالہجرۃ اور المعونۃ لمذہب عالم المدینہ اور ایک کتاب الادلہ لمسائل الخلاف ہے اور رسالہ ابن ابی زید اور مدونہ کی شرحیں بھی لکھیں ۴۲۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد الحضرمی المعروف بہ لبیدی افریقہ کے مشہور علماء سے ہیں' ابن ابی زید اور ابوالحسن قابسی سے فقہ حاصل کیا مذہب میں بہت بڑی کتاب تالیف کی جو بڑی بڑی دو سو جلدوں میں تھی جس میں مدونہ کے مسائل اور اس کی تفصیلات بھی تھی اور اس کی شاخیں نکالنے اور اصولی مسائل کی زیادتی اور نادر روایتوں میں ہے اور ایک کتاب مدونہ کے اختصار میں ہے جس کا نام ملخص ہے ۴۴۰ھ میں انھوں نے وفات پائی۔

(۱۴) ابوبکر محمد بن عبداللہ بن یونس صقلی' امام و فقیہ علم فرائض کے عالم اور ہمیشہ جہاد میں مشغول رہتے بہت شجاع تھے علم فرائض میں ایک کتاب لکھی اور ایک کتاب جامع مدونہ لکھی جس میں اور اصولی مسائل درج کئے ۴۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابوالولید سلیمان بن خلف باجی' اندلس میں علم حاصل کیا پھر مشرق کی طرف گئے اور

Marfat.com

وہاں بہت علم پھیلایا پھر اپنے وطن کو واپس ہوئے ابن حزم کے معاصر تھے اور ان کے ساتھ ان کے مناظرات ہیں اور ابن حزم انہی کے بارہ میں کہا کرتے تھے کہ مالکی مذہب کے اصحاب میں قاضی عبدالوہاب کے بعد ابوالولید باجی کے مثل کوئی نہ تھا اور ان کی بہت سی تالیفات ہیں جیسے الموطا فی شرح الموطأ اور کتاب المنتقی ہے کہ وہ بھی اسی کی شرح ہے دراصل وہ کتاب استیفاء کا خلاصہ ہے۔ کتاب السراج فی علم الحجاج اور کتاب مسائل الخلاف اور کتاب المہذب مدونہ کے اختصار میں ہے اور ایک کتاب شرح مدونہ ہے اور کتاب احکام الفصول فی احکام الاصول وغیرہ ۴۹۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) ابوالحسن علی بن محمد ربعی جو لخمی سے ملقب ہیں قیروان کے رہنے والے صفاقس میں آئے فقیہ و فاضل تھے مدونہ پر بڑی تعلیق لکھی تھی جس کا نام تبصرہ رکھا جو بہت مفید اور اچھی ہے لیکن اس میں اکثر اختیار و تخریج سے کام لیا ہے اس لئے مذہب کے اختیارات سے نکل گئے ۴۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد قرطبی جو اپنے زمانہ میں فقہاء اندلس و مغرب کے سربرآوردہ سردار تھے ان کی صحت نظر اور عمدہ تالیف اور فقہ میں باریک بینی کا اعتراف کیا جاتا تھا ان پر روایت سے بڑھ روایت غالب تھی، کتاب البیان والتحصیل لما فی المستخرجۃ من التوجیہ والعلیل اور کتاب المقدمات لاوایل کتب المدونہ لکھی اور یحیی بن اسحاق کی مولفہ کتابوں کا اختصار اور طحاوی کی کتاب مشکل الآثار کی تہذیب کا خلاصہ لکھا ۵۲۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۸) ابوعبداللہ محمد بن علی بن عمر تمیمی مازری صقلی، جو اہل افریقیہ اور اس کے علاوہ مغرب کے امام تھے اور شیوخ افریقیہ میں تحقیق فقہ اور رتبہ اجتہاد اور باریک بینی کا شغل رکھنے والوں میں آخری تھے فقہ اور اصول میں شروح لکھیں اور کتاب مسلم کی شرح اور قاضی عبدالوہاب کی کتاب تلقین کی شرح لکھی۔ مالکی لوگوں کے لئے اس کتاب کی مثل کوئی کتاب نہیں اور امام حرمین کے کتاب برہان کی شرح لکھی جس کا نام محصول من برہان الاصول رکھا ۵۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۹) ابوبکر محمد بن عبداللہ، جو ابن عربی کے نام سے مشہور تھے معافری اشبیلی، جنھوں نے اپنے شہر میں تعلیم حاصل کی پھر بلاد مشرق کی طرف طویل سفر کیا اور بہت سے علماء سے ملاقات کی جن میں امام غزالی رح بھی ہیں اور ان سے بہت فائدہ حاصل کیا اور مسائل اختلاف اور اصول و کلام کو عمدہ طور پر حاصل کیا پھر علم سے مالامال ہو کر اندلس کو واپس ہوئے بہت سی تصانیف

Marfat.com

کیں ان کی تصنیفات سے کتاب احکام القرآن اور کتاب المسالک فی شرح موطا مالکؒ ہے
اور ایک کتاب محصول فی اصول الفقہ ہے ۵۴۳ھ میں وفات پائی۔

(۲۰) قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض یحصبی سبتی جو حدیث و تفسیر میں اپنے وقت کے امام تھے فقیہ صاحب اصول اور ان احکام کے بڑے واقف تھے جو شروط کو منعقد کرتی ہیں مذہب امام مالکؒ کے حافظ تھے۔ ان کے استادوں میں ابن رشد بھی ہیں جن کی بہت سی مفید تصنیفات ہیں جن میں سے ایک اکمال المعلم فی شرح صحیح مسلم اور شفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشارق الانوار فی تفسیر غریب الموطأ و بخاری و مسلم ہے اور کتاب ترتیب مدارک اور تقریب المسالک لمعرفۃ اعلام مذہب مالک وغیرہ ہیں ۵۴۲ھ میں وفات پائی۔

(۲۱) اسماعیل بن مکی عوفی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اولاد میں سے ہیں جن کا خاندان سرحد اسکندریہ میں بڑا اور علم میں مشہور ہے اور وہی شرح تہذیب کے مؤلف ہیں جس کا نام عوفیہ ہے جس کی (۳۶) جلدیں ہیں۔ مؤلف دیباج اس کی ایک جلد پر واقف ہوا جو اس سے نقل کی گئی تھی کہا جاتا ہے کہ وہ پچاس جلدوں کا ایک ٹکڑا ہے جو بڑی سائز میں ہیں جس کے ساڑھے پانچ کراسے (۲۷) سطری مسطر سے ہیں جس میں صرف سجدہ تلاوت کی بحث تھی (۷۰ ۲۹) سطر میں تھی انھوں نے ۵۸۱ھ میں وفات پائی۔

(۲۲) محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن احمد بن رشد جو "   " کے نام سے مشہور تھے ان پر روایت سے بڑھ کر درایت غالب تھی اندلس میں کوئی شخص ان کے مثل کمال و علم و فضل میں پیدا نہیں ہوا اور ان کی عمدہ تالیفات میں سے کتاب بدایۃ المجتہد اور فقہ میں نہایت المقتصد ہے جس میں اختلاف کے وجوہ اور ان کی علتیں بیان کیں اور نہایت عمدہ اور مفید معلومات جمع کی ہیں اس لئے ان کے وقت میں ان سے زیادہ مفید اور بہتر طرز کی کوئی کتاب نظر نہیں آتی اصول میں المستصفیٰ کا خلاصہ کیا ۵۹۵ھ میں وفات پائی۔

(۲۳) ابو محمد عبداللہ بن نجم بن شاس، جذامی سعدی، جنھوں نے مذہب امام مالکؒ میں ایک نفیس کتاب تصنیف کی جس کا نام "الجواہر الثمینۃ فی مذہب عالم المدینۃ" رکھا اس کی ترتیب انھوں نے غزالیؒ کی "وجیز" کی ترتیب پر رکھی مصر میں مالکی حضرات اس کے حسن اور کثرت فوائد کی بنا پر اسی کتاب کی طرف مائل تھے ۶۱۰ھ میں وفات پائی۔

اور یہ وہ شافعی حضرات ہیں جنھوں نے اس زمانہ میں مذہب شافعیؒ تالیف اور ان کے مذہب

Marfat.com

کو پھیلانے اور ان کے کتابوں کی اصلاح میں مشغول رہے اور اس میں امتیاز حاصل کیا وہ اکثر اہل عراق اور خراسان اور ماوراء النہر سے تعلق رکھتے ہیں درج ذیل ہیں۔

(۱) ابو اسحاق ابراہیم بن احمد مروزی فتویٰ اور تدریس میں اپنے زمانہ کے امام تھے فقہ ابن سریج سے حاصل کیا اور اس میں کمال حاصل کیا اور عراق میں ابن سریج کے بعد ریاست انہی کو ملی بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور مزنی کی شرح لکھی اور بغداد میں ایک زمانہ تک درس و فتویٰ دیتے رہے اور ان کے اصحاب میں بہت سے برگزیدہ اکابر پیدا ہوئے پھر آخر عمر میں مصر کی طرف چلے گئے اور وہیں ۳۴۰ھ میں وفات پائی اور حضرت امام شافعیؒ کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔

(۲) ابو احمد محمد بن سعید بن ابی القاضی خوارزمی جو اہل علم کے خاندان سے تھے ابو بکر صیرفی اور ابو اسحاق اور ان دونوں کے طبقوں کے علماء سے فقہ حاصل کیا اور وہ کتاب حاوی اور عمدۃ القدیمین کے مصنف ہیں ماوردی اور فورانی نے یہ دونوں کتابیں خود انہی سے پڑھی ہیں اور اصول میں ان کی ایک کتاب ہدایہ ہے ۳۴۰ھ کے چند سال بعد وفات پائی۔

(۳) ابو بکر احمد بن اسحاق ضبعی نیشاپوری فقہ میں بلند درجہ حاصل کیا اور کتاب الاحکام تصنیف کی ۳۴۲ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابو علی حسین بن حسین معروف بہ ابن ابی ہریرہ مشائخ شافعیہ اور ان کے ائمہ میں سے تھے ابن سریج سے فقہ حاصل کیا اور مختصر کی شرح کی ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابو السائب عتبہ بن عبید اللہ بن موسیٰ القاضی جو علماء ائمہ میں سے تھے اور شوافع میں سب سے پہلے بغداد کے قاضی القضاۃ ہوئے ۳۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۶) قاضی ابو حامد احمد بن بشر مروزی، ابی اسحاق کے شاگردوں میں سے تھے کتاب جامع تصنیف کی جو اصول و فروع پر محیط ہے جس میں نصوص اور وجوہ مذکور ہیں شافعی حضرات کے نزدیک یہ قابل اعتبار اور بہترین کتاب ہے مختصر مزنی کی شرح کی ۳۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۷) محمد بن اسماعیل معروف بہ قفال کبیر شاشی جو ماوراء النہر میں شافعیوں کے بڑے فقہاء میں سے تھے ان کی ایک کتاب اصول فقہ میں ہے اور رسالہ کی شرح کی ہے اور انہی کے ذریعہ ماوراء النہر میں فقہ شافعی کی اشاعت ہوئی ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔

(۸) ابو سہل محمد بن سلیمان صعلوکی، ابی اسحاق مروزی سے فقہ حاصل کی پھر نیشاپور واپس گئے

Marfat.com

وہاں درس و فتوی دیتے رہے ۳۶۹ھ میں وفات پائی۔

(۹) ابوالقاسم عبدالعزیز بن عبداللہ داد کی جنھوں نے نیشاپور میں تعلیم حاصل کی اور ابی اسحٰق مروزی سے فقہ حاصل کیا اور انہی سے عام مشائخ بغداد نے علم حاصل کیا ۳۷۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) ابوالقاسم عبدالواحد بن حسین صیمری، مذہب کے حافظ بہترین اور قابل مصنف تھے انہی سے ایک جماعت نے علم حاصل کیا ماوردی نے بھی ان سے علم حاصل کیا ان کی تصنیفات میں الافصاح فی المہذب اور کتاب الکفایہ اور کتاب فی القیاس والعلل، اور آداب مفتی و مستفتی ہیں ایک کتاب الشروط میں ہے ۳۸۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) ابوعلی حسین بن شعیب سنجی، خراساں کے بڑے عالم تھے سب سے پہلے انھوں نے ہی عراق اور خراساں کے دونوں طریقوں کو جمع کیا اور وہ قاضی حسین قفال کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں مختصر کی شرح لکھی اور اسی کا امام حرمین نے مذہب کبیر نام رکھا ابن القاص کی تلخیص اور ابن الحداد کے فروع کی شرح لکھی اور ۴۰۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) ابوحامد بن محمد اسفرائنی طریقہ عراق کے شیخ مذہب کے حافظ اور امام تھے مروزی سے فقہ حاصل کیا اور ائمہ کبار میں شمار ہوئے اور دین و دنیا کی ریاست بغداد میں انہی کو ملی مزنی کی شرح میں ان کی طرف سے تعلیقات لکھی گئی ہیں یہ ابوعبداللہ صیمری کے معاصر تھے جو اپنے زمانہ میں اصحاب ابوحنیفہ کے امام تھے اور قدوری نے انہی کے حق میں لکھا ہے کہ وہ شافعیؒ سے زیادہ فقیہ اور صاحب نظر تھے ۴۰۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) ابوالحسن احمد بن محمد ضبی المعروف بہ ابن المحاملی شیخ ابوحامد کے بڑے شاگردوں میں سے تھے مجموع اور مقنع اور لباب وغیرہ تصنیف کیں اور شیخ ابی حامد کی طرف سے ان کی ایک تعلیق ہے جو انکی طرف منسوب ہے ۴۱۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) عبداللہ بن احمد المعروف بہ قفال صغیر خراسان کے بڑے فقہا میں سے ہیں اور ان کا طریقہ مذہب شافعی میں تہذیب کیا ہوا ہے جس کو ان کے شاگردوں نے ان سے سیکھا جو نہایت مضبوط اور تہذیباً واضح اور کثرت تحقیق کا ہے اور وہ خراسان میں ایسے ہی تھے جیسے ابی حامد اسفرائنی عراق میں تھے۔ ۴۱۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابواسحاق ابراہیم بن محمد اسفرائنی جو ائمہ شافعیہ کے بڑے اماموں میں سے ہیں اصول فقہ میں اپنی تعلیق تصنیف کی نیشاپور میں ۴۱۸ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

(۱۶) ابو الطیب طاہر بن عبد اللہ طبری، بڑے امام ہیں بغداد میں علمی ریاست کا ان پر خاتمہ ہوا عراقیوں نے انہی سے علم حاصل کیا۔ مزنی کی شرح کی، اختلاف اور مذہب اور جدال کے بارہ میں بہت سی بے نظیر کتابیں تصنیف کیں قاضی صیمری کے بعد کرخ کے قاضی ہوئے، ابی الحسن طالقانی اور قدوری کے ساتھ ان کے بہت سے مناظرے ہوئے ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ابو الحسن علی بن محمد ماوردی مصنف حاوی، واقناع فقہ میں احکام سلطانیہ وغیرہ، بصرہ میں صیمری کے پاس فقہ حاصل کی پھر شیخ ابی حامد اسفرائنی کے پاس گئے اور دونوں شہروں میں درس دیا اور ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۸) ابو عاصم محمد بن احمد ہروی عبادی مصنف زیادات و مبسوط وہادی وادب قضاۃ جو مشکل عبارت اور پیچیدہ بات کرنے میں مشہور تھے اور اس میں وہ اپنے استاد ابی اسحاق کے نقش قدم پر تھے ۴۵۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۹) ابو القاسم عبد الرحمن بن محمد فورانی مروزی مصنف ابانہ وعمدہ وغیرہ تصانیف ابو بکر قفال کے بڑے شاگردوں میں سے تھے اور اہل مرو کے شیخ تھے ۴۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۲۰) ابو عبد اللہ قاضی حسین مروروذی، انھوں نے قفال سے فقہ حاصل کیا حرمین میں استاذ تھے ۴۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۲۱) ابو اسحاق ابراہیم بن علی فیروزآبادی شیرازی جو فقہ میں تنبیہ و تہذیب کے مصنف تھے اور اختلاف میں نکت اور لمع اور اس کی شرح کے اور اصول فقہ میں تبصرہ کے اور جدال میں ملخص اور معونہ کے مصنف تھے اور فصاحت اور مناظرہ میں ضرب المثل تھے کہتے ہیں کہ وہ فقہ کے اصول بتانے اور اس کی فروع نکالنے میں ابن سریج کے قائم مقام تھے اور طلباء کی کثرت میں بھی انہی کی طرح تھے اور ابی عبد اللہ دامغانی حنفی کے ساتھ مناظرے کیا کرتے تھے ۴۷۶ھ میں وفات پائی۔

(۲۲) ابو نصر عبد السید بن محمد ابن صباغ کے نام سے مشہور تھے اور شامل، کامل، عدۃ العالم، طریق السالم، کفایۃ المسائل اور فتاویٰ کے مصنف تھے بغداد میں شافعیوں کی ریاست ان کو ملی اور وہ ابو اسحاق شیرازی کے مثل تھے اور سب سے پہلے انھوں نے ہی نظامیہ بغداد میں درس دیا ۴۷۷ھ میں وفات پائی۔

(۲۳) ابو سعد عبد الرحمن بن مامون متولی مصنف تتمہ جس کو اپنے شیخ فورانی کی کتاب ابانہ

Marfat.com

پر تصنیف کیا جس میں حدود تک پہونچے اور فرائض میں ان کی ایک مختصر کتاب ہے اور اختلاف میں ایک کتاب ہے شیخ ابی اسحاق کے بعد انھوں نے نظامیہ میں درس دیا ۴۸۸ھ میں وفات پائی۔

(۲۴) ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ جوینی مشہور بہ امام الحرمین اپنے والد سے فقہ حاصل کی اور نیشاپور کے بلکہ پورے مشرق کے فقہ اور اصول اور کلام میں امام مانے گئے اور مکہ میں چار سال مجاورت کی اور یہیں سے آپ کو امام الحرمین کا لقب حاصل ہوا نیشاپور واپس گئے تو نظام الملک نے ان کے لئے مدرسہ نظامیہ بنایا اور ان کی تصنیفات میں سے فقہ میں نہایہ ہے ابن عساکر کے قول کے مطابق مذہب میں اس کی مثال نہیں اور اصول فقہ میں برہان اور مذہب شافعی کی ترجیح میں مغیث الخلق تصنیف کی جس پر ان کے معاصر ابواسحاق شیرازی نے بہت تعریف کی ۴۷۸ھ میں وفات پائی۔

(۲۵) ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسماعیل رویانی مصنف بحر جو ائمہ مذہب میں سے ایک امام تھے حفظ میں ضرب المثل تھے اور نظام الملک ان کی بہت تعظیم کرتے تھے اور طبرستان اور اس کے دیہات میں سے رویان کے قاضی ہوئے ۵۰۲ھ میں قتل کئے گئے ان کی تصنیف بحر سے ماوردی کی حاوی مراد ہے البتہ اس کے ساتھ کچھ فروع جو اپنے والد اور دادا سے انھوں نے حاصل کیا تھا شامل کی ہیں۔

(۲۶) حجۃ الاسلام ابوحامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوس میں ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے امام الحرمین سے فقہ حاصل کی اور خوب کوشش کے بعد مذہب اختلاف اور جدال اصول فقہ و حدیث و منطق میں کمال حاصل کیا اور حکمت و فلسفہ پڑھا، امام الحرمین ان کی تعریف بحر ذخار کے نام سے کرتے تھے امام الحرمین کی وفات کے بعد بغداد گئے اور نظامیہ کے متولی ہوئے ان کی مذہب میں بسیط و وسیط و وجیز و خلاصہ اور اصول فقہ میں مستصفی اور منخول اور بدایۃ الہدایہ اور خلافیات میں مآخذ، اور مسائل تعلیل کے بیان میں شفاء العلیل اور اس کے علاوہ مختلف علوم میں کتب تصنیف کیں[1]، طوس میں ۵۰۵ھ میں وفات پائی امام غزالی کے بعد ان کا مثل پیدا نہیں ہوا۔

(۲۷) ابواسحٰق ابراہیم بن منصور بن مسلم عراقی فقیہ مصری شارح مہذب امام و خطیب جامع عتیق مصر، طلب علم میں پہلے عراق گئے پھر مصر آئے اسی لئے وہ عراقی مشہور ہوئے اور قاہرہ میں

---

[1] معلوم نہیں مصنف نے امام غزالی کی مشہور ترین کتب احیاء العلوم اکسیر ہدایت منہاج العابدین کا ذکر کیوں مناسب نہیں سمجھا حالانکہ یہ دنیا کی مشہور ترین کتب انہی کی تصانیف میں سے ہیں ۱۲ منہ محمد رضی۔

Marfat.com

نہایت معظم و محترم سمجھے جاتے تھے وہاں کے فقہاء نے ان سے علم حاصل کیا ۵۹۶ھ میں وفات پائی۔

(۲۸) ابوسعد عبداللہ بن محمد بن ہبۃ اللہ المعروف بہ ابن ابی عصبرون تمیمی موصلی دمشق میں آئے اور وہاں کے قاضی القضاۃ ہوئے موصل میں فقہ حاصل کی پھر بغداد میں پھر موصل میں درس دیا اور اخیر میں دمشق منتقل ہوئے اور وہاں ۵۷۳ھ میں قاضی مقرر ہوئے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے صفوۃ المذہب علی نہایۃ المطلب سات جلدوں میں ہے اور کتاب الانتصار و مرشد و ذریعہ فی معرفۃ الشریعۃ اور اختلاف میں تیسیر ہے اور ایک کتاب الارشاد فی نصرۃ المذہب ہے جس کی انھوں نے تکمیل نہیں کی اس کے علاوہ اور تصنیفات بھی ہیں

(۲۹) ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد قزوینی رافعی جنھوں نے العزیز فی شرح الوجیز لکھی جس کو بعض لوگ فتح العزیز بھی کہتے ہیں اور "محرر" تصنیف کی اور مسند شافعی کی شرح لکھی اور اس کے علاوہ اور کتابیں لکھیں۔ ان کی کتاب فتح العزیز ہی ان کے شرف کے لئے کافی ہے کیونکہ وہ ان کتابوں میں سے ہے جس کی مثال نہیں رافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے یگانہ لوگوں میں سے تھے اور فقہ میں عمدۃ المحققین تھے درجہ اجتہاد تک پہونچے ہوئے تھے ان کی وفات ۶۲۳ھ میں ہوئی۔

(۳۰) محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری نووی ۶۳۱ھ نوی میں پیدا ہوئے اور وہ محققین میں سے آخری تھے۔ اور شافعیؒ کے اصحاب میں ان کا درجہ اجتہاد کا ہے اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے انھوں نے کتاب روضہ تصنیف فرمائی جو رافعیؒ کے شرح کبیر کا اختصار ہے، اور اس سے اپنی کتاب منہاج کا خلاصہ کیا۔

Marfat.com

چھٹا دور

بغداد کی فتح سے جو ہلاکو خان کے ہاتھوں ہوئی اب تک

اور یہ دور تقلید محض کا ہے

سیاسی پس منظر

ترکی یا طورانی اقوام بہت بڑی قومیں اور مختلف قبائل سے مرکب ہیں اسلامی بلاد میں ان کے داخل ہونے کے اسباب مہیا ہوئے تو وہ اصلی شہروں کے علاوہ بہترین اسلامی مقامات پر قابض ہوگئے کوئی طاقت انکی پیش قدمی کو نہ روک سکی حتیٰ کہ وہ بلاد شام تک پہنچ گئے پھر مصریوں نے عین جالوت پر ان کا مقابلہ کیا جن کی قیادت مظفر قطز کر رہا تھا جو ممالیک بحریہ کے بادشاہوں کا تیسرا بادشاہ تھا اس نے ان کو بری طرح شکست دی جس کی وجہ سے مصر و شام ان کے غلبہ سے محفوظ رہا باوجود ان کی مکمل فتح مندیوں اور اکثر اسلامی شہروں پر ان کے قبضہ کے قوتِ اسلام نے ان کو اپنا مطیع بنا لیا اور وہ مسلمان ہوگئے مسلمان ہونے میں ان کی شمالی قسم جو نہر اتل میں سرائے میں تھی اور قسم شمالی جو بغداد اور بلاد فارس میں تھی اور قسم غربی بغداد و ایران میں تھی مگر قسم اول اسلام کی طرف ایک صدی پیشتر سبقت کر چکی تھی اور مصر و شام پر جو عنصر غالب تھا وہ بھی ترکی عنصر ہی تھا اور وہی ممالیک کے نام سے مشہور تھے اور اسی بنا پر تمام بلاد اسلامیہ میں بجز بلاد مغرب کے جہاں مغربی برابرہ کی حکومت تھی ترکوں کی سلطنت ہوگئی اور آٹھویں صدی کے شروع میں ترکی ایشیا میں ایک شخص عظیم الہمۃ اور بہادر پیدا ہوا جس کا نام عثمان تھا جو ترک قبیلہ کا سردار تھا اس نے اپنی قوم کے لئے آل سلجوق کے ویرانوں پر جو وسط ایشیا میں موجود تھے ایک حکومت کی بنیاد ڈالی اور وہ اور اس کی اولاد اس کے بعد اپنے پڑوس کے چھوٹے ممالک پر غالب ہوتے رہے حتیٰ کہ ان کی ایک بڑی حکومت قائم ہوگئی پھر وہ بذات خود یورپ پر حملہ آور ہوئے اور اس کے بڑے حصہ پر قابض ہوگئے اور نویں صدی کے نصف پر ان کے ہاتھ پر شہر قسطنطنیہ فتح ہوگیا جو بعد میں ان کی حکومت کا دارالخلافہ بنا پھر انھوں نے اسلامی بڑی حکومتوں پر حملہ کیا جن میں سب سے بڑی حکومت مصر کی تھی جو خلافت اسلامیہ عباسیہ کا دارالخلافہ تھا اس پر بھی غالب آگئے اور آخر

Marfat.com

خلفاء عباسیین کو انھوں نے ہٹا دیا اور اس کے بعد ان کے بادشاہ خلفاء کہلانے لگے اور اس طرح خلافت قاہرہ سے قسطنطنیہ منتقل ہو گئی اور مصر عثمانی حکومت کے تحت ہو کر ایک دم اپنے مقام سے سیاسی و علمی طور پر گر گیا لیکن دولت عثمانیہ بڑھنے لگی اور قوت اس کو مدد دینے لگی حتیٰ کہ اس کی سلطنت کے تحت بڑی اسلامی حکومتیں آگئیں اور اپنی عظمت کے بڑے زمانہ میں اسلام کا چراغ بلاد اندلس میں بجھ گیا جبکہ وہ تقریباً آٹھ صدی تک اس کو علم و ادب سے منور کر رہا تھا اور تیرھویں صدی کے شروع میں تضاد قدر نے مصر کے لئے ایک مرد مہیا کر دیا جو مرتبہ کے لحاظ سے بھی بڑا تھا اور انتہائی صائب الرائے تھا وہ محمد علی تھا مصر نے اس کو اپنا حاکم منتخب کر لیا اور اپنی کشتی کا ناخدا تجویز کر لیا اور اس وقت سے وہ اپنی طاقت کو واپس حاصل کرنے اور اپنی جگہ لوٹانے کی کوشش میں مصروف ہے اسی زمانہ میں یورپ نے اسلام کے غلبہ کا مقابلہ شروع کیا اور علم نے اکثر اس کے ارادوں کو کامیاب کر دیا اور اس جنگ کا سلسلہ جاری ہے اور ہم نہیں جانتے کہ آخری کامیابی کس کو حاصل ہو گی۔

اس زمانہ میں اجتہاد

اس زمانہ میں لکھنے کے لئے کوئی چیز مجھے صاف اور واضح نظر نہیں آتی۔ یہ واضح نہیں ہے کہ میں اس دور میں اجتہاد کی ہوائیں اس زمانہ میں رکی ہوئی ہیں اور اس میں وہ باتیں نہیں ملتیں جو لکھنے والے سے لکھوائیں اور یا کہنے والا اس کو کہے کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ پہلے دور میں تو اللہ تعالیٰ اپنی شریعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل فرما رہا تھا اور وہ ان احکام کی جو اللہ تعالیٰ نازل فرما رہا تھا تبلیغ فرما رہے تھے اور لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان فرما رہے تھے اور دوسرے تیسرے دور میں صحابہ اور تابعین استنباط کے طریقے اللہ کی کتاب اور سنت رسول اور رائے صحیح سے ظاہر کر رہے تھے اور چوتھے زمانہ میں بڑے بڑے علماء اور چوٹی کے فقہاء اس پھل کو چن رہے تھے اور احکام شریعت کو مفصل طریقہ پر مدون کر رہے تھے اور پانچویں دور میں ترتیب و تہذیب اور اختیار و ترجیح ہو رہی تھی تو اس دور کے متعلق جو آخری ہے کہنے والا کیا کہے۔ اور اس میں امتیاز کی کوئی چیز نہیں لیکن جب ہم نے اس دور کو دیکھا کہ ہم کو اس میں اٹھنے اور اپنے سلف صالح کے اقتدار کی ضرورت ہے تو ہم نے یہ ارادہ کیا کہ اس میں جو عیب ہیں ان کو ظاہر کر دیں اور جب عیوب ظاہر ہوں تو صاحبان فکر و قدرت کے لئے ممکن ہو گا کہ اس کے علاج کے لئے کھڑے ہوں۔

اس زمانہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ علماء کے نفوس میں تقلید محض کی روح

Marfat.com

بیٹھ گئی ہے ان میں ایسا کوئی نہیں دیکھا جاتا جس کے نفس نے اس کو اجتہاد کے رتبہ پر پہنچایا ہو بجز چند کے اور وہ بھی اس دور کے پہلے نصف میں تھے اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ قاہرہ نے بغداد کی جگہ لی اور مملکت اسلامیہ کا مستقر اور خلافت عباسیہ کا دار الخلافہ بنا تو اس زمانہ میں ہر وقت ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جو اس رتبہ پر پہونچے لیکن اس کے باوجود وہ مشہور و معروف ائمہ کی طرف منسوب ہونے سے آگے نہ بڑھ سکے لیکن نصف ثانی میں جو دسویں صدی کی ابتداء سے اس وقت تک کا ہے حال بدل چکا ہے اور نشانات میں تغیر واقع ہوگیا اور اعلان کر دیا گیا کہ کسی فقیہ کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کوئی بات پسند کرے یا کسی کو ترجیح دے ان کا زمانہ گزر گیا اور لوگوں کے اور متقدمین کی کتابوں کے درمیان حد فاصل قائم ہو چکی ہے اور ان کو صرف ان کتابوں پر اکتفا کرنا چاہئے جو ان کے سامنے ہیں عنقریب ہم ذیل میں ان کا حال بیان کریں گے۔

جب ہم اس حالت کی طرف رجوع کرتے ہیں جب مصراپنی مملکت کے سقوط اور اس سے خلافت منتقل ہونے کے پہلے تھا تو ہم کو حسب ذیل نام ملتے ہیں عز ابن عبد السلام۔ ابن حاجب۔ ابن دقیق العید۔ ابن رفعۃ۔ ابن تیمیہ سبکی اور ان کے فرزند اور ابن قیم اور بلقینی اور اسنوی اور کمال ابن ہمام اور جلال الدین محلی اور جلال الدین سیوطی یہ چاروں مذاہب کے ممتاز لوگوں میں سے تھے۔ پھر ہم اس کے بعد نظر دوڑاتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ کسی بڑے عالم یا بڑے فقیہ یا محترم مؤلف کو ہی نہیں پاتے بلکہ ہم ایک قوم کو پاتے ہیں جس پر فقہ میں قناعت نے غلبہ حاصل کیا اس میں بہت ہی کم ایسے لوگ ملیں گے جو اپنے مذہب کے علاوہ مشغلہ رکھتے ہوں اور جب اپنے مذہب کا مشغلہ رکھے گا تو انہی کتابوں پر اکتفا کریگا جو اس قدر مختصر ہیں گویا کہ وہ سمجھنے کے لئے ہی نہیں لکھی گئیں گویا سیاسی سقوط علم پر گرا اور خصوصاً دینی علم کو انتہائی گہرے غار میں گرا دیا اور جب مصر اپنی بزرگی واپس لینے لگا تو اس کو وہ مواقع پیش آئے جو ہم عنقریب بیان کریں گے۔

اسلامی شہروں کے علماء کے درمیان تعلقات کا انقطاع گزشتہ زمانوں میں کسی فقیہ کو فقیہ کا لقب پورے طور پر نہ ملتا تھا اور نہ اس کا کامل احترام ہوتا تھا جب تک کہ وہ سفر نہ کرے اور اپنے شہر کے علماء کے علاوہ دوسرے شہروں کے علماء سے ملاقات نہ کرے اور بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کو ان کے شہروں میں رہنے کے باوجود ان کی جلالت قدر و علمی تبحر کا اعتراف کیا گیا ہو دیکھو جلیل القدر ائمہ و محدثین کو کہ تم ان سب کو سیاحان عالم میں سے پاؤ گے آج کسی شہر میں ہیں تو کل حدیث و فقہ حاصل کرنے کے لئے دوسرے شہر میں ہیں غرض علم کی پیاس بجھانے کے لئے شہر شہر پھرتے مکہ مکرمہ ان کو موسم حج میں جمع کر دیتا

Marfat.com

تھا تاکہ ہر ایک دوسرے سے اس کے پاس جو کچھ حدیث دفقہ اور رائے کا علم ہے حاصل کر سکے اور اسی بنا پر ایک زمانہ کے تمام علماء میں تعارف مکمل ہوجایا کرتا تھا اور یہ ان کے معلومات میں اضافہ کا اور آپس میں محبت کی تقویت کا باعث ہوتا باوجودیکہ اس میں ان کو سفر کی شدتیں برداشت کرنا پڑتیں لیکن اس دور میں خصوصاً آخری زمانہ میں تمام شہروں کے علماء میں تعلقات کٹ گئے چنانچہ ایک مصری عالم ہندوستانی عالم کا نام نہیں سن سکتا تھا اور یہ مغربی عالم کو نہیں جانتا تھا اور اسی طرح ہر شخص البتہ ان میں سے جس کی کتاب نقل کی جائے تو اس وقت وہ اس کا نام سنتا بعض اوقات ان کی کتاب مشہور ہوجاتی اور بہت زیادہ واقعات موسم حج میں اس کے ہوتے کہ بعض علماء جو مختلف شہروں کے ہوتے وہ ایک دوسرے سے ملاقات کا اہتمام نہ کرنے یا اس سے روایت کی پرواہ نہ کرتے اور اس طرز عمل نے علوم اسلامیہ شرعیہ پر بلکہ متقدمین کے ان علوم پر جن میں روایت اور ملاقات کی ضرورت ہوتی ضعف ڈال دیا، یہ کافی نہیں کہ کسی عالم کی کتاب سے کوئی فائدہ حاصل کر سکے اس لئے کہ کتاب خاموش اور بیجان چیز ہے لیکن ملاقات ذہن کو تیز اور فکر کو بار آور کردیتی ہے کیونکہ اس میں بحث اور گفتگو کرنے کا موقع ملتا ہے، ہم اس وقت دس صدی پہلے کی حرکت علمیہ کا وہ حال جانتے ہیں جس سے کم مثلاً اس وقت ہندوستان میں نہیں جانتے ۔

ہمارے اور ائمہ کی کتابوں میں تعلقات کا انقطاع

یہ بڑی کتابیں جن کو قضا و قدر نے باقی رکھا ہے یہ اسلاف کی کتابیں ہیں اور یہ آثار قدیمہ کی ایک نشانی رہ گئی ہیں کہ زمانہ قدیم سے نہ کوئی اس کی پرواہ کرتا ہے اور نہ اس کا درس دیا جاتا ہے یہ کتب محمد بن حسنؒ اور محمد بن ادریس شافعیؒ اور مالک بن انسؒ جیسے ائمہ اور ان کے شاگردوں کی کتابیں ہیں بلکہ پانچویں دور تک کے ائمہ کی کتابیں ہیں اور یہ کتابیں وہ ہیں جو روح کو غذا پہونچاتی ہیں اور ہمت کو بلند کرتی ہیں اور فقیہ کو کامل بناتی ہیں بہت کم کسی عالم کو پاؤ گے کہ وہ اس کے درس کا انتظام کرتا ہو یا اس کی اطلاع بھی رکھتا ہو بلکہ تم بڑے علماء کو پاؤ گے کہ ان کے نام بھی نہیں جانتے اور ان کتابوں میں سے کوئی کتاب اگر تمہارے ہاتھ میں آبھی جائے تو ان میں سے کوئی بہت کم اس کے پڑھنے کا اہتمام کریگا اور انھوں نے ان کتابوں پر قناعت کرلی جو تنزل کے زمانہ میں لکھی گئی ہیں اس لئے ہمارے اور ان علماء کی کتب کے درمیان انقطاع تعلق ہوگیا صحیح و مفید روایت کے حاصل کرنے میں سوائے اس کے کہ کسی انسان کو اس کی ہمت و توجہ دلائے کہ وہ عام بالخاص کتب خانوں میں ان سے واقفیت حاصل کرے حالانکہ جب تم ان کتابوں اور متداول کتابوں کو ملا کر دیکھو گے تو تم عبارت کے سلیس ہونے اور تحریر کی پاکیزگی اور ماخذ کی سہولت میں بہت بڑا فرق پاؤ گے لیکن ہمتوں کے فتور اور ارادوں کے ضعف نے ہم کو بٹھادیا اور عجب نہیں کہ ہم کو یہ امر

Marfat.com

تباہ کردے۔

مجھ سے شیخ محمد محمود بن تلامید ترکزی شنقیطی نے جبکہ میں نے ان سے پہلی بار ملاقات کی سوال کیا تھا کہ تم نے کس سے ادب عربی سیکھی تو میں نے انکو جواب دیا کہ یا سیدی کتابوں سے تو فرمایا کہ کتابیں معلم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں تو میں نے ان سے کہا یا سیدی میں کیا کروں کیونکہ ہمارے اور ہمارے اسلاف کے درمیان تعلقات منقطع ہو گئے ہیں تو اب نہ کوئی معلم رہا اور استاد کا پہونچانے والا لیکن جب کہ میں نے آپ کو دیکھا تو آپ کو کافی سمجھا تو شیخ کا چہرہ میرے جواب سے چمک اٹھا اور فرمایا انشاء اللہ انشاء اللہ اور اگر شیخ رحمۃ اللہ تھوڑا سا عذر فرمالیتے تو ہمارے لئے اس عذر کو قبول فرمالیتے اس لئے کہ قدیم کا زمانہ ہمارے اور ہمارے اسلاف کے علم کے درمیان حائل ہو گیا ہے بجز اس ٹمٹماہٹ کے جو دیا کو بجھاتا ہے اور نہ بیماری کو شفا دیتا ہے لہٰذا ہم کس قدر اس ہمت کے محتاج ہیں جو ان کتب کو ان کی خواب گاہوں سے اٹھائے اور رخ ان کی طرف پھیر دے تاکہ علوم اسلامیہ میں ہمارے مدارج بلند ہوں اور اگر ہم سے یہ ہو سکا تو ہم کہہ سکیں گے کہ ہم بھی علماء ہیں۔

اختصار کی وجہ سے مطالب میں خلل

اختصار صرف اسی زمانہ کی بدعتوں میں سے نہیں ہے بلکہ یہ چوتھے دور میں بھی موجود تھی کیونکہ ائمہ کے شاگردوں نے ان کے کلاموں کا اختصار کیا اور اختصار کا طریقہ یہ اختیار کیا تھا کہ ان مسائل کو جن کی زیادہ ضرورت نہ ہوتی انکو حذف کر دیا اور ائمہ نے جن مسائل کو غیر مرتب لکھا تھا اس کو مرتب کر دیا اور جلیل القدر علماء نے بھی اس معاملہ میں ان کی تقلید کی لیکن اسی دور کے آخر میں اختصار کی ایک نئی شکل پیدا ہو گئی تھی۔ اور وہ شکل یہ تھی کہ بہت سے مسائل کو تھوڑے الفاظ میں جمع کر دیا جاتا چونکہ عربی کلام کا ان کو پورا سلیقہ نہ تھا اس لئے ان کا کلام ایک معمہ یا چیستان بن کر رہ گیا گویا مؤلف ان مسائل کو اس لئے نہیں جمع کرتا تھا کہ سمجھا جائے بلکہ محض اس لئے کہ مسائل جمع کر دے اور اس اختصار کا نمونہ دکھانے کے لئے میں ایک فصل تین کتابوں سے ایک ہی موضوع پر نقل کرتا ہوں یہ تینوں کتابیں ان مشہور کتابوں سے ہیں جو طالبان علم فقہ کی مشہور اور متداول رہی ہیں اور یہ موضوع اس پانی کے متعلق ہے جس سے طہارت جائز ہے یا نہیں۔ خلیل اپنی مختصر میں لکھتے ہیں

• ناپاکی اور نجاست کا حکم مطلق سے اٹھ جاتا ہو اور وہ وہ ہے جس پر پانی کا نام صادق آجائے بغیر کسی قید کے تو اگر شبنم سے جمع کرے یا اس کے جمنے کے بعد پگھل جائے یا جانور کا

Marfat.com

حائضہ کا یا ناپاک کا جھوٹا ہو یا ان دونوں کی طہارت سے بچا ہوا ہو یا بہت ہو اور ایسی نجاست سے مل گیا ہو جس نے اس کو بدل نہ دیا ہو یا اس کے بدلنے والے میں اس کا شک ہو کہ وہ نقصان کرتا ہے یا نہیں یا چپکنے والے تیل کی قربت سے بدل گیا ہو یا تارکول کی بو سے جو کسی مسافر کا برتن ہو یا اس سے پیدا ہونے والی کسی چیز سے یا اس کے تہ نشین ہیں یا کسی ڈالی ہوئی چیز سے خواہ وہ قصداً ہی کیوں نہ ہو مٹی یا نمک سے اور زیادہ راجح نمک سے "سلب" ہے نہ اس چیز سے جو رنگ یا مزہ یا بو کو بدلنے والی ہو اس چیز سے جو غالباً اس سے جدا ہو خواہ طاہر ہو یا نجس جیسے ملا ہوا تیل یا مصطگی کا دھواں اور اس کا حکم مثل اس کے بدلنے والے کے ہے اور اس کو نقصان کرتا ہے آب کشتی کے اونٹ کی رسی سے بدلنا جیسے حوض جانوروں کے گوبر سے یا کنواں درخت کے پتوں یا گھاس سے اور جنگل کے کنوئیں ان دونوں سے جواز ظاہر ہے اور موافق ملنے والے کو مخالف کے مثل بنانے میں تامل ہے اور اس پانی سے پاکی ہیں جو منہ میں ڈالا گیا ہو دو قول ہیں اور حدث میں جو پانی استعمال کیا گیا ہے اس سے پاکی کرنا مکروہ ہے اور اس کے غیر میں تردد ہے اور تھوڑا پانی جیسے غسل و وضو کا برتن ایسے نجس سے جس نے تغیر نہ کیا ہو یا اس میں کتے نے منہ ڈال دیا ہو اور ٹھیرا ہوا پانی جس میں غسل کیا جاتا ہو اور شراب پینے والے کا جھوٹا اور جس میں اس کا ہاتھ پڑ گیا ہو اور جو نجس پانی سے بے میل نہ ہو اس سے بچنا مشکل ہو تو نہیں یا وہ کھانے کی قسم سے ہو جیسے کشمش اور اگر اس کے استعمال کے وقت اس کے منہ پر سیرابی حاصل کی جائے تو اس پر عمل کیا جائیگا اور اگر جنگلی جانور جس کا خون بہتا ہو کسی ٹھیرے ہوئے پانی میں مر جائے اور وہ پانی متغیر نہ ہو تو ان دونوں کے برابر پانی کا نکالنا مستحب ہے اگر وہ مرنے کے بعد گرے اور اگر نجاست کا تغیر زائل ہو جائے نہ کہ مطلق کثرت کی وجہ سے تو طہارت اس سے مستحسن ہے لیکن اس سے طہارت نہ کرنا زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔ اور خبر واحد قبول کی جائیگی اگر اس کی وجہ ظاہر کرے یا یہ کہ دونوں متفق المذہب ہوں ورنہ کہا کہ اس کا ترک مستحسن ہے اور نجاست پہ پانی کا آنا اس کے عکس کے مثل ہے۔

اور زکریا انصاری اس مسئلہ کو اپنی منہج میں اس طرح لکھتے ہیں۔ بہنے والے مطلق پانی سے طہارت کی جائے گی اور وہ وہ ہے جس کو پانی کہا جائے بغیر کسی قید کے تو جو پاک ملنے والی چیز سے متغیر ہو جائے جس سے تغیر مستغنی عنہ ہو تو وہ نام کو بدل دیگا اور پاک کرنے والا نہ ہوگا نہ کہ مٹی اور پانی کا نمک اگرچہ اس میں ڈال دئے جائیں اور مکروہ ہے سخت گرمی اور سردی والا اور دھوپ کا پانی اس کے شروط کے ساتھ اور فرض میں مستعمل پاک کرنے والا نہ ہوگا اگرچہ قلیل ہو۔ اور پانی کے دو قلے نجس

Marfat.com

نہیں ہوتے ہیں اور وہ دو قلّے تقریباً پانچسو رطل بغدادی ہیں کسی نجس کے ملنے سے تو اگر وہ اس کو متغیر کردے تو نجس ہے تو اگر اس کا تغیر بنفسہ زائل ہوجائے یا کسی پانی سے تو پاک ہوجا ئیگا۔ اور ان کے سوائے نجس ہوگا۔

مرنے سے جس کا خون نہ بہتا ہو اور نہ ڈالا گیا ہو۔[۵] یہ وہ تین کتابیں ہیں جو ہمارے زمانے کے تینوں مذاہب میں سے کسی ایک میں طالب علم کو عالم بناتی ہیں جن کو تعبیر کے لحاظ سے دیکھو تو وہ خود تنہا سمجھ میں نہیں آتیں۔ اسی لئے وہ شرح کی محتاج ہوگئیں اور شرح حاشیہ کی محتاج ہوئی اور تمہارے دل میں یہ خیال نہ گزرے کہ اس موضوع کو دو ہفتوں سے کم میں پڑھا جاسکتا ہو اور یہ وقت بھی مصنف کے مقاصد کے سمجھنے میں صرف ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کتابیں دلائل سے خالی نہیں اسی لئے تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ میں سوائے اس فرق کے کچھ نظر نہیں آتا کہ تعلیم یافتہ وہ مسائل جانتا ہے جو غیر تعلیم یافتہ نہیں جانتا لیکن یہ کہ امام نے مسئلہ کس دلیل سے لیا ہے تو اس سے وہ کورے رہیں گے۔ حالانکہ فقہ اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اور بلحاظ ضرورت ان میں کوئی اثر تمام ائمہ کے خلاف کے لئے نہ پاؤ گے اور یہ چیز طالب العلم پر جس فہم کا دروازہ بند کردیتی ہے اور اسی چیز نے فقہ کو ہمارے درمیان کم درجہ کردیا ہے بلکہ وہ عوام سے قریب ہوگئے ہیں حنفیہ کی بعض متداول کتب جیسے ہدایہ اور اس کی شرح ہدایہ ان میں بلاشبہ دلائل اور اختلافات سے بحث کی گئی ہے۔ لیکن شوافع اور مالکی مذہب کی کتابوں میں یہ بات نہ ملے گی۔

کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ جب ہم تقلید کی حد پر ٹھہر گئے تو اس سے آگے بڑھنے کا موقع نہیں رہا اور فقہ کی تعلیم پانے والے کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ کتنا ہی عالی مرتبت کیوں نہ ہو لیکن اپنے امام سے بڑھ سکے اور مذہب میں اگر دو قول ہوں تو کسی کو ترجیح دے سکے کیونکہ ترجیح دینے والوں کا بھی زمانہ گزر چکا تو پھر دلیلوں میں مشغول ہونے یا دوسرے ائمہ کی رایوں پر اطلاع حاصل کرنے سے کیا فائدہ۔

ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اس وقت بہتر ہوتا جبکہ طالب معرفت عوام سے ہوتا جو ان میں سے کسی حکم کو جاننا چاہیں لیکن جو لوگ فقہاء بننا چاہیں تو ان کا درجہ یہ ہے کہ وہ جان لیں کہ ان کے امام نے حکم کہاں سے لیا اور اگر وہ اپنے مخالف کی رائے اور ماخذ اور استنباط کا طریقہ

---

[۵] یہ بالکل غیر مفہوم اور مغلق عبارتیں ہیں اسلئے ہم یہاں بقیہ ایک کتاب کا ترجمہ چھوڑ رہے ہیں۔ مترجم۔

Marfat.com

بھی معلوم کریں تو اس طرح ان کی معلومات اور علم میں بھی ترقی ہو گی تو ان کا درجہ ان کے سلف سے کون کم کر سکتا ہے جو اپنے لئے انہی اقوال کو منتخب کر لیا کرتے تھے جس کو اس مذہب کے لوگوں نے کہا جس کی وہ تقلید کرتے اور فقیہ کا درجہ جب اس مرکز پر ٹھہر گیا جس پر عوام ہیں تو وہ یقیناً قانون شرعی کے ضعف کی دعوت دے گا اس لئے کہ ایسی فقہ کو جاننے والوں کی نہ کوئی فکر ہو گی نہ رائے اور یہ بات جیسا کہ ہم آثار دیکھ رہے ہیں اس کے حقیقت کی گواہی دیتے ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہ ہو گی اگر وہ تمام کتابیں جو اسلامی رفعت کے زمانہ میں لکھی گئی ہوں یعنے جو چوتھے اور پانچویں دور میں لکھی گئی ہوں وہ گم ہو گئی ہوں اور طالبان کے ہاتھوں میں کچھ نہ باقی رہے سوائے ان کتابوں کے جو زوال اور زبان عربی کے ضعف کے زمانہ میں لکھی گئی ہوں تو طلبار کے لئے اس کی اصلاح ضروری ہو گی جبکہ وہ خلوص سے کام لیں جس کے لئے ان کو چاہیئے کہ وہ سب سے پہلے اپنے اسلاف کے آثار سے استفادہ کے لئے بیدار ہوں اور ایسے آثار الحمد للہ بہت ہیں اور ان میں سے اکثر ترقی یافتہ زبان میں لکھا ہوا موجود ہے جو طالب علم کو اپنے لہجہ کے درست کرنے اور اپنے فکر کی ترقی کے لئے مدد دیں گے۔ قلم اس وقت حیران و پریشان ہو کر ٹھیر جاتا ہے جبکہ اس سے ان برے آثار کو واضح کرنے کا ارادہ کیا جائے جو طالب العلم کے دل میں فقہ کی موجودہ متداول کتابوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس وقت دو مانع ہیں جو ہمارے ہیں فقیہ کو پیدا کرنے میں حائل ہیں۔

اول تو یہی کتابیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں جن کا ہم نے تفصیلاً ذکر کر دیا ہے۔

دوم۔ طریق تعلیم کیونکہ پہلے زمانوں میں جو فقہ حاصل کرنا چاہتا اس کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا تھا کہ کتاب اللہ اور سنّت رسول میں جن باتوں سے احکام کا استنباط کیا جاتا اس کا احصار کرلے پھر اس کا زیادہ وقت اس میں گزرتا کہ اس کے امام نے اس بارہ میں کیا فتویٰ دیا اور جب وہ تعلیم میں آگے بڑھتا تو اس بات سے واقفیت حاصل کرتا کہ اس کے مذہب کے ائمہ کی وہ رائیں کیا ہیں جن میں ان کے امام کی مخالفت کی گئی اور اس مخالفت کے وجوہ کیا ہیں۔ اور جب یہ مکمل کر لیتا تو دوسرے ائمہ کے رایوں کے متعلق بحث کرتا تاکہ وہ دونوں میں مقابلہ کر سکے اس تیسرے درجہ کے گزرنے کے بعد ہی وہ صاحب اقتدار فقیہ اور صاحب ترجیح عالم ہوتا۔ لیکن ہمارے یہاں مبتدی اور منتہی میں بجز کثرت مسائل و قلت کے کچھ فرق نہیں اور یہی وہ بات ہے جو مذہب شافعی میں ابو شجاع کے منہج کی

Marfat.com

امتیازی خصوصیت ہے لیکن کثرت مسائل ہی وہ چیز نہیں کہ انسان میں فقہ کی روح پیدا کر سکے۔

تیسرے درجہ کا طالب فقہ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کر دیا یہ درجہ منتہی کا ہوتا تھا کیونکہ وہ سوائے فقہ کے اور کسی علم میں مشغول نہ ہوتا تھا۔ اور دوسرے علوم کو فقہ کے ساتھ مخلوط نہ کرتا تھا۔ لیکن ہمارا انتظام ایسا ہے کہ جس میں مبتدی و منتہی برابر ہیں جیسا کہ پہلا یعنے مبتدی، بہت سے علوم کی ابتدائی کتابوں میں مشغول رہتا ہے دوسرا بھی اسی میں مشغول ہو گیا پس جب آخر میں میدان امتحان میں اس کو کامیابی حاصل ہو جاتی تو نہ وہ فقیہ رہتا ہے نہ ادیب اور نہ فلسفی بلکہ اس نے تو ہر علم کی ابتدائی کتابیں پڑھ لیں کہ فقہ کو نحو اور حساب سے کچھ زیادہ نہیں جانتا اور اس میں تمام ادارے جو دینی تعلیم میں مشغول ہیں برابر ہیں۔ اور یہ خیال نہ کر لینا چاہیے کہ ان میں سے جب کوئی سند حاصل کر لیتا ہے تو اس کے بعد وہ اپنے علم میں اضافہ اور اختلافات فقہاء کے جاننے کی کوشش کرتا ہو بلکہ وہ اس حالت پر قائم رہتا ہے جو اس کی امتحان کے وقت تھی اور یہ ایک بہت بڑا عیب ہے۔

میں اس وقت مورخ کی حیثیت میں ہوں جس کا کام حقائق کا نقشہ پیش کرنا ہے لیکن اگر مجھے کسی مطالبہ کے پیش کرنے کا موقع ملتا ہے تو میں دینی تعلیم کے لئے حسب ذیل مطالبہ پیش کرتا۔

(۱) ابتدائی تعلیم صرف ان احکام کی تعلیم کی حد تک محدود رہے جس کو امام مذہب نے قرار دیا ہو۔ اور یہ کسی آسان کتاب سے ہو جو اس کے لئے منتخب کر لی جائے۔

اور دوسرے درجہ میں ایسی مبسوط کتاب رکھی جائے جس میں مذہب کے دوسرے ائمہ کی رائیں درج ہوں جنھوں نے ان کے امام کی مخالفت کی ہو یا کسی رائے کو ترجیح دی ہو یا کسی قول کو اختیار کیا ہو ہر فریق کی دلیلیں اس کے ساتھ قائم کی جائیں اور اس کے لئے مذہبی اختلاف کی کتابوں میں سے کوئی کتاب منتخب کر لی جائے۔ اور ایسی کتابیں ہر مذہب میں بہت ہیں اور ساتھ ہی تفسیر و حدیث بھی پڑھائی جائے۔

اور منتہی کی تعلیم فقہ اور اس کے اصول اور کتاب و سنت سے جو احکام کے ساتھ متعلق ہوں ان تک محدود رکھی جائے اور اس میں ائمہ کے اختلافات اور اُن کے استدلال کے طریقے کی بھی تعلیم دی جائے۔

اور فقیہ کی سند صرف اس کو دی جائے جو دو چار مسئلوں پر ایک تحریر میں اُن مسائل

کے متعلق فقہاء کے اختلافات کی تشریح کرے اور اختلافات کے اسباب اور وہ اصولی قواعد بتائے جن پر اس کے قائل نے اپنے قول کی بنیاد رکھی ہے۔
اور یہ کام اس وقت تک پورا نہیں ہوسکتا جب تک علماء درس کے لئے ان کتب کے انتخاب پر آمادہ نہ ہوں جو چوتھے اور پانچویں دور کے علماء نے تصنیف کی ہیں۔
اس طرح دلوں میں فقہ کی روح اور اس میں وسعت پیدا ہوگی۔ اور ہم اسلاف کے قدم بقدم چلیں گے اور دین میں تفقہ کا ملکہ حاصل کرلیں گے اور ہم میں سے مستقبل میں ایسے فقہاء نکلیں گے جن پر ہم بھروسہ کریں گے اور ان کے اقوال اعتبار کے قابل ہونگے۔ اور جب ہم ہر سال اس طرز کے تھوڑے علماء پیدا کرلیں گے تب یہ ممکن ہوگا کہ ہم سابقہ زمانوں پر اپنے علماء و فقہاء سے فخر کرسکیں۔
اور جن بڑے علماء کو ہم جانتے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر وہ اخلاص سے کام کریں تو اپنی قوم کو اس منزل پر پہونچا سکتے ہیں لیکن ہم کو ان کے ناموں کے ذکر کی ضرورت نہیں۔
ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم سب کو اپنے دین اور اپنے شریعت کے خدمت کی توفیق دے تاکہ وہ اپنی حیات عالیہ کا فائدہ حاصل کرے۔ اس کے کوئی معنیٰ نہیں کہ ہم ہر چیز کو دائمی ترقی میں دیکھیں اور کھڑے رہیں اور سوائے قیل و قال کے ہمارا کوئی مقصد زندگی نہ ہو ہمارے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اپنے ماضی کی طرف لوٹیں۔ اور شوق اور امنگ کی شمع سے اپنے مستقبل کو روشن کریں۔

ہر متفقہ فی الدین کی خدمت میں

میں نے یہ کتاب آپ کے لئے لکھی ہے اور اس سے میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ کو سلف صالح کی زندگی کی تصویر دکھا کر انکی تقلید و اتباع پر آپ کو آمادہ کروں۔ اس کتاب کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ ایک اور کتاب لکھنے کا ارادہ ہے جن میں تفصیلی مسائل اور ان کے اختلاف کی مکمل تاریخ کا ذکر کرونگا۔ کیونکہ اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ صرف مثال اور نمونہ کے لئے لکھا گیا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھ کو اور آپ کو نیکی کی اور اسلاف کے نقش قدم پہ چلنے کی توفیق دے کیونکہ وہی دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہے۔

تمت

Marfat.com

ہماری چند بہترین

اسلامی مطبوعات

اخبار الاخیار از عبد الحق محدث دہلوی ۱۲/۰

رسول اکرم کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ ۸/۰

کشکول۔ از مولانا مفتی محمد شفیع ۷/۵۰

جدید زبدۃ المناسک از مولانا شیر محمد ۸/۰

ہمارے عائلی مسائل از مولانا محمد تقی عثمانی ۳/۷۵

آلات جدیدہ کے شرعی احکام ۲/۵
از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

شہید کربلا ،، ،، مجلد ۲۵/۱ بلا جلد ۷۵/۰

سیرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم ۲/۰
از مولانا محمد شفیع۔ بلا جلد ۱/۵۰ مجلد ۲/۰

خلفائے راشدین از مولانا عبد الشکور لکھنوی ۳/۳۷

قرآن میں نظام زکوٰۃ مجلد از مولانا محمد شفیع صاحب ۱/۵۰

روح تصوف از محمد شفیع صاحب ۳/۵۶

علمائے سلف اور نابینا علماء ۲/۲۵
از مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی

سیرت عمر بن عبد العزیزؓ ۳/۰
از مولانا عبد السلام ندوی

امام ابوحنیفہؒ کی تدوین قانون اسلامی ۰/۷۵
از ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب

مقالات ابو الکلام آزاد ۲/۰

مضامین ابو الکلام آزاد ۲/۰

خطبات الاحکام یعنی خطب بارہ ماہی ۲/۵۰
از مولانا اشرف علی تھانویؒ

کرامات صحابہ از ،، ،، ،، ۱/۵۰

تاریخ اسلام از مولانا محمد میاں صاحب ۳/۵۰
مجلد تین حصے کامل

حصہ اول ۰/۷۵

حصہ دوم ۱/۵۰

حصہ سوم ۰/۶۲

سیرت الرسول از شاہ ولی اللہ ۰/۷۵

المنجد اردو مجلد ۳۰/۰

فتاوی دار العلوم دیوبند مجلد ۳۰/۰
فقہی ترتیب والا جدید اڈیشن

الادب المفرد مترجم اردو مجلد ۱۲/-

آیات بینات از نواب محسن الملک سید محمدی علی خاںؒ مجلد ۸/۰

دار الاشاعت نزد مولوی مسافر خانہ کراچی ۱

Marfat.com

تاریخ التشریع الاسلامی عربی

تاریخِ فقہ اُردو

تالیف عربی
علامہ شیخ محمد خضری بک
پروفیسر جامعہ مصریہ

ترجمہ اُردو
مولانا محمد تقی صاحب عثمانی
مولانا حبیب احمد ہاشمی

جس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آجتک ہر دور کے فقہ اسلامی کی مکمل تاریخ اور خصوصیات نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور ساتھ ہی چاروں ائمہ یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور انکے شاگردوں کے حالات اور انکے علمی کارنامے اور تصانیف کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے

Ahmad Khan Nasim M.A.

ناشر

دارالاشاعت

مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱

Marfat.com